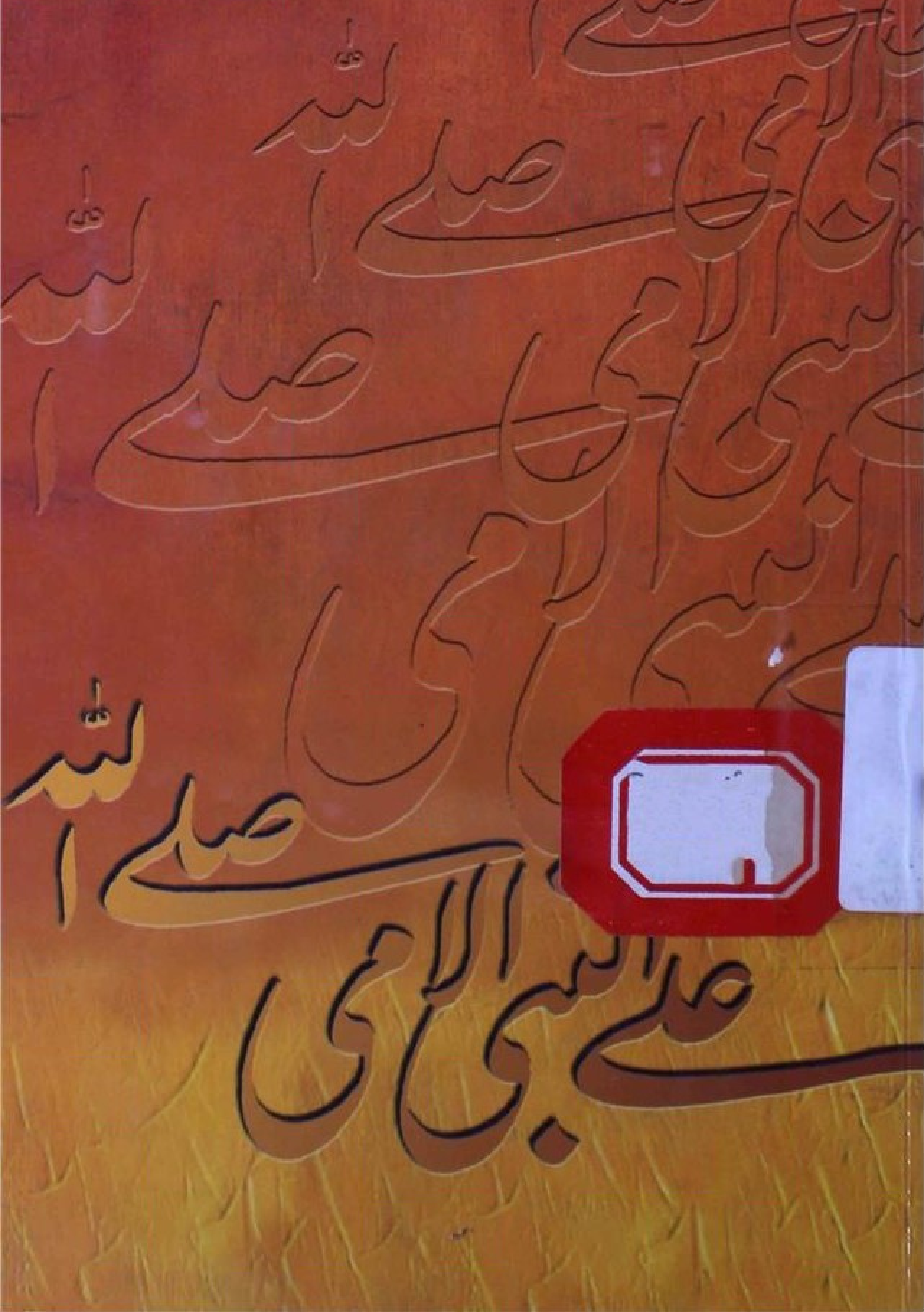
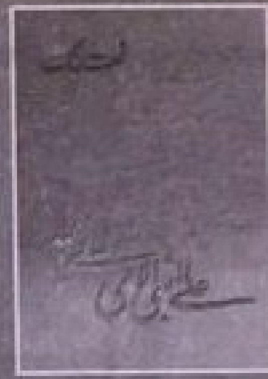
نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ





نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

شمارہ ۱۱ | مارچ ۲۰۰۱ء

اس شمارے کی قیمت

پاکستان : ۱۵۰/ روپے

بیرون ملک

(بذریعہ ایئرمیل)

سعودی عرب : 38 ریال

یو اے ای : 45 درہم

امریکا : 12 ڈالر

برطانیہ : 8 پاؤنڈ

سرورق پر

عکس خطاطی

ناشر

اقلیم نعت

CONTACT :

E-201, Saima Avenue,
Sector-14 B, Shadman Town-2,
North Karachi-75850
Pakistan.
Tel : (92-21) 6901212
Fax : (92-21) 4941723
Email : naatrang@yahoo.com

مرتب و ناشر صبیح رحمانی نے فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ سے چھپوا کر مرکزی دفتر اقلیم نعت

۲۰۱-اے، صائمہ ایونیو، سیکٹر ۱۴ بی، شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ سے شائع کیا۔

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

پروفیسر محمد اقبال جاوید

پروفیسر شفقت رضوی

اور

ادیب رائے پوری

کی نعت شناسی کے نام

دھنک

مقالات و مضامین

شخصیت و فن

فکر و فن

تجزیاتی مطالعہ

بازیافت

مطالعات نعت

نعتیں

خطوط

عطا پہ اوروں کی ہم کس لیے نظر کرتے
تمہارا ﷺ در تھا تو کیوں خود کو در بدر کرتے

(منتخب احمد نور ثقلینی)

منجانب

ریاض شیخ (کراچی)

نیک خواھشات کے ساتھ

نواب برادرز اسٹیل مل (سائٹ) کراچی

مظفر وارثی (لاہور)

حمد باری

صفات رحمٰن کا ترانہ ہے قل ھو اللہ
تہائی قرآن کا خزانہ ہے قل ھو اللہ

تمام توحید ہے رسالت ہے آخرت ہے
ہر ایک منزل ہر اک زمانہ ہے قل ھو اللہ

غلط نہیں ہے جو اس کو قرآں کی آنکھ کہیے
جمال رب کا نگار خانہ ہے قل ھو اللہ

بنائے ارض و سما ہے رکھی ہوئی اسی پر
حیات انساں کا آب و دانہ ہے قل ھو اللہ

نزول اس کا فلک سے دو مرتبہ ہوا تھا
شعور کی عید کا دوگانہ ہے قل ھو اللہ

جمال بھی ہے امان بھی نور و معرفت بھی
خدا کے عرفان کا بہانہ ہے قل ھو اللہ

پکاری جاتی ہے بیس ناموں سے یہ اکیلی
یقیناً اک سورۂ یگانہ ہے قل ھو اللہ

بلالؓ جس سے ہر اک ستم کا جواب دیتے
احد احد کا وہ شادیانہ ہے قل ھو اللہ

عذاب قبر و عذاب دوزخ سے یہ بچائے
ہر اک برات کا آشیانہ ہے قل ھو اللہ

نسب اگر جاننا ہو خلاق دوجہاں کا
تو اس کی تفسیر منصفانہ ہے قل ھو اللہ

پڑھوں مظفر میں ایک تسبیح روز اس کی
ذریعۂ قرب والہانہ ہے قل ھو اللہ

حمدیہ ہائیکو

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

تیری روپ تلک
من میں جب سے اُتری ہے
تن من ایک دھنک

تیرے نام کی لے
ایک ہی لہجے میں گونجیں
ساتوں سر جیسے

اقبال حیدر (کراچی)

دل کی یہی دُعا
ہر لمحہ، ہر سانس کرے
تیری حمد وثنا

جھوٹ ہیں سارے ڈر
سب سے بڑا سچ دُنیا میں
اللہ اکبر

سیّد معراج جامی (کراچی)

میرے رب کا نور
دل میں ظاہر ہے لیکن
عقل سے کوسوں دُور

کرتا ہے اقرار
ہر اک ذی حس کہتا ہے
تو ہے پالن ہار

ابتدائیہ

اکیسویں صدی کا آغاز ہو چکا ہے، مسلمان وقت کی کسی بھی پیمائش کو ذکر نبی کریم ﷺ سے الگ کر کے نہیں دیکھتے۔ ظرفِ زماں یا ظرفِ مکاں کوئی بھی ہو، ان ہی کی یاد اور ان ہی کے ذکر سے جگمگاتا ہے۔

زیر نظر شمارہ ''نعت رنگ'' کا گیارھواں شمارہ ہے۔ نئی صدی کی دہلیز پر ذکر نبی کریم ﷺ کے اس چراغ کو روشن کرتے ہوئے میں نئی مسرتوں اور نئی امنگوں کے جلو میں ان امکانات پر غور کر رہا ہوں جو آنے والے برسوں میں صنف نعت میں پیدا ہوں گے۔ اس اہم موقعے پر میرے ذہن میں بیسویں صدی میں نعت گوئی کے فروغ کے کئی جائزے روشن ہیں۔

بلاشبہ بیسویں صدی (جسے نعت کی صدی بھی کہا گیا) میں نعت گوئی کے رجحان میں قابل رشک اضافہ ہوا اور نعت گوئی نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی۔ نعت کے موضوعات میں تنوع پیدا ہوا، ہیئت میں تبدیلیاں ہوئیں، تخلیقِ نعت کے ساتھ ساتھ تحقیقِ نعت، تنقیدِ نعت اور تدوینِ نعت کا شعور بھی پیدا ہوا جس کے نتیجے میں بے شمار معیاری نعتیہ مجموعے، کئی اہم تحقیقی مقالے، کچھ تنقیدی کتابیں، چند ادبی انتخاب اور نعت گو شعرا کے کئی اہم تذکرے سامنے آئے۔ علاوہ ازیں رسائل و جرائد کے اہم نعت نمبر شائع ہوئے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے نعت کو اہمیت دی اور خود حمد و نعت سے متعلق کئی رسائل و جرائد اور کتابی سلسلوں کا اجرا ہوا۔

یہ سب حوصلہ افزا ہے، بہت حوصلہ افزا ہے لیکن قابل اطمینان نہیں۔ گزشتہ صدی کے مجموعی ادبی کاموں کے تناظر میں نعت پر ہونے والے ان کاموں کی رفتار اور مقدار ہمیں نہ صرف بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے بلکہ اکیسویں صدی میں فروغ نعت کے حوالے سے ایک مربوط لائحۂ عمل کا تقاضا بھی کرتی ہے، فروغِ نعت کی یہ ساری انفرادی کوششیں خوش آئند

ہیں تاہم ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا ''نعت'' نے خود کو ایک صنف ادب کے طور پر تسلیم کروالیا ہے؟ اس سوال کا جواب ہمیں انفرادی طور پر اثبات میں اور اجتماعی یعنی اداروں کی سطح پر نفی میں ملتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سرکاری سرپرستی میں کام کرنے والے ادبی ادارے گاہے بہ گاہے تمام ادبی اصناف کے معیاری انتخاب بھی مرتب کرتے ہیں اور ان کے حوالے سے مختلف موضوعات پر کانفرنسوں اور سیمینار وغیرہ کا بھی اہتمام کرتے ہیں لیکن نہ ہی ان منتخبات میں ہمیں کوئی نعتیہ انتخاب نظر آتا ہے، نہ ہی کوئی کانفرنس نعت کے موضوع پر ہوئی ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ آیا نعت اب تک ادبی صنف کا درجہ حاصل نہیں کر سکی یا پھر ان اداروں کے بالانشینوں میں اس صنف کا کوئی حقیقی نمائندہ موجود ہی نہیں ہے۔

ہمارے سامنے یہ صورتِ حال بھی ہے کہ ہمارے ان سرکاری اداروں نے ادبی کتب اور ادبی خدمات پر تو لاکھوں روپے کے انعامات رکھے ہیں، لیکن نعتیہ مجموعوں کو خالص مذہب کے کھاتے میں ڈال کر وزارتِ مذہبی امور کے زیرِاہتمام ہونے والی سیرت کانفرنس کے موقع پر چند ہزار روپوں کے انعامات تک محدود رکھا ہے اور ظلم یہ کہ اس رقم کو بھی بہ یک وقت دو دو مصنفوں میں برابر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ کیا یہ صورتِ حال اس بات کا اعلان نہیں کہ ہمارے یہ ادارے نعت کو اب تک ادب میں شامل کرنے سے گریزاں ہیں۔

ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ پاکستان کی کتنی جامعات میں نعت چیئرز قائم کی گئی ہیں؟ ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر نعت کے موضوعات پر کتنے تحقیقی مقالے لکھوائے گئے ہیں، یا لکھوائے جا رہے ہیں؟ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ہمارے ملک کے تعلیمی نصاب میں کتنے مدارج پر مطالعاتِ نعت کو شامل کیا گیا ہے۔

یہ اور ایسے کئی سوال فروغِ نعت کے حوالے سے ہمارے بلند بانگ دعووں کی قلعی کھول دیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم فروغِ نعت کا کام انفرادی طور پر کرنے کے بجائے اجتماعی اور تحریک کی شکل میں کریں۔ ملک کے طول و عرض میں بے شمار ادارے اور تنظیمیں فروغِ نعت کے حوالے سے سرگرمِ عمل ہیں، اگر ان اداروں اور تنظیموں کی کوئی ملک گیر فیڈریشن قائم کر کے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے تو ہم نعت کے حقیقی فروغ کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ نجی اور سرکاری اداروں کی توجہ حاصل کر کے، نعتیہ شاعری کے رجحانات اور موضوعات کے حوالے سے معیاری انتخاب مرتب کرواسکتے ہیں، نعتیہ شاعری کے فکری اور تجزیاتی

مطالعات کی تنقیدی کتابیں قلم بند کرواسکتے ہیں اور ان کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کرواسکتے ہیں، نعت گوئی کی تاریخ اور نعت گوشعرا کے تذکرے قومی اور علاقائی زبانوں میں مرتب ہوسکتے ہیں، سرکاری سطح پر ہونے والی ادبی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں نعتیہ ادب کے لیے خصوصی حصے کا تعین کرواسکتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت اور فروغ کا یہ کام ہم اسی میرٹ پر کروانے کا مطالبہ کرسکتے ہیں جو دیگر اصناف شعر و ادب کے سلسلے میں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

ادب اگر انسانی اقدار کی سربلندی کا نام ہے تو نعت ہمارے عقیدے کی اساس ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی اقدار کی نقیب بھی ہے۔ اس لیے نعت کو ادب میں وہ جگہ ملنی چاہیے جس کی یہ مستحق ہے۔ ادبی صنف کے اعتبار سے بھی اور ہماری ملی اور قومی شناخت کے وسیلے کے لحاظ سے بھی۔

نعت رنگ ۱۰ اور ۱۱ کی درمیانی اشاعتی مدت میں جو اہم نعت نگار ہم سے جدا ہوئے ان میں اقبال عظیم، کلیم عثمانی، اختر ہوشیارپوری، لالہ صحرائی، لطیف اثر، طاہر شادانی اور محمد علی ظہوری، سیّد ریاض الدین سہروردی اور استاد فدا خالدی دہلوی کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

اقلیم نعت ان عظیم نعت نگاروں کی مغفرت کے لیے دعا گو ہے اور قارئینِ نعت رنگ سے بھی ان کے حق میں دعا کی درخواست ہے۔

صبیح رحمانی

رشید وارثی (کراچی)

اردو نعت میں ''صلعم'' کا استعمال اور اس کے مضرات

اردو زبان کے اسلامی ادب میں جناب رسالت مآب ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ درود شریف کے بہ جائے ''صلعم'' لکھنے کا رواج اہل سنت والجماعت کے ایک مکتبۂ فکر میں گزشتہ صدی سے تقریباً عام پایا جاتا ہے۔ جبکہ عربی لغت کے اعتبار سے یہ ایک مہمل لفظ ہے اور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخفف کر کے صلی اللہ سے ''صل''، علیہ سے ''ع'' اور وسلم کا آخری حرف ''م'' لے کر ''صلعم'' ترتیب دیا گیا ہے۔ جس سے کسی طرح بھی درود شریف کے معنی ادا نہیں ہوتے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات حضور اکرم ﷺ کے اسم مبارک پر ''ؐ'' بھی لکھا جاتا ہے، اس علامت سے قاری درود شریف کی جانب اشارہ سمجھ کر پورا درود شریف ادا کرتا ہے کیوں کہ ''ؐ'' کی حیثیت قرآن کریم کے رموز اوقاف کی علامتوں کی طرح ایک حرف علامت کی ہے۔ جب کہ ''صلعم'' کی حیثیت (املا وتلفظ کے اعتبار سے) ایک لفظ کی ہے اور اس مہمل لفظ کی ادائیگی سے ایک عام مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کے نام اقدس کے ساتھ درود شریف ادا کیا ہے اور اس طرح وہ درود شریف کی سعادت وبرکات سے محروم رہ کر ترک واجب کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف اور اہل سنت والجماعت کی کتب فقہ میں بیان ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا نام مبارک سن کر ہر مسلمان پر درود شریف پڑھنا واجب ہے (جس کی تفصیلات آگے بیان کی جارہی ہیں) اور بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہونے کے لیے تشریف لائے۔ جب منبر شریف کی پہلی سیڑھی پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: آمین، یونہی دوسری اور تیسری سیڑھی پر آمین کہا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! اس تین بار آمین کہنے کا کیا سبب ہوا؟ تو ارشاد فرمایا کہ: جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل (علیہ السلام) حاضر ہوئے اور کہا بدبخت ہوا وہ شخص کہ جس نے رمضان المبارک کو پایا اور وہ بخشا نہ گیا، میں نے کہا، ''آمین'' دوسرا بدبخت وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی میں اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور انھوں نے اسے جنت میں نہ پہنچایا (یعنی ان کی خدمت کرکے جنت حاصل نہ کرسکا) میں نے کہا ''آمین'' تیسرا بدبخت وہ شخص ہے جس کے سامنے آپ (ﷺ) کا ذکر مبارک ہوا اور اس نے آپ پر درود شریف نہ پڑھا، تو میں نے کہا، ''آمین۔''

اسی طرح ترمذی شریف میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ بخیل ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو (یعنی وہ شخص ذلیل ہو) جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (ترمذی شریف) جبکہ طبرانی نے اوسط میں اور قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں (تغیر الفاظ کے ساتھ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھا، جب تک اس کتاب میں میرا نام رہے گا اس کے لکھنے والے کے لیے فرشتے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔

اس موضوع پر صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں اور بھی احادیث روایت کی گئی ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے نام اقدس کے ساتھ پورا درود شریف پڑھے اور لکھے اور یہی ہمارے آئمہ سلف کی سنت رہی ہے۔ اور ''صلعم'' گزشتہ صدی کے ایک خوش نویس کی ایجاد و اختراع ہے (جس پر وعید کے بارے میں آئندہ سطور میں گفتگو کی جا رہی ہے) اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس بدعت سیۂ کی ہلاکت خیزیوں سے اپنی پناہ میں رکھے اور درود شریف کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین)

یہ فدوی کا ایک مراسلہ تھا جس کی تلخیص روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے جمعہ ایڈیشن میں اسلامی صفحے پر ۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء کو شائع کی گئی اور اس کے جواب میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے تحریر فرمایا، ''آپ کی تحقیق صحیح ہے، مسلمانوں کو اس کی اتباع کرنی چاہیے۔''

صاحب ''شفاء الاسقام'' لکھتے ہیں کہ ایک کاتب تھا جو کتابت کرتے وقت (اصل مسودے میں) جہاں نبی اکرم ﷺ کے نام نامی کے ساتھ ﷺ لکھا ہوتا، وہ اس کی جگہ صرف ''صلعم'' لکھتا تھا تو مرنے سے پہلے اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ مفتی محمد امین صاحب درود شریف کے فضائل کے موضوع پر اپنی کتاب ''آب کوثر'' میں ''سعادت الدارین'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ صرف ''صلعم'' لکھتا تھا۔ اس کی موت سے پہلے زبان کاٹ دی گئی۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی تالیف لطیف ''زاد السعید فی الصلوٰۃ علی النبی الوحید ﷺ'' میں لکھا ہے ''جب اسم مبارک لکھے، صلوٰۃ و سلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم پورا لکھے۔ اس میں کوتاہی نہ کرے، صرف ''ؐ'' یا ''صلعم'' پر اکتفا نہ کرے۔'' اس کے بعد لکھتے ہیں ''شیخ ابن حجر مکی نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص صرف ''صلی اللہ علیہ'' پر اکتفا کرتا تھا، وسلم نہ لکھتا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کو خواب میں ارشاد فرمایا تو اپنے آپ کو چالیس نیکیوں سے کیوں محروم رکھتا ہے۔ یعنی وسلم میں چار حرف ہیں۔ ہر حرف پر ایک نیکی اور ہر نیکی پر دس گنا ثواب۔ لہٰذا وسلم میں چالیس نیکیاں ہوئیں۔'' اسی کتاب میں مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں ''ایک معتمد دوست نے راقم سے ایک خوش نویس لکھنؤ کی حکایت بیان کی کہ ان کی عادت تھی کہ جب صبح کے وقت کتابت شروع کرتے تو اول ایک بار درود شریف ایک بیاض (کاپی) پر جو اسی غرض سے بنائی تھی، لکھ لیتے۔ اس کے بعد کام شروع کرتے۔ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو غلبۂ فکر آخرت سے خوف زدہ ہو کر کہنے لگے کہ دیکھئے وہاں جا کر کیا ہوتا ہے۔ ایک مجذوب آنکلے اور کہنے لگے بابا کیوں گھبراتا ہے۔ وہ بیاض، سرکار میں پیش ہے اور اس پر صاد بن رہے ہیں۔'' (''زاد السعید''، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی)

مقام حیرت ہے کہ مولانا موصوف کے متبعین میں سے بعض مفسرین اور مترجمین کتب احادیث و سیر نے اپنی تصانیف و تالیفات میں حضور اکرم ﷺ کے نام اقدس کے ساتھ درود شریف کے بہ جائے ''صلعم'' لکھنے پر کثرت سے اکتفا کیا ہے، اور اس اہم مسئلے کی جانب برصغیر پاک و ہند میں ان اسلامی کتب کے ناشرین کی جانب سے بھی کوئی توجہ نہ دی گئی۔ حتیٰ کہ اکیڈمی برائے دعوت، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی (اسلام آباد) کی جانب سے ہدیہ کیے جانے والے مترجم و محشیٰ قرآن کریم کے نسخے میں سورۃ آل عمران کی ۶۱ ویں آیت کے تفسیری حاشیے میں ابن کثیر کے حوالے سے لکھا ہے، ''قال تعالیٰ امراً رسولہ صلعم ان

یاہل من عاندالحق فی امر عیسیٰ بعد ظهور البیان۔''

اردو زبان کے اسلامی ادب سے وابستہ ان صف اول کے مصنفین اور مؤلفین کے اس غیر ذمہ دارانہ رویے سے اردو ادب کے عام قارئین پر یہ اثرات مرتب ہوئے کہ وہ ''صلعم'' کو درود شریف کا صیغہ سمجھ کر اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کرنے لگے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ اردو کے نثری ادب کی حدود کو عبور کر کے بعض نعت گو شعرائے کرام میں بھی اس رویے کو اپنانے کی شروعات ہو چکی ہیں۔ جس کی ایک مثال اردو کی ایک طویل نعتیہ نظم میں شامل یہ شعر ہے:

مطاع آدم و انجم متاع لوح و قلم
محمدؐ امی محبوب کبریا ''صلعم''
(ارمغان نعت)

اس نعتیہ نظم کے خالق ایک ایسے شاعر محترم ہیں جنھیں بجا طور شاعر ہفت زبان کہا جاسکتا ہے۔ خصوصاً عربی زبان میں تو انھیں خصوصی دسترس حاصل ہے۔ چناں چہ ان کی اس قابل گرفت لغزش کی وجہ اردو زبان کے اسلامی ادیبوں کی کورانہ تقلید ہی ہو سکتی ہے ورنہ شاعر محترم عربی زبان کے خود بھی ایک اچھے اسکالر ہیں اور وہ یہ بات بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس شعر میں ایک شرعی سقم سے قطع نظر علم بدیع کے حوالے سے بھی صلعم جیسے مہمل لفظ کا استعمال معائب سخن کے زمرے میں آتا ہے۔

اردو کی نعتیہ شاعری میں ''صلعم'' کے استعمال کی ایک اور مثال گزشتہ برسوں کے دوران ایک معروف نعت گو کی اس آزاد نظم کی صورت میں ہمارے سامنے آئی ہے:

رسول اکرم، حضور صلعم! خدا سے کہیے
بزرگ و برتر خدا سے کہیے
(انتخاب نعت[☆1]۔ مرتب عبدالغفور صاحب)

رسول اکرم، حضور صلعم! ہمیں یقیں ہے
ہمارا ایمان ہے کہ اللہ آپ کی بات مانتا ہے
(الخ)

اگرچہ ہماری نعتیہ شاعری میں درود شریف کی جگہ ''صلعم'' جیسے مہمل لفظ کے استعمال

کی مثالیں ہمارے دور تک چیدہ چیدہ ہی نظر آتی ہیں لیکن ہمیں اس صورت حال سے صرف نظر کرنے کے بہ جائے اس کی پیش بندی پہ خاطر خواہ توجہ دینی چاہیے تاکہ گزشتہ صدی میں اردو نثر یں صرف ایک کاتب کی اختراع سے درود شریف کی جگہ ''صلعم'' لکھنے کی عادت تقریباً عام ہوجانے کی طرح ہماری نعتیہ شاعری میں یہ غیرذمہ دارانہ رویہ آئندہ ایک روایت نہ بن سکے۔ جس کے سدباب کے لیے نفس مضمون کے حوالے سے اس مضمون میں قارئین کرام اور خصوصاً نعتیہ ادب سے وابستہ افراد کو دعوت فکر دیتے ہوئے یاددہانی کے طور پر درود شریف کے فضائل و برکات اور ترک درود و سلام پر زجر اور وعید کے بارے میں اختصار کے ساتھ ضروری مواد پیش کیا جاتا ہے۔

درود شریف کا حکم

سورۃ الاحزاب کی ۵۶ویں آیت میں نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم آیا ہے۔ ۲ھ میں جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ ہمیں تعلیم فرمادیں کہ ہم آپ پر کس طرح درود پڑھا کریں اور کس طرح سے سلام بھیجا کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم یوں کہا کرو (درود ابراہیم تعلیم فرمایا جو نمازوں میں پڑھا جاتا ہے) (بخاری شریف)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں ''صلوٰۃ علی النبی'' کا مطلب ہے نبی ﷺ کی ثنا و تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر ان کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اترتی ہیں مانگنے والے پر اب جس کا جتنا جی چاہے اتنا حاصل کرلے۔ (تفسیر عثمانی)

اسی آیت کی بنیاد پر کتب فقہ میں ہر مسلمان پر ایک بار درود پڑھنا فرض کیا گیا ہے اور ایک مجلس میں کئی بار آپ کے نام پاک کا ذکر کیا جائے تو طحاوی علیہ الرحمۃ کا مذہب یہ ہے کہ ہر بار ذکر کرنے والے اور سننے والے پر درود پڑھنا واجب ہے۔ عمل اس فتویٰ پر ہے کہ ایک بار واجب ہے پھر مستحب ہے۔ (زادالسعید)

درود شریف کے فضائل و برکات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے

فرمایا کہ قیامت کے دن میرے زیادہ نزدیک وہ شخص ہوگا جس نے مجھ پر زیادہ درود بھیجا ہوگا (ترمذی شریف) مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور (نامہ اعمال سے) اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کے دس درجے بلند فرماتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں، آپ فرمایے کہ میں اس کے لیے (اپنے وظائف میں سے) کتنا وقت مقرر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس قدر تم چاہو۔ اگر زیادہ کروگے تو تمھارے لیے بہتر ہوگا، میں نے عرض کیا، ''دو تہائی مقرر کرلوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا، ''جس قدر تم چاہو اگر زیادہ کروگے تو تمھارے لیے بہتر ہوگا۔'' میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اپنی دعا کا سارا وقت مقرر کرلوں؟ آپ نے فرمایا یہ کفایت کرے گا اور تمھارے دین و دنیا کے سارے مقاصد کو پورا کرے گا۔ اور تمھارے گناہ دور کیے جائیں گے (ترمذی شریف) اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ تمام دعائیں رکی رہتی ہیں جب تک محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل پر درود نہ پڑھو۔ (طبرانی)

درود شریف لکھنا

کئی کتاب میں حضور اکرم ﷺ کے نام اقدس کے ساتھ درود شریف لکھنے کی برکات کے بارے میں اس سے پہلے حدیث شریف بیان ہوچکی۔ اس حوالے سے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب حکایت نقل کرتے ہیں ''بعض رسائل میں عبیداللہ بن عمر قواریر سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک کاتب میرا ہمسایہ تھا وہ مرگیا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خداتعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا، ''میری عادت تھی جب نام پاک رسول اللہ ﷺ کا کتاب میں لکھتا تو ﷺ بھی بڑھاتا۔ خداتعالیٰ نے مجھ کو ایسا کچھ دیا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر گزرا۔ (زاد السعید) اسی حوالے سے مولانا موصوف ایک اور حکایت نقل کرتے ہیں کہ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ آسمان میں فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ اس سے سبب حصول اس درجے کا پوچھا۔ اس نے کہا میں نے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ جب نام مبارک آنحضرت ﷺ کا آتا میں درود لکھتا تھا۔ اس سبب سے مجھے یہ درجہ ملا (زادالسعید)۔

حضرت ابوزرعہ کا یہ واقعہ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے بھی شرح الصدور میں نقل کیا ہے:

مفتی محمد امین صاحب نے اپنی کتاب ''آب کوثر'' میں لکھا ہے کہ ابوعلی عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے لیے ابوطاہر نے کچھ اجزا لکھے تو میں نے ان اجزا میں دیکھا جہاں کہیں نبی کریم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی لکھا تھا، ساتھ لکھا تھا صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً تو میں نے ابوطاہر سے پوچھا یہ آپ نے کس لیے لکھا ہے؟ تو فرمایا میں ابتدا میں جہاں کہیں حضور اکرم ﷺ کا نام پاک لکھتا تو ساتھ درود پاک نہ لکھتا۔ ایک دن میں خواب میں سیدالکونین ﷺ کی زیارت بابرکت سے مشرف ہوا اور میں نے سلام عرض کیا، سیّد دوعالم ﷺ نے چہرۂ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ میں نے دوسری طرف ہو کر سلام عرض کیا۔ دوسری تو میرے آقا نے دوسری طرف چہرۂ انور پھیر لیا۔ پھر میں نے سامنے سے حاضر ہوکر عرض کیا، اے میرے آقا ﷺ! آپ میری طرف سے چہرہ انور کیوں پھیر لیتے ہیں؟ فرمایا اس لیے کہ تو کتاب میں میرا ذکر کرتا ہے تو مجھ پر درود پاک نہیں پڑھتا۔ شیخ ابوطاہر فرماتے ہیں، اس دن سے جب بھی میں شاہ کونین ﷺ کا نام نامی لکھتا ہوں تو ساتھ یہ لکھتا ہوں:

''صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔''

(بہ حوالہ سعادۃ الدارین)

گزشتہ سطور میں یہ بات بیان ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کا نام اقدس سن کر ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اور ہر بار مستحب۔ یہ فقہی باتیں عوام الناس کی آسانی کے لیے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کے ادب وتعظیم کا تقاضا ہے کہ آپ کا نام نامی سن کر اور لکھ کر ہر بار درود وسلام پیش کیا جائے۔ خصوصاً نعتیہ ادب سے وابستہ افراد کو اپنی خوش نصیبی کا ادراک رکھتے ہوئے یہ سوچنا چاہیے کہ خداوند کریم نے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح وتوصیف کی توفیق عطا فرما کر ہمیں عام لوگوں میں ممتاز کیا ہے۔ نعت نگاری سے ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کی رضا اور قرب کا حصول ہوتا ہے۔ تو جب نماز اور دعا جیسی عبادت بغیر درود وسلام کے قبول نہیں ہوتی تو توصیف محبوب کردگار جیسے اعمال جن کا مدار ہی حضور اکرم ﷺ کے ادب وتعظیم اور عشق ومحبت پر ہے، کیسے شرف ایجاب کو پہنچ سکتے ہیں۔ مداحین محبوب کردگار (ﷺ) کے لیے مقام قرب کی نوید ہے۔

اگرچہ فقہی اعتبار سے عوام الناس کے لیے ہر بار حضور اکرم ﷺ کا نام مبارک سن کر درود پڑھنے کو مستحب کہا گیا ہے اور یہ استحباب بھی ان کے لیے باعث برکت و سعادت ہے لیکن حسنات الابرار سیات المقربین کے مصداق جن خوش نصیبوں کو مقام قرب پر فائز کیا گیا ہے، ان کے لیے اس حکم استحباب پر اکتفا کرنا مناسب نہیں ان کو ذوق و شوق کے ساتھ ہر بار درود شریف پڑھنا اور لکھنا چاہیے۔ البتہ نعت خواں حضرات ہدیۂ نعت سے پیش تر درود سلام کا نذرانہ پیش کریں تو ان کے لیے مخصوص اوزان میں لحن کے ساتھ نعت پڑھنے کی وجہ سے ہر بار درود و سلام پیش کرنے میں رخصت کا پہلو نکلتا ہے۔ اسی طرح شعرائے کرام کی نعتیہ کتب میں نثر کے بہ جائے منظوم کلام میں جن مصرعوں میں حضور اکرم ﷺ کا نام اقدس آتا ہو وہاں بھی علامت درود "ؐ" لکھنے کا پہلو نکلتا ہے تاکہ کتابت میں یکسانیت برقرار رہے۔ البتہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے سعادت مندوں کو بہرحال آپ کا نام مبارک پڑھ کر ہر بار درود سلام پڑھنا ذوق بندگی کا تقاضا ہے۔

جن کو شغف ہے خاص درود و سلام سے
آسودہ ہیں وہ قرب رسول ﷺ انام سے

☆

پروفیسر محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

نعت اور احترام بارگاہ رسالت مآب ﷺ

جب شاعر اپنی تمام تر ادبی و فنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نعت کہنے کا قصد کرتا ہے تو اسے ذہن وفکر کے مہک اٹھنے کا گمان گزرنے لگتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو اس محبوب کائنات کا ذکر جمیل ہے جو فخر موجودات ہے اور محمود خدا و ملائکہ بھی۔ جو سیّد یٰسین و طٰہٰ بھی ہے اور مظہر محاسن مدثر و مزمل بھی۔ جو وجہ جمال بزم ہستی ہے اور سرمایۂ خدا پرستی بھی۔ جو محمدؐ بھی ہے اور احمدؐ بھی۔ یعنی ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک نہ کسی ہستی کی اس قدر توصیف کی گئی ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کسی نے اپنے خالق کی حمد بیان کی ہے۔ گویا ایک ہی ذات والا صفات کو مرکز عقیدت ثنا گویان عالم اور سرگروہ ثنا گویان ربّ جلیل بنا دیا گیا۔ دنیا ازل کے نقطۂ آغاز سے ابد کی شام آفریں کی طرف سفر کرتی رہے گی لیکن حضور نبی آخرالزماں ﷺ کا یہ اعزاز ہر دور کی آبرو بنا رہے گا اور ہر دور کے اصحاب ایمان محمد و احمد کے معنوی اور باطنی اعزازات کو دلوں میں بسا کر ہدیۂ سلام و درود بارگاہ مصطفوی ﷺ میں نذر کر کے اپنی اپنی عقیدت آفرینی کا اعلان کرتے رہیں گے۔ عقل و خرد سے عشق و مستی کی منزل کی جانب سفر کرنے والے قافلے ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کی پناہ ڈھونڈ کر خود کو دربار رسالت مآب ﷺ سے وابستہ کرنے کے لیے اقبال کا نطق مستعار لیتے رہیں گے!

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی فرقاں، وہی قرآں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

حضور پرنور سیّد یوم النشور ﷺ کا مقام و مرتبہ اس قدر بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے

کہ عقل انسانی اس کی ابتدائی حدود تک بھی رسائی حاصل کرنے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ جو ہستی وجہ تخلیق کائنات ہو، جس کی خاطر اس کائنات کو اذن وجود ملا ہو۔ جس کا نور اول اور جس کا ظہور ظہور آخر ہو۔ جو اولیت کے انتہائی شرف سے بہرہ ور اور اختتام محاسن کے نام پر مصدر محاسن دوعالم ہو، جس کا زمانہ پانے کی تمام انبیا آرزو کرتے رہے ہوں، جس کا تذکرہ جملہ صحائف سماوی کی زینت ہو، جو عرش و فرش پر یکساں طور پر محبوب و مقبول ہو، فرشتے خدا کی تقلید میں جس پر ہر آن سلام کہنا اپنا اعزاز جانتے ہوں۔ جس کے قدم جہاں بھی جائیں وہ خطہ رشک رفعت افلاک بن جائے۔ جس کا خاندانی عالی نسبی کا انتہائی معیار اور جس کا وجود شرافت و نجابت کی انتہاؤں کا پاس دار ہو۔ جس کے چہرے کی جھلک غیرت مہر و ماہ ہو، جس کی آنکھوں پر مازاغ کا سرمہ سجتا ہو، جس کے اطوار حیات اور انداز گفتار سے قرآن ترتیب پاتا ہو جس کی زبان وحئ خدا اور جس کا ارشاد پرتو تقدیر ہو۔ جس کی زندگی عالم انسانیت کے لیے سب سے بڑا نمونہ عمل ہو، جو عقیدتوں کا مرجع، محبتوں کا مرکز، چاہتوں کا مصداق اور ذوق و شوق کا محور ہو انسانی ذہن بھلا اس کے مقامات قدسیہ کا کیا احاطہ کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گو جب اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے نعت کہتا ہے تو اپنے قلم کو حرکت دینے اور راہوار تخیل کو آگے بڑھانے سے پہلے سو مرتبہ سوچتا ہے کہ اظہار عقیدت کی طلب کہیں اسے اپنے مدعا و مقصود سے دور تو نہیں لے جائے گی۔

حقیقت میں نعت وہی نعت ہوتی ہے جس میں احترام بارگاہ رسالت مآب ﷺ کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک آپ کے مقام و مرتبہ کی عظمتوں کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے۔ احترام نبوت کے حوالے سے جب ہم عظمت و شان مصطفوی ﷺ کا اندازہ لگانے لگتے ہیں تو ہمارے سامنے شان حضور کے حوالے سے سب سے اوّلین مآخذ قرآن حکیم نظر آتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قرآن صحیح معنوں میں نعت رسول ﷺ ہے اور قرآن پاک میں جس قدر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدحت و ثنا بیان کی گئی ہے اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید کے حوالے سے ہمیں بالخصوص ان آیات مبارکہ سے غرض ہے جن میں خدا نے اُمت مسلمہ کو نبی آخرالزماں ﷺ کے احترام و عقیدت کے تقاضے سکھائے ہیں۔ ممدوح جس قدر عظیم و جلیل ہوگا، مداح کے دل میں اس کا اتنا ہی زیادہ احترام ابھرے گا۔ اور یہاں تو ممدوح وہ ذات گرامی ہے کہ بہ یک وقت مخلوق اور خالق

کی محبوب ہے۔ قرآن حکیم نے آپ کو بے شمار القاب اور اعزازات سے نوازا ہے۔ آپ کے مقام و مرتبے کی رفعتوں کو کماحقہ اجاگر کرنے کے بعد قرآن عشاق رسول ﷺ کو محبت و عقیدت کے عملی تقاضوں کے نام پر احترام بارگاہ رسولؐ کے اسلوب سکھاتا ہے۔

احترام بارگاہ مصطفوی ﷺ کے جلوے دیکھنے ہوں تو پھر قرآن کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں ہم چند آیات قرآنی پیش کر رہے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا کو اپنے محبوب کی ذات والا صفات کا کس قدر احترام مقصود ہے اور خالق محمدؐ کس طور امت اسلام سے احترام و عقیدت کا اظہار چاہتا ہے۔

☆ انا ارسلنك شاهدا و مبشرا ونذيراO لتؤمنوا بالله ورسوله وتعزروه وتؤقروه و تسبحوه بكرة واصيلا O (فتح۔ ع۱)

''ہم نے تجھے احوال بتانے اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور خدا کو صبح و شام پاکی کے ساتھ یاد کرو۔''

☆ یاایها الذین امنوا لا تقدموا بین یدی الله ورسوله واتقوالله۔ ان الله سمیع علیمO

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، تحقیق اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

☆ یاایها الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهرو له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون O

''اے ایمان والو! تم اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور اس سے بات اونچی نہ کہو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کہتے ہو۔''

☆ ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئك الذین امتحن الله قلوبهم للتقوىٰ ط لهم مغفرة و اجر عظیم O

''تحقیق جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں، وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچا ہے، ان کے لیے معافی اور بڑا ثواب ہے۔''

☆ ان الذین ینادونك من وراء الحجرات اکثرهم لایعقلون O

''تحقیق وہ لوگ جو تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔''

☆ولو انهم صبروا حتیٰ تخرج الیهم لکان خیرالهم ط واللہ غفور رحیم O (حجرات۔ شروع)

''اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف نکلتا تو ان کے واسطے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سورۂ حجرات کی ان پانچ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے ادب و تعظیم کے آداب تعلیم فرمائے ہیں۔ اہل ایمان کو احساس دلایا گیا ہے کہ وہ اپنے کسی فعل یا قول میں سرورکائنات ﷺ سے پیش دستی نہ کریں۔ حضور کی مجلس میں حاضرین ہو اور اگر کوئی سوال کرے تو آپ کے جواب دینے سے پہلے جواب دینے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ جب حضور کسی جگہ تشریف لے جائیں تو بغیر کسی مصلحت کے حضور کے آگے چلنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے۔ جب آپ کچھ فرمائیں تو عشاق پہ لازم ہے کہ کان لگا کر آپ کے ارشاد کو سنیں اور باادب ہوکر خاموشی کو ترجیح دیں۔ آپ کے احترام و توقیر اور قدر و منزلت کو ہر ساعت زندگی کا جزو لازم بنائے رکھیں کیوں کہ اس میں ذرا سی کوتاہی بھی ہو جائے تو عمر بھر کی ریاضت اور عبادات کے ضائع جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔

ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو حجروں کے باہر سے یا محمدؐ! یا محمدؐ! کہہ کر پکارا اس پر بھی خدا نے انھیں تنبیہہ فرمائی کہ اس طرح پکارنا سوئے ادب ہے اور ایسی جرأت وہ لوگ کرتے ہیں جو عقل سلیم سے محروم ہوتے ہیں۔ صحابہ میں حسن ادب اور تعظیم حضور ﷺ کا جذبہ اس قدر تھا کہ وہ لوگ آپ کے در دولت کے باہر بیٹھ جاتے اور انتظار فرماتے یہاں تک کہ حضور ﷺ خود باہر تشریف لاتے۔ ان کا یہ حسن ادب ان کے لیے وجہ ثواب تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا ط (نور۔ ج ۹)

''تم اپنے درمیان رسول کا پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔''

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ تم رسولؐ اللہ کو نام لے کر (یا محمدؐ! یا محمدؐ!) نہ پکارا کرو جیسا کہ ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو بلکہ حضور کو ادب سے یوں پکارا کرو، یارسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کو کسی طور گوارا نہیں تھا کہ اس کے حبیب ﷺ کی توہین کی کوئی صورت پیدا ہو۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ کچھ ارشاد فرماتے تو صحابہ عرض کیا کرتے ''راعنا'' (ہماری طرف توجہ فرمایئے) عبرانی زبان میں اس لفظ کے معنی شریر کے ہیں۔ یہودی اس لفظ کو حضور ﷺ کی توہین کے طور پر استعمال کرتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے۔ اس پر سورۂ بقرہ میں خدا نے حکم صادر فرمایا کہ:

یاایها الذین امنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعواط وللکفرین عذاب الیمo

''اے ایمان والو! تم ''راعنا'' نہ کہو اور ''انظرنا'' کہو اور بہ غور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

''انظرنا'' کے بھی وہی معانی تھے یعنی رسولؐ اللہ ہماری طرف متوجہ ہوجایئے مگر اس لفظ میں کسی قسم کی تلبیس یا غلط معانی استعمال کیے جانے کا شک نہیں تھا۔

وہ صحابۂ کرام، وہ عشاق سرمست رسولؐ کہ جنھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت نصیب ہوئی، انھوں نے ان آیات قرآنی کی روشنی میں ادب و احترام رسول کے عملی تقاضوں کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا۔ وہ اپنے آقا و مولا کی بارگاہ قدس میں ایسے باادب اور خاموش بیٹھتے تھے جیسے لبوں پر مہر سکوت ثبت ہو، زبانیں گنگ ہوں اور جسم میں سانسوں کی آمد و رفت ختم ہوچکی ہو۔ مؤدّب، سر جھکے ہوئے۔ آنکھوں میں جمال مصطفیٰ ﷺ کے جلوے سموئے ہوئے، دلوں میں عقیدت رسول کی مشعلوں سے روشنی کیے ہوئے۔ جذبات و احساسات کو پابوسیٔ مصطفیٰ ﷺ کے ذوق سے بہرہ ور کیے ہوئے۔ ان صحابہ میں بڑے بڑے خطیب تھے، نام ور فصحا تھے، سربلند شعرا تھے، مگر حکم ربانی کی تعمیل میں بارگاہ میں یوں مؤدب ہوکر بیٹھتے تھے کہ ان کی آنکھیں فقط حسن حضور ﷺ کی تمنائی اور کان فقط نطق مصطفیٰ کے اعجاز کے منتظر رہتے۔

اپنوں کی گواہی اپنی جگہ، تاریخ اسلام میں اغیار اسلام کے اعتراف عظمت مصطفیٰ ﷺ کے نمونے بھی جگمگا رہے ہیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ۵ ذی قعدہ ۶ ہجری میں حدیبیہ میں تھے تو عروہ بن مسعود جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر واپس جاکر انھوں نے قریش مکہ کے سامنے اپنی حاضری کا جو احوال بیان کیا وہ یوں تھا:

یاقوم واللہ لقد وفدت علیٰ الملوک ووفدت علیٰ قیصر و کسریٰ

والنجاشی واللّٰہ ان رایت ملکا قط یعظمه اصحابه ما یعظم اصحاب محمد محمداً واللّٰہ ان تنخم، الا وقعت فی کف رجل منهم فذلك بها وجهم وجلده واذا امرهم ابتدروا امره واذا توضعا کادو، یقتتلون علی وضوئه واذا تکلم خفضوا صواتهم عنده وما یحمدون۔ علیه النظر تعظیما له وانه قد عرض علیکم خطة رشد فاقبلوها۔

اے میری قوم! اللہ کی قسم، میں البتہ بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں اور قیصر و کسریٰ و نجاشی کے ہاں گیا ہوں۔ اللہ کی قسم، میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا کہ محمد (ﷺ) کے اصحاب محمد (ﷺ) کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم اس (محمد) نے جب کبھی کھنکار پھینکا ہے تو وہ اصحاب میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر گرا ہے جسے انھوں نے اپنے منھ اور جسم پر مل لیا ہے۔ جب وہ اپنے اصحاب کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل کے لیے دوڑتے ہیں اور جب وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کے پانی کے لیے باہم جھگڑنے کی نوبت پہنچنے لگتی ہے اور جب وہ کلام کرتے ہیں تو اصحاب ان کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کر دیتے ہیں اور از روئے تعظیم ان کی طرف تیز نگاہ نہیں کرتے۔ انھوں نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے، اسے قبول کرلو۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری کے مصداق عروہ بن مسعود کے الفاظ اس بے پناہ احترام و عقیدت کے مظہر ہیں جو صحابۂ کرام حضور نبی کریم سے رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ خاص طور سے قابل ذکر ہیں جو آپ نے محبت و مودّت حضور کے سلسلے میں ارشاد فرمائے۔

"جس وقت آپ کلام شروع کرتے تو آپ کے ہم نشین اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جس وقت آپ خاموش ہوجاتے تو وہ کلام کرتے اور کلام میں آپ کے سامنے تنازع نہ کرتے اور جو آپ کے سامنے کرتا اسے خاموش ہوکر سنتے یہاں تک کہ اپنے کلام سے فارغ ہوجاتا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام بہ پاس ادب رسول اللہ ﷺ کے دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔

غرض یہ کہ کہاں تک بیان کیا جائے، قرآن حکیم مکمل طور پر نعت مصطفیٰ ﷺ کا درجہ رکھتا ہے اور احادیث نبوی کی رو سے بے شمار ایسی مثالیں نگاہوں کے سامنے آتی ہیں جو صحابہ کی حضور ﷺ سے غیر معمولی عقیدت کی دلیل ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سامنے ہوتے تھے تو صحابۂ کرام کے لیے ساعت عید ہوتی تھی۔ وہ تو آپ کے روئے انور کو مستقل طور پر اپنی نگاہوں میں بسا لینا چاہتے تھے۔لیکن احترام کا تقاضا تھا کہ نگاہیں جھکی رہیں، ان کی نگاہیں، ان کے قلوب، ان کی زبانیں، ان کے محسوسات سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور سراپا احترام ہوتے تھے۔ وہ چن چن کر ایسے لفظ استعمال کرتے تھے جن سے حضور کی عظمت و سربلندی اور صحابہ کے عجز و انکسار کا ذکر ہوتا تھا۔ اسی احترام کی بہ دولت ہی وہ دینی و دنیوی کامرانیوں کے حق دار قرار پائے۔

وہ خوش بخت شعرائے عظام کہ جنھیں بارگاہ نبوی ﷺ میں اپنے جذبات و عقیدت کے اظہار کی توفیق عطا ہوئی تھی ان کے مقدر کا کیا کہنا۔ ان شعرا نے ادب عالیہ کے بہترین الفاظ جناب رسالت مآب ﷺ کی نذر کیے۔ کیا زمانہ کاروان مدحت نگاران مصطفیٰ ﷺ کے سالار اوّل سیّدنا حسانؓ بن ثابت کا یہ اعتراف عظمت فراموش کر سکتا ہے۔

واحسن منك لم ترقط عينى
واجمل منك لم تلد النسآء
خلقت مبرأ من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشآء

''یا رسول ﷺ اللہ! آپ سے زیادہ حسین میری نگاہوں نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ جمیل کسی ماں نے جنم نہیں دیا، خدا نے آپ کو مکمل طور پر بے عیب بنایا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے خدا نے آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق بنایا ہو۔'' ان اشعار سے حضرت حسان بن ثابتؓ کے احترام و عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ ہم نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ جب تک ممدوح کی عظمتوں کا تصور نہ کیا جائے اس وقت تک شاعر صحیح معنوں میں عجز و انکساری اور ادب و احترام کی حدود کو نہیں چھو سکتا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو و رفعنا لك ذكرك کے

مصداق ہیں۔ خود خدائے کریم نے کہ جو آپ کا خالق ہے، پورے قرآن میں آپ کو نام لے کر نہیں پکارا۔ بلکہ مختلف القاب سے یاد کر کے آپ کو پکارا ہے۔ یٰسین و طٰہٰ، مزمل و مدثر، خدا کے دیے ہوئے القاب ہی تو ہیں۔ کہیں آپ سے ''یاایھاالنبی'' کہہ کر مخاطب کیا جا رہا ہے تو کہیں آپ کو ''سراجا منیرا'' کہا جا رہا ہے۔ کہیں آپ کے شہر اور پسندیدہ اشیا کا ذکر ہو رہا ہے تو کہیں آپ کے مجاہدوں اور جاں نثاروں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ خدا نے یہ فرما کر کائنات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مدح نبی ﷺ کا خوگر بنا دیا کہ:

ان اللہ وملئکۃ یصلون علی النبی ط یاایھا الذین امنوا صلوا
علیہ وسلموا تسلیما۔

اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو!
تم بھی نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں درود پاک اور سلام نذر کیا کرو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احترام فقط آپ کی حیات ظاہری ہی میں اہل ایمان کو ملحوظ خاطر نہیں تھا بلکہ وصال انور کے بعد جب آپ گنبد خضریٰ کی چھاؤں میں آسودۂ لحد ہو گئے تو بھی اصحاب ایمان اسی طریق سے مسجد نبوی اور آپ کے روضۂ اقدس کا احترام کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کی حیات ظاہری میں کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ آپ کی رسالت ہر زمانے اور عہد کے لیے ہے اور آپ کی رحمۃ للعالمینی سے روز ابد تک ہر زمانہ فیض یاب ہوتا رہے گا اس لیے یہ اصحاب ایمان جب بھی مسجد نبوی میں ہوتے تو وہ تمام آداب تعظیم بجالاتے جو حضورؐ کی حیات ظاہری میں ان کا شعار ہونا چاہیے تھے۔ وہ یہ عقیدۂ برحق رکھتے تھے کہ اگر ہم عذاب الٰہی سے محفوظ ہیں تو یہ آپ کے وجود مسعود کی برکت ہے۔ حیات ظاہری ہو یا حیات باطنی حضور ﷺ کا وجود دونوں صورتوں میں امت مسلمہ کے لیے تا ابد وجۂ رحمت و برکت ہے۔ ارشاد قرآنی ہے، ''ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔'' مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ جب تک امت اسلام کے درمیان موجود ہیں اس وقت خدا اس قوم کو عذاب سے دوچار نہیں کرے گا اور امت اسلام کا عذاب الیم سے محفوظ رہنا ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود پاک کی عظمت کی روشن دلیل ہے۔

حضور سرور کونین ﷺ کے وصال انور کے بعد اصحاب ایمان مسجد نبوی میں مزار رسول ﷺ کے سامنے کس طور مؤدب اور سراپا عجز رہتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے

بہ خوبی ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے مسجد نبویؐ میں امام مالک سے مناظرہ کیا اور اثنائے مناظرہ میں اپنی آواز بلند کی۔ حضرت امام نے فرمایا اس مسجد میں اپنی آوازوں کو بلند مت کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ملت اسلام کو یوں ادب سکھایا ہے کہ:

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو

اس لیے حضور ﷺ کا احترام وصال انور کے بعد بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ عالم حیات میں تھا۔ یہ سن کر ابو جعفر دھیما پڑ گیا اور کہنے لگا، اے عبداللہ (امام مالک) کیا میں قبلہ رو ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی جانب منھ کروں؟ امام مالک نے جواب دیا کہ تم رسول ﷺ کی طرف سے اپنا منھ کیوں پھیرتے ہو۔ وہ قیامت کے دن تمھارے اور تمھارے باپ آدمؑ کا وسیلہ ہیں بلکہ تم حضورؐ کی طرف منھ کرو اور آپ ہی کے وسیلے سے دعا مانگو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولو انهم اذا ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجد الله توابا رحيما ٥ (نساء۔ ع ۹)

''اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبر ان کے لیے بخشش مانگتا تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔''

اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ اگر مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ کے ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو۔ حضرت علیؑ نے اپنے مکان کے دونوں کواڑ مدینہ منورہ کے باہر ایک مقام پر تیار کروائے کہ مبادا ان کی تیاری میں لکڑی کی آواز سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت ہو، حضرت امام مالکؒ نے اپنی تمام عمر مدینہ میں بسر کی۔ بہ پاس ادب کبھی مدینہ شریف کے حرم کی حدود میں بول و براز نہ کیا۔ امام مالکؒ نے درجنوں ایسے تابعین کا ذکر کیا ہے کہ جب ان کے سامنے جناب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا اور وہ شوق زیارت میں رویا کرتے بلکہ بعض تو بے خود ہو جاتے۔ ایک شخص نے کہا کہ مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے۔ امام مالک نے فتویٰ دیا کہ اسے تیس دُرّے مارے جائیں اور بند کیا جائے پھر فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ وہ زمین جس

میں رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے ہیں اس کی نسبت گمان کرتا ہے کہ وہ خراب ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ایک روایت بہ زبان حضرت ابن زید یوں درج ہے:

''میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا۔ ایک شخص نے مجھ پر کنکر ماری۔ میں نے سر اُٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا ان دو شخصوں کو بلائے۔ میں بلا لایا۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم طائف کے رہنے والے نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں دُرّے لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور بزرگان اُمت اسلام کی یہ روایت اس حقیقت کا اعلان عام ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احترام اصل ایمان اور نور ایمان ہے۔ چودہ سو سال کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ ہر دور کے خطبا، ادبا اور شعرا نے اپنے اپنے ہدیۂ عقیدت کو احترام و ادب کی حدود میں رہتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

شعرائے عظام میں سے انھی کو عظمت دوام نصیب ہوئی جنھوں نے ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا۔ قدیم دور کے صوفی شاعروں کا نعتیہ کلام غزلیات کی صورت میں ملتا ہے۔ ان صوفیا کا محبوب یا تو ذات باری تعالیٰ تھی یا ذات مصطفیٰ ﷺ۔ اس لیے انھوں نے باقاعدہ ''نعت'' کا عنوان نہ رکھ کر بھی غزل کے پیرائے میں عظمت و شان مصطفوی ﷺ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کی غزلیات ان کے سوز و ساز قلبی کی آئینہ دار ہیں۔ ان کے مطالعے سے عشق و عقیدت کی منزل کی جانب سفر کرنے والوں کو نیا ذوق سفر عطا ہوتا ہے۔

اگر چہ ہر دور، دور نعت اور ہر صدی نعت کی صدی ہے مگر دور حاضر کے شعرا جس تیزی اور رغبت کے ساتھ نعت کی جانب متوجہ ہوئے ہیں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ ان شعرا میں سے ایک طبقہ تو وہ ہے کہ جس نے فن شاعری کے آغاز ہی سے نعت کو اپنی فکر کا مرکز ومحور بنالیا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو غزل کے شبستان ہوس میں ایک عمر گزار کر نعت رسول کے گلستان سدا بہار میں وارد ہوا ہے اور اب پورے روحانی ونظری اہتمام کے ساتھ نعت کو ذریعہ نجات وبخشش قرار دے کر اپنی جولانیاں دکھا رہا ہے۔ ان کے پہلو بہ پہلو ایسے شعرا بھی نعت کہہ رہے ہیں جو محض اس لیے شریک سفر ہوگئے ہیں کہ یہ نعت کا زمانہ ہے اور ذہنی وفکری

وابستگی نہ ہونے کے باوجود محض اظہار فن کے لیے بھی نعت کہنا بہرحال ایک سعادت ہے اور ہماری دعا ہے کہ خدائے کریم اس سعادت کے طفیل ان کے اذہان وقلوب کو نعت رسول ﷺ کا حقیقی عرفان عطا کرے۔

یہ دور جدت فکر وفن کا بھی ہے یعنی شعرا مختلف اصناف نظم ونثر میں نئے نئے تجربے کررہے ہیں۔ اصناف کے اندر سے نئی اصناف دریافت کی جارہی ہیں۔ نئی نئی تراکیب تشبیہات اور استعارات کو وجود بخشا جارہا ہے۔ دیگر اصناف نظم کے مقابلے میں نعت محض صنف ادب ہی نہیں پاکیزگیٔ قلب وفکر کے اظہار کا بہترین موقع بھی ہے۔ اس صنف کو صدیوں کا تواتر حاصل ہے۔ زبان عربی ہو یا فارسی، ہندی ہو یا اردو اس کی بیش تر تلمیحات، تراکیب، تشبیہات، استعارات ایک ہیں۔ کیوں کہ محبوب ایک ہے اور زمانہ چاہے کوئی بھی ہو اس محبوب خدا کی عظمت کے نشانات قرآن و حدیث اور اسوۂ صحابۂ کرام ہی سے ڈھونڈے جائیں گے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ نعت گو حضرات اپنی جولانیٔ طبع کے باعث کسی مضمون کو نئے سے نئے رنگ میں پیش کردیں۔ جدت طبع کے نام پر بعض شعرا کی ایسی نعتیں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں جن کا عنوان نعت رسول نہ ہو تو معلوم ہی نہ ہو کہ یہ بارگاہ مصطفوی ﷺ میں ارمغان عقیدت پیش کررہے ہیں یا کسی محبوب مجازی کے حسن اور اپنے عشق کی واردات بیان کررہے ہیں۔ ادب و احترام اور سوز عقیدت سے خالی یہ نعتیں محض رسمیات کا درجہ رکھتی ہیں۔ تو، تیرا اور تجھ کی تکرار بھی معمول بن رہی ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں متقدمین کی بعض نعتوں کے حوالے دیتے ہیں۔ جن متقدمین کی بعض نعتوں کی آڑ لی جاتی ہے وہ تو عشق مصطفوی ﷺ کی روشن تصویر تھے۔ ان کا ظاہر و باطن ہر لحاظ سے محبت رسول ﷺ کا پرتو لیے ہوئے تھا۔ ان کی صبحیں اور شامیں ماہ عرب کے روحانی و باطنی فیوض سے روشنی پاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام آج بھی ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کی مثال بنا ہوا ہے۔ لیکن ان کے مقابلے میں ہم کہاں کھڑے ہوئے ہیں؟ جو شان ہم محبوبان مجازی کو غزل کے روپ میں عطا کرتے ہیں اور جس طرح انھیں مخاطب کرتے ہیں اگر یہی تخاطب نعت کہتے ہوئے بھی روا رکھا جائے تو یہ نعت کے اس پاکیزہ اسلوب سے بغاوت ہوگی جو صدیوں سے احترام وعقیدت کی خوش بو سے اصحاب نظر کو نعت کہنے کا حوصلہ بخش رہا ہے۔

خدا تعالیٰ نیتوں کو جانتا ہے۔ نعت وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاسکتا، نعت

کہنے سے پہلے پلکوں کو آنسوؤں کا نم اور دلوں کو پاکیزگیٔ احساس سے جلا بخشنے کی ضرورت ہوتی ہے نعت کہتے ہوئے جب شاعر اپنے ممدوح کی آفاقی و ابدی عظمت و سربلندی کا تصور کرتا ہے تو اس کے لیے تو، تیرا، تجھ جیسے الفاظ کا استعمال ممکن ہی نہیں رہتا۔ جس ذات کو خدا یا ایھا النبی کہہ کر مخاطب کرے، جس کو خدا اس کی صفات حسنہ کے حوالے سے پکارے، قرآن جس کا ذکر اس کی لافانی صورت و سیرت کے حوالے سے کرے، جس در کی پاسبانی کرنا فرشتے اپنے لیے اعزاز تصور کرتے ہوں، تقدیر خود جس کے اشاروں کی پابند ہو، جس کی زبان وحیٔ خدا کی ترجمان اور جو خود کائنات کا افضل ترین انسان ہو، جو اس قدر سربلند ہو کہ دنیا بھر کی تمام بلندیاں اس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ جائیں۔ اس کو یوں مخاطب کرنا جیسے آپ کسی پڑوسی کو بھی مخاطب کرنے کی جرأت نہ رکھتے ہوں کسی لحاظ سے بھی مستحسن امر نہیں ہے۔

نعت فی الحقیقت کس تقدس کی حامل ہے اور بارگاہ مصطفوی ﷺ کا احترام کس شان کے ساتھ دل میں اجاگر ہونا چاہیے اسکی ایک مثال مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے حوالے سے پیش ہے۔ ایک مرتبہ اردو کے بلند پایہ شاعر حضرت اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کی جس کا مطلع یہ تھا:

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

مولانا احمد رضا خاں نے اس مطلع پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ دوسرا مصرع احترام مقام نبوت کے لائق نہیں ہے، پھر آپ نے قلم برداشتہ اصلاح فرمائی:

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

اس اصلاح کے ساتھ ہی آپ نے کہا کہ وہ تراکیب جو محبوبان مجازی کی توصیف کا خاصہ ہوں ان کو نعت کے حوالے سے بارگاہ مصطفوی ﷺ سے وابستہ کر کے شان رسالت مآب میں توہین کا مرتکب نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ حضرت اطہر ہاپوڑی نے اس اصلاح کو بہ صد اعزاز سمجھا اور عہد کیا کہ زندگی بھر عظمت مقام مصطفیٰ ﷺ کے باب میں اس نوعیت کی تراکیب استعمال کرنے کی جسارت نہیں کریں گے۔ اس مثال سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہمارے اسلاف نعت کے میدان میں کس قدر احترام و تقدس اور احتیاط و آداب کے عادی تھے اور ان کو کسی صورت

یہ گوارا ہی نہیں تھا کہ محبوبان مجازی کے لیے استعمال ہونے والی تشبیہات اور تراکیب کے استعمال سے احترام نبوت میں کسی قسم کی تنقیص کا سامان مہیا کیا جائے۔

زیر نظر مضمون میں ہم نے نعت کے حوالے سے متقدمین اور عہد حاضر کے شعرا کی نعتوں سے ایسا انتخاب پیش کیا ہے جس سے احترام دربار مصطفیٰ ﷺ کا پیغام ملتا ہے۔ بارگاہ مصطفوی ﷺ کی عظمتوں کی انتہا انسان کیا جانے وہاں تو جبریلؑ کے بھی پر جلتے ہیں۔ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ وہ مقام مقدسہ ہے کہ جس کی دید کی آرزو لیے چشم ہستی ہر لحظہ بیدار رہتی ہے۔ یہ وہ کوچہ ہے کہ جہاں عشاق سر کے بل چلنا وجہ صد اعزاز سمجھتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر پیشانیوں سے خود بہ خود سجدے ٹپکنے لگتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر آرزوؤں کو اپنی تنگ دامانی اور تمناؤں کو اپنی جھولیوں کے تنگ ہونے کا احساس ستانے لگتا ہے۔ جہاں پہنچ کر لفظ دم توڑنے اور جذبات آنسوؤں کا سہارا لینے لگتے ہیں، جہاں پہنچ کر آنکھیں بے اختیار اشکوں کے وضو کی سعادت حاصل کرنے لگتی ہیں۔ یہ وہ کوچۂ حبیب ہے کہ جس کی خاک کے تقدس و احترام کو دیکھ کر بے اختیار پلکوں سے جاروب کشی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ کوچۂ حبیب کہ جس کی فضائیں عنبریں اور اس کی ہوائیں معطر ہیں۔ جس کے سنگریزوں پر جواہر بے بہا کا گماں گزرتا ہے اور جس کے کانٹے بھی ذوق یقین کی کسک میں اضافہ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ جس کے گلزاروں کی خوش بو سے مشام زندگی مہک بار ہوتا ہے اور جس کے ماحول کی رعنائی سے انفاس فطرت کو پاکیزگی کی دولت عطا ہوتی ہے۔

یہ وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ ہے کہ جہاں جبریلؑ بھی ملائکہ کی جمعیت کے ساتھ دم بہ خود حاضر ہوتے ہیں۔ یہ وہ بارگاہ قدس ہے کہ جہاں ہر ساعت ہر آن خدا کے سلام اور رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ جہاں بڑے بڑے خطیبان چرب زبان کو یارائے گفتگو نہیں رہتا، جہاں شاہان کج کلاہ اپنے سروں کو خمیدہ کیے لرزہ براندام حاضر ہوتے ہیں۔ جہاں بڑے بڑے اصحاب تبحر اپنی ظاہری آن بان اور کروفر سے دست کش ہوکر فقط عجز و نیاز کو ہی وسیلۂ حاضری بناتے ہیں، جہاں زمانے بھر کو اپنی دولت و ثروت سے چکا چوند کردینے والے امرا خالی دامنوں کو پھیلائے عاجز و درماندہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر لرزندگان عالم کو بے پناہ لرزشوں کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں پہنچتے ہی اپنی اپنی معصیت کاریوں کی سیاہیاں آنسوؤں میں ڈھل کر دامان طلب کو بھگو دیتی ہیں۔ جہاں خرد بے دست و پا ہوکر عشق مصطفوی ﷺ کی اوٹ میں پناہ

ڈھونڈنے لگتی ہے۔

یہ وہ بارگاہ حضور اور شہر رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے کہ جس کی حرمت و تقدس کا قرآن گواہ ہے جس کی پاکیزگی اور عظمت کی قسم خود اٹھاتا ہے۔ یہ وہ فضائیں ہیں کہ جنھیں ایک نظر دیکھتے ہی احساسات کو حضور ﷺ کے وجود اقدس کی مہک محسوس ہونے لگتی ہے۔ جہاں جاتے ہی صدیوں کا فاصلہ ایک آن میں طے ہو جاتا ہے اور اذہان چودہ سو سال پہلے کے دربار نبوی ﷺ کی رحمت سامانیوں کا تصور کرنے لگتے ہیں کہ جس کے سائے میں زندگی تابندگی کے عنوانات ڈھونڈتی نظر آتی ہے۔ یہ وہی در اقدس ہے کہ جہاں سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ آپ کی حیات ظاہری سے لے کر گنبد خضریٰ میں بعد از وصال آرام فرما ہونے کے لمحات سے لے کر آج تک ہر ایک کو اس کے ظرف سے سوا عطا ہوتا ہے اور قرآن و احادیث گواہ ہیں کہ شام ابد تک آپ کی فیاضیوں اور بخششوں کا سحاب یوں ہی بزم کونین پر سایۂ رحمت خداوندی کی صورت چھایا رہے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بارگاہ قدسی میں پہنچ کر شعرا کے محسوسات پر کیا گزرتی ہے اور انھوں نے اپنے آقا و مولا ﷺ کی عالی مرتبت شخصیت کے اوصاف حسنہ اور آپ کے شہر مقدس کو کس طور سے موضوع شاعری بنایا ہے۔ ان میں وہ شاعر بھی ہیں جو زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہو چکے ہیں اور وہ بھی کہ جو ہجر و فرقت کی کسک کا شکار ہیں۔ بارگاہ مصطفوی ﷺ کی دید کی تمنا دونوں طرف دیدنی ہے۔ جو ایک بار دیکھ چکے ہیں ان کی طلب پہلے سے فزوں تر ہو چکی ہے کیوں کہ وہ انوار شہر رسولؐ کی ایک جھلک دیکھ آئے ہیں اور جو ابھی تک دید شہر حضور ﷺ سے محروم ہیں ان کی تمناؤں کی بے تابی تو جسم و جاں کا رشتہ توڑ کر طائرانہ پرواز کرتے ہوئے بارگاہ رسول مقبول ﷺ میں پہنچنا چاہتی ہے۔

نعت کہنا درحقیقت تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ ہر گام پر یہی خدشہ رہتا ہے کہ شاعر مدحت و ثنا کے نام پر گستاخی کا مرتکب نہ ہو جائے۔ اگر عشق و عقیدت کے نام پر حدود شریعت سے آگے بڑھتا ہے تو ایمان خطرے کی زد میں معلوم ہوتا ہے اور اگر آپ کے مقامات سربلند سے فروتر سخن طرازی کرتا ہے تو تنقیص رسالت کا خوف دامن گیر ہوتا ہے۔ اس لیے شاعر تمام تر خطرات و خدشات سے دامن بچاتے ہوئے ادب و احترام اور عجز و نیاز کو اپنا وسیلۂ اظہار بنائے رکھتا ہے کیوں کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی خطائیں بھی رحمت طلبی کا بہانہ

بن جائیں گی اور اس کی مستانہ وار لغزشیں بھی عشق و سرمستی کے نام پر مقبول بارگاہ نبوت ٹھہریں گی۔ تاریخ نعت گوئی میں وہی شخصیات ممتاز و سرفراز ٹھہری ہیں جنھوں نے عشق و عقیدت کی انتہا میں بھی شریعت کا دامن نہیں چھوڑا کیوں کہ انھیں احساس ہے کہ نعت گوئی کا مقصود فقط خوشنودئ خدا و رسول ﷺ کا حصول ہے اور اگر شاعر اپنی فکری بے اعتدالیوں کی بہ دولت اس شرف سے محروم ہو جائے تو پھر ایسی نعت گوئی سے کیا حاصل؟

سرور کونین فخر دارین ﷺ کی بارگاہ غریب نواز میں مقبولیت اور خوشنودی کی آرزو ہر محبّ صادق کی آرزو ہے۔ شعرائے کرام اس لحاظ سے خوش بخت واقع ہوئے ہیں کہ انھیں اظہار بیان کا شاعرانہ اسلوب ودیعت ہوا ہے، نثر کی نسبت شاعری کا اثر دیرپا اور کہیں زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ ان میں سے وہ شعرا بخت رسا کی سربلندیوں پر ہیں جنھوں نے نعت کو محض نمود فن شاعری کے لیے ہی نہیں بلکہ دل و جان سے محبت رسول ﷺ کو اپنی فکری توانائیوں کا مرجع بنا کر نعت کہی ہے۔ اس مضمون کا آغاز ہم نے تبرکاً ان شعرائے ذی وقار کے انتخاب کلام سے کیا ہے کہ جنھیں بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اس شان سے نعت پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی کہ زبان مصطفیٰ ﷺ سے داد و تحسین کے الفاظ سے بھی نوازے گئے اور بعض مواقع پر انعامات اور فیوضات کے مستحق بھی ٹھہرے اس سے مضمون کا تسلسل بھی رہے گا اور ماضی سے عہد جدید کی جانب سفر کرتے ہوئے یہ احساس بھی ہوتا رہے گا کہ نعت کی خوش بو ہر دور کے اصحاب نظر کو یکساں شدت اور کریمانہ لمس سے شاد کام کرتی رہی ہے:

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب

و احمد مصطفی فینا مطاعا
فلا تغشوہ بالقول العنیف
فلا واللہ نسلمه لقوم
ولما نقض فیهم بالسیوف

(ترجمہ) اور احمد مصطفیٰ ﷺ ہم میں سے وہ برگزیدہ ہستی ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے لہٰذا تم ان کے سامنے ناملائم لفظ منہ سے بھی نہ نکالنا اور خدا کی قسم ہم ان کو اس قوم کے حوالے کبھی نہیں کریں گے جن کے بارے میں ہم نے ابھی تلواروں سے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ

روحی الفداء لمن اخلاقه شهدت
بانه خير مولود من البشر
عمت فضائله كل العباد كما
عم البرية ضوء الشمس والقمر

(ترجمہ) میری جان ان پر فدا جن کے اخلاق شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں افضل ترین ہیں۔ ان کے فضائل بلاامتیاز بندوں کے لیے عام ہیں جس طرح سورج اور چاند ساری دنیا کے لیے عام ہیں۔

سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ

ماذا على من شم تربة احمد
الا يشم مدى الزمان غواليا
ياخاتم الرسل المبارك صنوة
صلى عليك منزل القرآن

(ترجمہ) جس نے ایک مرتبہ بھی خاک پائے احمد مجتبیٰ ﷺ سونگھ لی تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوش بو نہ سونگھے۔ اے آخری رسول! آپ برکت و سعادت کی جوئے فیض ہیں آپ پر تو قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود و سلام بھیجا ہے۔

حضرت کعبؓ بن زہیر

فعذ اميت رسول الله معتذرا
والعفو عند رسول الله مقبول
لقد اقوم مقاما لايقوم به
ارئ واسمع ما لو يسمع الفيل
لظل يرعد الا ان يكون له
من الرسول باذن الله تنويل

حتیٰ و ضعت یمینی لا انازعه
فی کف ذی نعمات قیله القیل
ان الرسول لسیف یستضاء به
مهند من سیوف الله مسلول

(ترجمہ) میں اللہ کے رسول کی خدمت میں عذر خواہ ہو کر پہنچا اور معافی درگزر تو اللہ کے رسول کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ میں اس مقام پر کھڑا تھا کہ اگر وہاں ہاتھی بھی کھڑا ہوتا وہ دیکھتا اور سنتا جو میں دیکھ اور سن رہا تھا تو یقیناً کانپنے لگتا اگر رسول اللہ کی طرف سے جود و سخا اور بخشش عطا نہ ہوتی، یہاں تک کہ میں نے اپنا داہنا ہاتھ بغیر کسی مناقشے کے اس ہاتھ میں دے دیا جو کیے کی سزا دے سکتا تھا اور جس کا قول، قول فیصل تھا۔ بے شک رسول اللہ وہ سیف ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھنچی ہوئی تلوار ہیں۔

امام زین العابدینؓ علی السجادین الحسینؓ

ان نلت یاروح الصبا یوما الی ارض الحرم
بلغ سلامی روضة فیما النبی المحترم
من وجهه شمس الضحی من خده بدر الدجیٰ
من ذاته نور الهدیٰ من کفه بحر الهمم

(ترجمہ) اے باد صبا اگر تیرا گزر سرزمین حرم تک ہو تو مرا سلام اس روضۂ پاک پر پہنچا جس میں نبیؐ محترم تشریف فرما ہیں۔ وہ جس کا چہرۂ انور مہر نیمروز ہے اور جن کے رخسار تاباں ماہ کامل ہیں۔ جن کی ذات نور ہدایت ہے اور جن کی ہتھیلی سخاوت میں دریا کی مانند ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت

عن وصفك الشعراء یامدثر
عجزوا وکلوا من صفات علاك

بك لی قليب مغرم ياسيدی
وحشاشة محسثوة بهواك

(ترجمہ) اے کملی والے آقا! آپ کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعرا عاجز رہ گئے۔ آپ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔ میرے سرکار میرا حقیر دل آپ ہی کا شیدا ہے اور میرے اندر تو آپ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے۔

حضرت ابوالفضلؒ جوہری اندلسی

(جب آپ نے مدینہ منورہ کی زیارت کا قصد کیا اور مدینہ کے مکانات کے قریب پہنچے تو سواری سے اُتر پڑے اور پیدل چلتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے لگے)

ولما راينا رسم من لم يدع لنا
فؤاد لعرفان الرسوم ولا لبا
نزلنا على الاكوار نمشی كرامة
لمن بان عنه ان نلم به ركبا

(ترجمہ) جب ہم نے اس ذات شریف کے آثار دیکھے جس نے آثار شریفہ کی پہچان کے لیے ہمارے واسطے نہ دل چھوڑا نہ عقل خالص، تو ہم پالانوں سے نیچے اتر پڑے اور اس ذات شریف کی تعظیم کے لیے پیدل چلنے لگے جس کی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہو،

شیخ الاسلام حافظ ابوالفتح تقی الدین بن دقیق العید

يا سائرا نحو الحجاز مشمرا
جهد فريتك فی السير وفی السری
فالقصد حيث النور لشرق ساطعا
والطرف حيث ترى الثرى متعطرا
وتوخ أثار النبی فضع بها
متشوقا خديك فی عفر الثرى

واذا رأيت مهابط الوحى التى
نشرت على الأفاق نورا نورا
فاعلم بانك ما رأيت شبيهما
مذ كنت فى ماضى الزمان ولا ترىٰ

(ترجمہ) اے حجاز کی طرف تیزی سے چلنے والے میں تجھ پر فدا تو رات دن چلنے کی کوشش کرنا۔ تو اس جگہ کا قصد کرنا جہاں نور خوب چمک رہا ہے اور جہاں خاک خوش بودار نظر آتی ہے اور نبی ﷺ کے آثار کا قصد کرنا اور ان کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے وہاں اپنے ہر دو رخسار کو روئے خاک پر رکھ دینا اور جب تو وحی کے اترنے کی جگہوں کو دیکھے جنھوں نے تمام دنیا پر نور انور پھیلایا ہے تو جان لینا کہ تو نے اپنی گزشتہ عمر میں ان کی مثل نہیں دیکھا اور نہ آئندہ دیکھے گا۔

علامہ شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن زید بوصیریؒ

فرأينا ارض الحبيب يغض الطرف
منها الضياء واللألاء
كان البيداء من حيث قا
بلت العين روضة غناء
وكان الأرجاء تنشر نشر المسك
فيها الجنوب والجربياء
اى نور واى نور شهدنا
يوم ابدت لنا القباب قباء
قر منهار معى وقترا اصطبارى
فدموعى سيل وصبرى جفاء
ترى الركب طائرين من الشو
ق الىٰ طيبة لهم صنومناء
وكان الزوار ما مست الباء
ساء منهم خلقا ولا الضراء

کل نفس منها ابتهال وسؤل
ودعاء ورغبة وابتغاء
وجسوم كانها رحضتها
من عظيم المهابة الرحضاء

(ترجمہ) ہم نے سرزمین حبیب ﷺ کو دیکھا جس کی آب و تاب آنکھوں کو جھکا دیتی ہے۔ گویا ایک ایسا جنگل ہے آنکھ کو جس زاویے سے بھی دکھائی دیتا ہے ایک باغ دکھائی دیتا ہے۔ گویا وہ اطراف و اکناف ہیں جن میں باد شمال اور باد جنوب کستوری کی خوش بو پھیلا دیتی ہے۔ کون سا نور! کون سا نور! اس دن ہم نے دیکھا جس نے مسجد قبا نے اپنے گنبد ہمارے سامنے ظاہر کر دیے جنھیں دیکھ کر میرے اشکوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی اور میرا اصطبار رفو چکر ہوگیا۔ اشکوں کا سیلاب اُمڈ آیا اور میرا صبر اس میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔ سنو تم نے دیکھا کہ سوار فرط شوق میں طیبہ کی طرف اڑتے چلے جا رہے تھے اور ہر طرف ان کا شور تھا۔ گویا ان زائرین کرام کو کسی قسم کی کوئی جسمانی تکلیف نہ تھی۔ ہر شخص کا دل بہ صد عجز و انکسار دعا کر رہا تھا۔ کچھ مانگ رہا تھا۔ کبھی دعا کر رہا تھا تو کبھی اظہار آرزو کر رہا تھا اور کبھی کسی شے کی تلاش میں تھا اور جسم تھے جیسے انھیں عظیم ہیبت کی وجہ سے بہنے والے پسینے نے غسل دے دیا ہو۔

ابو عبداللہ عطارؒ

بطيب رسول الله طاب لسيهما
فما المسك ما الكافور ماالضدل الرطب

(ترجمہ) رسول اللہ کی خوش بو سے نسیم مدینہ خوش بودار ہوگئی۔ پس کیا ہے کستوری، کافور کیا ہے، عطر صندل تر و تازہ۔

سیّدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

چوں ذرہ ذرہ شود ایں تنم بہ خاک لحد
تو بشنوی صلوٰت از جمیع ذراتم
کمینہ خادم خدام تو ام
ز خادمی تو دائم بود ما جاتم

خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیریؒ

در جاں چوں کرد منزل جانان ما محمدؐ
صد در کشادہ در دل از جان ما محمدؐ
مستغرق گناہم ہر چند عذر خواہم
پژمردہ چوں گیاہم، باران ما محمد
ما طالب خدایم بردین مصطفایم
بردر گہش گوایم سلطان ما محمدؐ

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ

عرش است کمیں پایہ ز ایوان محمدؐ
جبریل امیں خادم دربان محمدؐ
یک جاں چہ کند سعدیٔ مسکین کہ دو صد جان
سازیم فدائے سگ دربان محمدؐ

بوعلی شاہ قلندرؒ پانی پتی

آستان عالیٔ تو بے مثل
آسمانے ہست بالائے زمیں
یک کف خاک از در پرنور او
ہست مارا بہتر از تاج و نگیں

خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ

صبا بسوئے مدینہ رو کن ازیں دعاگو سلام برخواں
بگرد شاہ مدینہ گردد بصد تضرع پیام برخواں
بنہ بچندیں ادب طرازی سر ارادت بخاک آں کو
صلوٰۃ وافر بروح پاک جناب خیرالانام برخواں
بہ باب رحمت گہے گزر کن بہ باب جبریل گہ جبیں سا
صلوٰۃ منی علی نبی گہے بہ باب السلام برخواں
بہ لحن داؤد ہمنوا شو بہ نالۂ درد آشنا شو
بہ بزم پیغمبر ایں غزل را ز عبد عاجز نظام برخواں

حضرت امیر خسروؒ

چہ بیند مردم ار از خاک پایت
نباشد سرمۂ عین الیقینش
کہ دارد جز تو دست آنکہ باشد
کلید نہ فلک در آستینش

ابن خلدون

فتؤم من اکناف یثرب مأمنا
یکفیك ما تخشاہ من تثریب
حیث النبوۃ ایھا مجلوۃ
فتلوا من الاثار کل غریب

(ترجمہ) یثرب کے اطراف و اکناف میں جائے امن چاہو۔ جس باز پرس سے تم ڈرتے ہو اس کے لیے یہ کافی ہوگا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں نبوت کی نشانیاں روشن ہیں اس کے آثار میں تم قدم قدم پر ایک سے ایک انوکھی بات کھوگے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ

یاشفیع المذنبین بار گناہ آوردہ ام
بر درت ایں بار بالشت درتاہ آوردہ ام
دیو رہزن درکیں نقش و ہوا اعدائے دیں
زیں ہمہ باسایۂ لطف پناہ آوردہ ام
گرچہ روئے معذرت نگزاشت گستاخی مرا
کردہ گستاخی زبان عذر خواہ آوردہ ام
بستہ ام بریک دگر نخلے ز خارستان طبع
سوئے فردوس بریں مشتے گیاہ آوردہ ام
دولتم ایں بس کہ بعد از محنت و رنج دراز
بر حریم آستانت می نہم روئے نیاز

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

اگر خیریت دنیا و عقبٰی آرزو داری
بدرگاہش بیاد ہر چہ می خواہی تمنا کن
بیا اے دل قدم نہ برسر کوئے وفادانگہ
زراہ صدق جاں برخاک راہ آں کف پا کن

حاجی جان محمد قدسیؒ

من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی
نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی
نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

سیّدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پے درماں طلبی

سیّد غلام علی آزاد بلگرامی

روحی الفداء لروضة قدسية
مملوء ة بلطانة وصفاء
احسن الى ضيف ببابك واقف
شان الكرام ضيافة الغرباء
نظر الحبيب الى الغريب عناية
نظر العناية شميه الكبراء

(ترجمہ) مری جان اس روضۂ اقدس پر قربان جو لطافت و پاکیزگی سے مالامال ہے، احسان فرمایئے اس مہمان پر جو آپ کے در دولت پر حاضر ہے۔ کریموں کی شان غریبوں اور مسافروں کو نوازنا ہے۔ مسافر غریب الدیار کی طرف حبیب کا دیکھنا عنایت ہے اور نظر کرم تو بڑوں ہی کا شیوہ ہے۔

شیخ قلندر بخش جرأت

رکھے ہے منزلت یہ آستان سرور عالم
کہ فخر سلطنت ہے مرتبہ واں کی گدائی کا
بلند اس کا وہ ایوان مراتب ہے کہ واں کب ہے
خیال ساکنان عرش کو یارا رسائی کا

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

یاصاحب الجمال و یاسید البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر
لا یمیکن الشناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

☆

فیما ریح الصبا عطفا و رفقا
الی ذاك الحمیٰ بلغ سلامی
وان جرتم علی فلی غیاث
باب المصطفیٰ خیر الانام

(ترجمہ) اے باد صبا از راہ لطف و کرم میرے اس حامی و پشتیبان تک میرا سلام پہنچا دے۔ اے لوگو! تم نے مجھ پر جو جور و ستم کیا تو میرا فریاد رس موجود ہے، بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں جو ساری دنیا سے اچھے ہیں۔

شاہ نیاز بریلویؒ

دلا خاک رہ کوئے محمد شو محمد شو
ز ہر سوئے بیا سوئے محمد شو محمد شو
بہر دم سجدۂ جاں سوئے ابروئے محمد کن
بروئے قبلۂ روئے محمد شو محمد شو

جمال الدین عرفی

عرفی مشتاب ایں رہ لغت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے و جم را

کرامت علی خاں شہیدی

کعبہ کی طرف منھ ہو شب و روز ہمارا
کعبے کا شب و روز ہے منھ سوئے محمد
ہر نخل بیابان عرب مجھ کو ہے طوبیٰ
ہوں شیفتۂ قامت دلجوئے محمد

رضواں کے لیے لے چلو سوغات شہیدیؔ
گر ہاتھ لگے خار و خس کوئے محمد

☆

کچھ نزدیک جاکر آستانے پر ملوں آنکھیں
کبھی میں دُور بیٹھوں اور کروں نظارا گنبد کا
رہا کعبہ میں تیرے روضے کے در پر نہ جاپایا
اسی اندوہ سے ہے رنگ تیرہ سنگ اسود کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جابیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا
خدا منھ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا

شاہ غمگین دہلوی

روبرو ہے پر اسے دیکھا نہیں جاتا ہے آہ
کیا کہوں میں حال اپنے حسرت و ارمان کا
بے سر و سامانی اک ساماں ہے اے دل یاد رکھ
کاروان عشق میں ہر بے سر و سامان کا

مولانا عبدالکافی مرادآبادی.

دل عشاق کا عنوان تمنا دیکھو
حسرت دید کا انداز سراپا دیکھو
دسترس ہوئی اگر ان کے قدم تک یارو
پائے اقدس سے ہٹاتے نہ کبھی آنکھوں کو
روکنے والے اگر لاکھ ہٹاتے جاتے
ہوتے صدقے کبھی ناقہ کے کبھی محمل کے
ساربان کے کبھی ہاتھوں کی بلائیں لیتے

شوق سے وجد کے عالم میں جو پھر آجاتے
دشت یثرب میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

تھک کے ہم رہ گئے اے ہم سفرو، تم میں سے
گر کوئی روضۂ محبوب تلک جا پہنچے
میری جانب سے بآداب عرض یوں کردے
کافی کشتۂ دیوار کو زندہ کرتے
لب اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے

مولانا محمد فضل حق خیر آبادیؒ

آنشدتك فاقيل مدحتي كرما
حتى افوز بانشادى بمنشودى
لاتشك انك غوث الخلق اجمعهم
ولا نبالي اباطيل المناكيه

(ترجمہ) میں نے آپ کے حضور یہ مدح پیش کی ہے اپنی کرم گستری سے قبول فرمایئے تاکہ میں اس شعر خوانی کے ذریعے دامن مقصود بھر پاؤں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ساری مخلوق کی فریاد سنتے ہیں اور میں اس سلسلہ میں کسی کی دشمنی کی پروانہیں کرتا۔

میر فیاض الدین علی خاں بندہ شاہ چشتی حیدر آبادی

تو وہ گل دستۂ قدرت ہے رسولؐ عربی
کم سے کم تجھ پر سے اگر جان چمن کو واروں
فرق عالی پہ میں صدقے کروں سر کو اپنے
پائے اقدس پر ترے اپنے میں سر کو واروں
راہ میں تیرے یہ توصیف کی اے جان جہاں
ہے سزاوار جو میں روح سخن کو واروں

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدؐ است
آرے کلام حق بزبان محمدؐ است
واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فرد گزار
کاینجا سخن ز سرو روان محمد است
بنگر، دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
آں نیز نامور زنشان محمد است
غالبؔ ثنائے خواجہ، بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ داں محمد است

مولوی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی

دل و جاں لوٹتے ہیں عشق نبی میں دن رات
لذت درد جدا، لذت آزار جدا
خاک پر لوٹتے ہیں کوئے نبی میں دونوں
نور خورشید جدا، سایۂ دیوار جدا
آبلے پھوٹ کے روئیں گے رہ طیبہ میں
میرے تلووں سے اگر کوئی ہوا خار جدا
قد آدم ہیں وہاں آئینے دیوار میں وصل
میں یہاں آئینہ ساں پشت بہ دیوار جدا
سر اگر تن سے جدا ہو تو جدا ہو حافظؔ
سر سے ہوگا نہ در احمدؐ مختار جدا

سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ

پہنچا نہ آستان مقدس کو تیرے میں
اس غم سے مثل چشمہ ہوئی چشم میری نم
پر خاک آستاں کو تری اپنی چشم میں
کرتا ہوں سرمہ سیل تصور سے دم بہ دم

غلام امام شہید انبیٹھوی

ہر سنگ میں واں کے سر طور ہے پنہاں
ہر خشت کو کہیے ید بیضائے مدینہ
قسمت یہ دکھاتی ہے کہ حسرت کی نظر سے
ہم دیکھتے ہیں اس کو جو دیکھ آئے مدینہ

حکیم غلام مولیٰ خلق میرٹھی

ہے تشنگان یاس کا کس درجہ اہتمام
کوثر لگی ہوئی ہے سر کوئے مصطفیٰ
اے کاہش گناہ سبک کر مجھے کہ میں
جنبش سے ہر نفس کے اُڑوں سوئے مصطفیٰ

مولانا قاسم نانوتوی

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار
اُڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضورؐ کے روضے کے آس پاس نثار
ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

کر کے نثار آپ پہ گھر بار یارسولؐ
اب آ پڑا ہوں آپ کے دربار یارسولؐ
دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپؐ کا
کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خوار یارسولؐ

ہو آستانہ آپ کا امداد کی جبیں
اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یارسولؐ

شاہ محمد دلدار علی مذاق بدایونی

ہے شمع خدا انجمن آرائے مدینہ
جبریل ہے پروانۂ شیدائے مدینہ
قدرت کا خدا کی نظر آتا ہے تماشا
کیا دید کے قابل ہے تماشائے مدینہ
بندے پہ در عین عنایت یہ کھلا ہے
جب بند کروں آنکھ نظر آئے مدینہ

سیّد محمد مرتضیٰ یزدانی میرٹھی

گیا گردوں پر اس کے شربت دیدار کا پیاسا
مسیحا بھی ہے بالتحقیق دکھیارا محمد کا
سلاطیں کا شرف ہے اس کے آگے طرفو کہنا
اٹھائیں غاشیہ اسکندر و دارا محمد کا

امیر مینائی

جب پئے گلگشت باغوں میں مدینے کے چلی
پھولوں کی ڈالی وہیں دامن صبا کا ہوگیا
موم، پتھر کو یہ اس فخر سلاطیں نے کیا
حلقۂ خاتم نگین نقش پا کا ہوگیا

مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی

سیر گلشن کون دیکھے دشت طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمھارا چھوڑ کر
مر ہی جاؤں میں اگر اس در سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمار غم قرب مسیحا چھوڑ کر

کون کہتا ہے کہ دل بے مدعا ہے خوب چیز
میں تو کوڑی کو نہ لوں ان کی تمنا چھوڑ کر
سرگزشت غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے در پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر
مر کے جیتے ہیں جو ان کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کر مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

حکیم عبدالہادی خاں وفاؔ رام پوری

تختۂ خلد بریں تیری گلی کا رستہ
زینت ہشت فلک اک ترے گھر کی زینت
انبیا بیٹھیں ترے آگے دو زانو ہوکر
محفل قدس تری ذات سے والا رتبت

سیّد عبدالغنی قیصر وارثی

پیام عجز پئے تاجدار لیتا جا
یہ چند اشک بھی بر بہار لیتا جا
ہزار طور کے جلوے ہیں راہ طیبہ میں
نثار کرنے کو ہوش و قرار لیتا جا
در کریم پہ اب تجھ کو سر جھکانا ہے
جبین شوق میں سجدے ہزار لیتا جا
نثار کرنے کو ہر خار دشت طیبہ پر
تو کر کے دامن دل تار تار لیتا جا

مولانا شاہ احمد رضاؔ خاں بریلویؒ

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا
تیرے ٹکڑوں پہ پلے. غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

☆

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
آب زم زم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جود شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا
یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو

شاد عظیم آبادی

دیباچۂ سخن ہے شہ انبیا کی مدح
محبوب ہے دلوں کو حبیب خدا کی مدح
طغرائے لوح عشق ہے خیر الوریٰ کی مدح
اسلام کا نشان ہے اس پیشوا کی مدح
نعت رسول حق ہے ہماری سرشت میں
اُمت پہ اس کا راز کھلے گا بہشت میں

مولانا غلام قادر گرامی جالندھری

کوثر چکد از لبم بہ ایں تشنہ لبی
خاور دمد از شبم بہ ایں تیرہ شبی

اے دوست ادب کہ در حریم دل ما است
شاہنشہ انبیا رسولؐ عربی

مولانا عزیز اللہ عزیز صفی پوری

اے خوشا آندم کہ گردم مست بویت یارسولؐ
میردم از خویش و می آیم بہ سویت یارسولؐ
ہر زماں بختم نوید سرمۂ بینش دہد
می پرد چشم بشوق خاک کویت یارسولؐ
در کنار قطرہ حیرانم چساں گنجد محیط
کرد چوں جا در دل من آرزویت یارسولؐ

خواجہ محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی

ہے یہ حسرت در پہ جائیں　　اشک کے دریا بہائیں
داغ سینے کے دکھائیں　　سامنے ہوکر سنائیں
یانبی سلام علیک
رحمتوں کے تاج والے　　دو جہاں کے راج والے
عرش کی معراج والے　　عاصیوں کی لاج والے
یانبی سلام علیک
جان کر کافی سہارا　　لے لیا ہے در تمھارا
خلق کے وارث خدارا　　لو سلام اب تو ہمارا
یانبی سلام علیک

مولانا محمد علی جوہر

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے ہر روز یہی باتیں

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

حضرت ریاض خیرآبادی

نام کے نقش سے رشن یہ نگینہ ہوجائے
کعبۂ دل مرے اللہ مدینہ ہوجائے
آنکھ میں برق سر طور ہو گنبد کا کلس
شرف اندوز زیارت یہ کمینہ ہوجائے
اس کی تقدیر جو پامال ہو تیرے در پر
اس کی تقدیر کہ جو خاک مدینہ ہوجائے

اصغر حسین گونڈوی

دل نثار مصطفیٰؐ جاں پائمال مصطفیٰؐ
یہ اویس مصطفیٰؐ ہے وہ بلال مصطفیٰؐ
سب سمجھتے ہیں اسے شمع شبستان حرا
نور ہے کونین کا لیکن جمال مصطفیٰؐ

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؔ

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
گنبد آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب
تیرہ و تاب ہے جہاں گردش آفتاب سے
طبع زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

آغا شاعر قزلباش دہلوی

ارادہ جب کروں اے ہم نشیں مدح پیمبر کا
قلم لے آؤں پہلے عرش سے جبریلؑ کے پر کا
محمدؐ کہتے کہتے جاں نکل جائے تعشق میں
جبھی تو کام نکلے گا قضا سے زندگی بھر کا

حافظ محمد عالم گیر خاں کیف ٹونکی

درِ نبیؐ پر پڑا رہوں گا پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
کبھی تو قسمت کھلے گی میری کبھی تو میرا سلام ہوگا
اسی توقع پہ جی رہا ہوں یہی تمنا جلا رہی ہے
نگاہ لطف و کرم نہ ہوگی تو مجھ کو جینا حرام ہوگا

نواب بہادر یار جنگ

مدحت شاہ دو سرا مجھ سے بیاں ہو کس طرح
تنگ میرے تصورات پست مرے تخیلات

بیدم شاہ وارثیؒ

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھینچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نام اسی کا باب کرم ہے دیکھ یہی محراب حرم ہے
دیکھ خم ابروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

☆

نعلین پا سے عرش معلیٰ کو ہے شرف
روح الامیں ہیں غاشیہ بردار مصطفیٰؐ
کیوں کہ نہ سجدہ پیش رُخ مصطفیٰؐ کروں
طاق حرم ہے ابروئے خمدار مصطفیٰؐ
بیدمؔ نہ آؤ جا کے دیار رسولؐ سے
تربت ہو زیر سایۂ دیوار مصطفیٰؐ

سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی

کب تک رہے سینہ میں تمنائے مدینہ
کب تک دل بے تاب کیے ہائے مدینہ
مرجاؤں مدینے میں مدینے میں لحد ہو
لے جاؤں لحد میں، میں تمنائے مدینہ

اقبال سہیل اعظم گڑھی

صدقے جس کے خاک قدم پر تخت فریدوں بخت سکندر
سطوت کسریٰ شان کے و جم صلی اللہ علیہ وسلم
قبلہ نمائے سجدہ گزاراں شعلۂ سینا جلوۂ فاراں
صبح بہاراں جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
وہ مصداق دنا فتدلٰی جس کی منزل عرش معلیٰ
نکتۂ ما اوحی کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم
نظم سہیل ان کا ہی کرم ہے ورنہ یہاں کب تاب رقم ہے
ان شاء اللہ تعالیٰ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا حسرت موہانی

پھر آنے لگیں شہر محبت کی ہوائیں
پھر پیش نظر ہوگئیں جنت کی فضائیں

اے قافلے والو کہیں وہ گنبد خضریٰ
پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں
ہاتھ آئے اگر خاک ترے نقش قدم کی
سر پر کبھی رکھیں کبھی آنکھوں سے لگائیں
کرتے ہیں عزیزان مدینہ کی جو خدمت
حسرت انھیں دیتے ہیں وہ سب دل سے دعائیں

وحشت کلکتوی

تو جو اے ماہ عرب عالم کی زینت ہوگیا
نور تیرا کس کے جلوے کی بشارت ہوگیا
بجھ گئی ہے چادر خار مغیلاں دشت میں
تیرے وحشی کے لیے ساماں رحمت ہوگیا
کیوں نہ منظور نظر ہو تیرے کوچے کا غبار
عین یہ تو سرمۂ چشم بصیرت ہوگیا

ظفر علی خاںؔ

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمھی تو ہو
جلتے ہیں جبرئیلؑ کے پر جس مقام پر
اس نور اوّلیں کا اجالا تمھی تو ہو
گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدار یثرب و بطحا نہیں تو ہو
پھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے
اس نور اولیں کا اُجالا تمھی تو ہو

☆

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

کوثر سندیلوی

مجھ کو خاک در محبوب خدا ہونا ہے
خاک ہونا ہے مگر خاک شفا ہونا ہے
سجدۂ پائے بتاں خوب نہیں اے کوثر
جبہ سائے در محبوب خدا ہونا ہے

اختر حیدر آبادی

قابل عفو گو نہیں مری سیاہ کاریاں
بندہ نواز ہے تری شان عطائے سروری
ٹوٹ رہے ہیں دم بہ دم جان حزیں پہ سنگ غم
پیس رہی ہے پے بہ پے گردش چرخ عنبری
خاک رہ نیاز ہوں رتبہ امتیاز دے
حوصلۂ بلندی و ہستیٔ سرفراز دے

عبدالمجید سالک

اسریٰ بعبدہ ہے ترے قرب کی دلیل
یہ سب ہیں تیری ذات کے قدسی تصرفات
پہنچا نہ کوئی ترے مقام بلند تک
موسیٰ ز ہوش رفت از یک پرتو صفات

جگرؔ مراد آبادی

اے خاک مدینہ تری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے تو جنت سلطانؐ مدینہ
اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروف عبادت
دیکھوں میں در دولت سلطان مدینہ

اس اُمت عاصی سے نہ منھ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرت سلطانؑ مدینہ

نوح ناروی

سامنے جس کی نگاہوں کے مدینہ آیا
لطف کے ساتھ اسے مرنا اسے جینا آیا
اپنی گردش سے اسی وجہ سے نازاں ہے فلک
کہ طواف در اقدس کا قرینہ آیا
بیٹھے اس شان و حشم سے وہ سرزین فراق
سمجھے جبریلؑ کے خاتم میں نگینہ آیا

ہادی مچھلی شہری

تصور تیرا جنت ہے محبت تیری بخشش ہے
یہ رُتبہ اور یہ درجہ شفیع المذنبیں تیرا

اصطفا لکھنوی

جڑے ہوئے ہیں جو دل میں مرے نگینے سے
یہ داغ ہجر میں لایا ہوں جو مدینے سے
نہ رہ سکے گا مدینے میں بے ادب گستاخ
وہی رہے گا جہاں جو رہے قرینے سے

ظریف جبل پوری

معراج کو جو عرش پر پہنچے بصد وقار
تھے قربت حضورؐ میں جبریلؑ بار بار
ہر سو شکوہ و رعب و جلال تھا آشکار
آتی تھی ایک سمت سے آواز بار بار
آرے حبیب آ کہ بڑا انتظار تھا
کس درجہ ناگوار یہ دور فراق تھا

حضرت معروف انبیٹھوی

پئے طواف مزارت بہ گرد روضۂ تو
ز انس دحان و ملک ہست صبح و شام ہجوم
کجا یہ رفعت و وسعت رسد قیاس بشر
کہ فہم و علم ملائک نمی کند معلوم

میر عثمان علی خاں والئ دکن

جاں را فدانمائیم ما بر مزار حضرت
گر آستانہ بوسی گردد نصیب مارا
گر آبرو تو خواہی اے دل بصدق نیت
در بحر حق فنا شویابی دُر بقا را

شکیل بدایونی

موت ہی نہ آجائے کاش ایسے جینے سے
عاشق نبی ہوکر دور ہوں مدینے سے
کون سی دعا ہے وہ جو اثر نہیں رکھتی
ہاں مگر یہ لازم ہے مانگئے قرینے سے

سراج الدین ظفر

سواد صبح ازل جس کے راستے کا غبار
طلسم لوح ابد جس کے نقش پا کی طرح
وہ عرش و فرش و زمان و مکاں کا نقش مراد
وہ ابتدا کے مقابل وہ انتہا کی طرح
نہ پوچھ معجزۂ مدحت شہ کونینؐ
مرے قلم میں ہے جنبش پر ہما کی طرح

راجا محمد امیر احمد خاں والیٔ محمود آباد

سیّد یثرب و بطحا بابی انت و امی
مرسل خالق یکتا بابی انت و امی
باعصا موسیٰ عمراں بہ در فیض رونق درباں
نفست مجبی عیسیٰ بابی انت و امی
چوں بدیدند بدورت ہمہ گفتند ز نورت
طلع البدر علینا بابی انت و امی

گوہر حسین گوہر

مری خرد نے مری زندگی کو پھونک دیا
مجھے جہنم احساس سے بچا لیں آپؐ
وہ اک ادائے کرم ہے جو رحمتؐ عالم
اسی ردائے کرم میں مجھے چھپا لیں آپ

اختر شیرانی

لٹائے سجدے نہ کیوں آسماں مدینے میں
رسولؐ پاک کا ہے آستاں مدینے میں
قدم اُٹھا ادب سے ذرا نسیم سحر
ہیں محو خواب شہ دو جہاں مدینے میں

بہزاد لکھنوی

مدینے دل و روح و جاں لے کے جاؤں
محبت کا سارا جہاں لے کے جاؤں
نہیں لائق نذر بہزاد کچھ بھی
میں کیا پیش شاہ جہاں لے کے جاؤں

☆

رہرود ہر راہ سے ہٹ کر سوئے طیبہ چلیں
شکر کا ہر گام پر کرتے ہوئے سجدہ چلیں
ان کے قدموں سے جدا ہو کر کہیں تسکیں نہیں
آؤ اے بہزاد پھر پیش در مولا چلیں

جوشؔ ملیح آبادی

تیرے قدم پہ جبہ سا روم و عجم کی رونقیں
تیرے حضور سجدہ ریز چین و عرب کی خود سری
تیرے کرم نے ڈال دی طرح خلوص و بندگی
تیرے غضب نے بند کی رسم و رہ ستم گری
تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہ قیصری
تجھ پہ نثار جاں و دل مرا کے ذرا یہ دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہ کافری
تیرے فقیر اور دیں کوچۂ کفر میں صدا
تیرے غلام اور کریں اہل جفا کی چاکری

حفیظؔ جالندھری

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی
ترے آنے سے رونق آگئی گلزار ہستی میں
شریک حال قسمت ہوگیا پھر فضل ربانی
تری صورت تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسم گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی
مرا دل ہو، ترا گھر ہو، ترا در ہو، مرا سر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

ماہر القادری

رسولِ مجتبیٰ کہیے محمدِ مصطفیٰ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہیے
شریعت کا ہے یہ اصرار ختم الانبیا کہیے
محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب خدا کہیے
غبار راہ طیبہ سرمۂ چشم بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاک شفا کہیے
مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو ماہر چشمۂ آب بقا کہیے

رئیس امروہوی

مری نگاہ شوق میں حسن ازل ہے بے نقاب
غنچہ بہ غنچہ گل بہ گل لالہ بہ لالہ بو بہ بو
کاش ہو ان کا سامنا عین حریم ناز میں
چہرہ بہ چہرہ رخ بہ رخ دیدہ بہ دیدہ دو بہ دو
عالم شوق میں رئیس کس کی مجھے تلاش ہے
خطہ بہ خطہ رہ بہ رہ جادہ بہ جادہ سو بہ سو

سیّد ہاشم رضا

اُمی کو دے علم لدنی ربّ کی حکمت کیا کہنا
ریگ کے ذروں میں چمکائے نور رسالت کیا کہنا
جس کے لیے آیات قرآں اس کے لیے میں ہیچ
نعت لکھوں اور داد بھی پاؤں خوبیٔ قسمت کیا کہنا

شاعر لکھنوی

زہے کیف سجدۂ معتبر کہ میں کر گیا ہوں جھکا کے سر
مجھے ہوش کیا کہ یہ عرش ہے کہ زمین کوئے رسول ہے

درِ مصطفیٰ کی تلاش تھی میں پہنچ گیا ہوں خیال میں
نہ تھکن کا چہرے پہ ہے اثر نہ سفر کی پاؤں پہ دھول ہے
یہی شاعر اپنی ہے آبرو وہ دیار ہو مرے رُو بہ رُو
کہ جہاں عطا کی ہیں بارشیں کہ جہاں کرم کا نزول ہے

شان الحق حقی

وہ شہر بے حصاران کا مدینہ
کہ جس کی خاک ارمان جبیں ہے
نہ پوچھو ہے سواداس کا کہاں تک
یہ المغرب سے تا اقصائے چیں ہے
جھکی جاتی ہے خود سجدے میں گردن
نہ جانے کفر ہے یا کار دیں ہے
کہ دل میں ماسوائے اسم احمدؐ
نہیں ہے کچھ نہیں ہے کچھ نہیں ہے

فنا نظامی کان پوری

ہر ابتدا سے پہلے ہر اک انتہا کے بعد
اعلیٰ ہے سب سے ذات محمدؐ خدا کے بعد
شاید اسی کا نام ہے توہین جستجو
منزل کی ہو تلاش ترے نقش پا کے بعد
دل مطمئن ہے یوں تری بزم پناہ میں
بیمار مسکراتے ہے جیسے شفا کے بعد
تشبیہ کے لیے نہیں یہ خورشید و ماہتاب
حاجت بھی ورنہ کیا تھی رخ مصطفیٰ کے بعد

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

رخشندہ ترے حسن سے رخسار یقیں ہے
تابندہ ترے عشق سے ایماں کی جبیں ہے
چمکی تھی کبھی جو ترے نقش کف پا سے
اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے
جھکتا ہے تکبر تری دہلیز پہ آکر
ہر شاہ تری راہ میں اک خاک نشیں ہے
آیا ہے ترا اسم مبارک مرے لب پر
گرچہ یہ زباں اس کی سزاوار نہیں ہے

نعیم صدیقی

ہوا ہے دل کا تقاضا کہ ایک نعت کہوں
میں اپنے زخم کے گلشن سے تازہ پھول چنوں
پھر ان پہ شبنم اشک سحر گہی چھڑکوں
پھر ان سے شعروں کی لڑیاں پرو کے نذر کرو
میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں

اقبال عظیم

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ
جبیں افسردہ افسردہ قدم لغزیدہ لغزیدہ
چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب منزل
نظر شرمندہ شرمندہ بدن لرزیدہ لرزیدہ
کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ
کہاں میں اور کہاں اس روضۂ اقدس کا نظارہ
نظر اس سمت اٹھتی ہے مگر دزدیدہ دزدیدہ

مدینے جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ پاکیزہ فضا سنجیدہ سنجیدہ

حافظ مظہر الدین

چوموں گا ہر اک راہ مدینہ کو نظر سے
شاید کہ وہ گزرے ہوں اسی راہ گزر سے
ممکن ہے یہیں ان کے نقوش پا ہوں
ممکن ہو تو ہر راہ نبیؐ میں چلوں سر سے
ذرّے ذرّے میں ہے دل اے سارباں آہستہ چل
ہے یہ راہ سرور کون و مکاں آہستہ چل
ہے زمیں خاموش چپ رہے آسماں آہستہ چل
رو بہ رو ہے روضۂ شاہ جہاں آہستہ چل
اس زمیں پر رات دن ہوتا ہے رحمت کا حصول
یہ زمیں ہے بوسہ گاہ قدسیاں آہستہ چل

حفیظ تائب

شوق و نیاز و عجز کے سانچے میں ڈھل کے آ
یہ کوچۂ حبیب ہے پلکوں سے چل کے آ
اُمت کے اولیا بھی ادب سے ہیں دم بہ خود
یہ بارگاہ سرور دیں ہے سنبھل کے آ
ماہ عرب کے آگے تری بات کیا ہے
اے ماہتاب، روپ نہ ہر شب بدل کے آ

☆

اس پیکر نوریں کو لب کر دل میں
میں روضۂ اطہر کی طرف دیکھ رہا ہوں

دامن مرا دُھلوایا گیا عرفہ میں پہلے
پھر درگہ سرکار پہ بلوایا گیا ہوں
اے کاش ذرا دیر یہیں وقت ٹھہر جائے
میں پیش رسولؐ عربی نعت سرا ہوں

طفیل ہوشیار پوری

ڈال دل میں اس طرح شہر مدینہ کی طرح
آنکھ کی پتلی میں عکس روضۂ سرکار ہو
لطف ہے جب آنسوؤں کی نقرئی تسبیح پر
ذکر حق کے ساتھ ذکر احمد مختار ہو
ذرّے ذرّے میں نظر آئے جمال مصطفیٰ
تیری چشم شوق گر شائستۂ دیدار ہو

خالد بزمی

جسے منزل نہ ملتی ہو وہ ان کے در پہ آجائے
محمدؐ رہبر دُنیا و دیں ہیں میرا ایماں ہے
کوئی بھی دل نہیں ہے ان کے لطف فیض سے خالی
وہ ہر دل میں کرم بن کے مکیں ہیں میرا ایمان ہے

احسان دانش

یوں اس گلی میں چشم تمنا سجائی جائے
پلکوں پہ آنسوؤں کی کناری لگائی جائے
عشق رسول ہے تو سکوں کی دعا نہ مانگ
یہ آگ لگ گئی ہے تو پھر کیوں بجھائی جائے

☆

رُخ خیر البشر تو پھر رخ خیر البشر ٹھہرا
ان آنکھوں سے در خیر البشر دیکھا نہیں جاتا

☆

حسن فطرت کو ہجوم عاشقاں درکار تھا
عاشقوں کو بہر سجدہ آستاں درکار تھا
اے زہے تقدیر یہ نکلا محمدؐ کا مقام
کوئی انسان و خدا کے درمیاں درکا تھا
نور ان کا عرش پر میلاد ان کا فرش پر
آسمانوں سے زمیں کو ارمغاں درکار تھا

راجا رشید محمود

یاد نبی ہے آپ اثر کی تلاش میں
ہیں ہونٹ اذن عرض ہنر کی تلاش میں
طیبہ کی سمت کو ہیں رواں شب گزیدگاں
یہ قافلہ ہے نور سحر کی تلاش میں
پہنچوگے خاک راہ گزار رسول تک
نکلو گے تم جو کحل بصر کی تلاش میں

مظفر وارثی

•

کہی ہے نعت نئی روح کی نمو کے لیے
لہو میں ڈوب گیا ہے قلم وضو کے لیے

ہر ایک سانس محمدؐ کے نام پر نکلا
خیال ذہن سے احرام باندھ کر نکلا

نظر نے آپ کے جلووں کا جب طواف کیا
خدا نے مجھ سے گناہگار کو معاف کیا

محسن احسان

جس کو سورج نے بھی دیکھا تو بہت شرمایا
افق مشرق آدم پہ وہ خورشید آیا
میری جھولی میں ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں
فخر سے پھر بھی حضورؐ شہ یثرب آیا

انور صابری

جدھر اُٹھ گئے پائے سرکار والا کلیجے سے ظلمت کے ابھرا اجالا
جوار نقوش قدم تک جو پہنچے وہ ذرے مثال سحر گنگنائے
مدینے کی جانب تمنا ہے انور چلوں اس ادا سے بانداز مستی
صحابہ کے دور محبت کا خاکہ مرا رہبر آرزو بنتا جائے

مولانا مفتی محمد شفیع

پھر پیش نظر گنبد خضریٰ ہے حرم ہے
پھر نام خدا روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر شکر خدا سامنے محراب نبی ہے
پھر سر ہے مرا اور ترا نقش قدم ہے
دل نعت رسول عربی کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیر کا زباں ہے نہ قلم ہے

مولانا کوثر نیازی

نظارۂ فردوس کی یارب نہیں فرصت
اس وقت مدینے کی فضا پیش نظر ہے
یہ راہ کے کنکر ہیں کہ بکھرے ہوئے تارے
یہ کاہکشاں ہے کہ تری گرد سفر ہے
اس شہر کے ذرّے ہیں مہ و مہر سے بڑھ کر
جس شہر میں اللہ کے محبوب کا گزر ہے

جمیل الدین عالی

سنا سکا نہ اب تک خدا کے گھر میں بھی
یہی تمام کہانی سنانے آیا ہوں
میں اپنے دل کی سیاہی مٹا کے جاؤں گا
میں اپنے دل کی سیاہی مٹانے آیا ہوں

شاہد خواجہ

دونوں عالم ہیں دل و جاں سے فدائے مصطفیٰؐ
کتنی دلکش کتنی دلبر ہے ادائے مصطفیٰؐ
بے نیاز قصر و ایواں دشمن جاہ و حشم
فخر شاہاں رشک سلطان ہے گدائے مصطفیٰؐ

تسکین قریشی

حریم مصطفیٰؐ کا گوشہ گوشہ
جمال معرفت کا ہے خزینہ
در اقدس پہ دیکھے سر جھکا کر
یہی عرش معلیٰ کا ہے زینہ

شفیق کوٹی

زمیں پہ کیوں نہ جھکے آسماں مدینے میں
ہیں محو خواب شہ دو جہاں مدینے میں
سر نیاز کے سجدوں کو کیا کروں یارب
جبین شوق یہاں آستاں مدینے میں

صبا متھراوی

زباں جبریل کی دے دے تو پورا ہو سخن میرا
کہ بہر نعت یارب کھل رہا ہے اب دہن میرا

یہ کس مہکے ہوئے رنگین گل کا تذکرہ نکلا
کہ عطر و مشک و عنبر سے بھرا گنج دہن میرا
چراغ قسمت عالم ہے روشن جس کے جلووں سے
وہی نقش کف پا ہے چراغ انجمن میرا

منور بدایونی

نعت محبوب داورستد ہوگئی
فرد عصیاں مری مسترد ہوگئی
عرش تک تو خیالوں نے سمجھا انھیں
ختم آگے تخیل کی حد ہوگئی

آغا شورش کاشمیری

قلم سے پھول کھلیں نطق درخشاں ٹھہرے
وہاں چلا ہوں جہاں گردش زماں ٹھہرے
وہ آستاں کہ ارادت ہے مہر و ماہ جھکیں
وہ خاک پاک کہ ہر ذرّہ کہکشاں ٹھہرے
جنون عشق اسی آستاں پہ لے آیا
جبین شوق جہاں سنگ آستاں ٹھہرے
ازل کے دن سے مشیت کی مصلحت تھی یہی
کہ خاک طیبہ محمدؐ کا آستاں ٹھہرے
غرض کہ اس در مشکل کشا تک آ پہنچے
وہ ایک در کہ جہاں دور آسماں ٹھہرے

حکیم محمد نبی خاں جمال سویدا

غنچۂ دل کے لیے وجہ نمو
تیرے کوچے کی ہوائے مشک بو

تیری خاک پا مری آنکھوں کا نور
تیری آنکھوں کی حیا میرا وضو

آغا صادق

غرض ہے کہ ترے نقش قدم تک آ پہنچیں
اسی لیے ہے دو عالم کی جادہ پیمائی
طواف در سے ترے ہوسکی نہ سیر نظر
یہ بے قرار گئی اور بے قرار آئی
صبا کے دم سے یہ معراج دیکھنا میری
مرا غبار ترے آستاں پہ لے آئی

راغبؔ مراد آبادی

عشق ہے سرور کونین کا دولت میری
للہ الحمد کہ بیدار ہے قسمت میری
آستان شہ لولاک ہو فردوس نظر
ہے یہی میری تمنا یہی نیت میری
نعت گوئی کی حدیں مجھ کو ہیں راغبؔ معلوم
کہ نگاہوں میں ہیں احکام شریعت میری

اعظمؔ چشتی

کتنا بڑا ہے مجھ پہ یہ احسان مصطفیٰ
کہتے ہیں لوگ مجھ کو ثناخوان مصطفیٰ
بخشش نثار ہونے کو آئی ہزار بار
دیکھا جو مجھ پر سایۂ دامان مصطفیٰ
جبریل سے مجھے بھی ہے نسبت قریب کی
وہ بھی ہے اور میں بھی ہوں دربان مصطفیٰ

اعجاز رحمانی

مدحت کا ہے انداز کہ معراج تخیل
عرفان پیمبرؐ دل حسان ہے پوچھو
کس شان کا ہو احمد مرسل کا قصیدہ
اعجاز یہ اللہ کے دیوان سے پوچھو

ڈاکٹر سیّد انعام احسن فقیر

کس حسن سے داماں تصور میں بسا ہے بستان مدینہ
فردوس کی خوشبو نے مجھے مست کیا قربان مدینہ
ہر مدح کو ہے شکوۂ کوتاہی دامن ہر فکر کو اُلجھن
مداح کا الفاظ نے کب ساتھ دیا ہے شایان مدینہ

قمر میرٹھی

جہاں ہیں ختم حدیں حسن آدمیت کی
جمال دہر کی وہ قدر ارتقا تم ہو
تمارا نقش قدم جب سے ہاتھ آیا ہے
جبین سجدہ میں تابانئ صفا تم ہو

جبریل صدیقی

جو میری ہستی کا ماحصل ہے عقیدتوں میں جھلک رہا ہے
تصور چہرۂ نبی سے نگاہ میں دل دھڑک رہا ہے
زمانہ بدلا کیا ہمیشہ مقام جبریل کیوں نہ بدلے
وہ اب مدینے کے باب تک ہے جو سلسلہ عرش تک رہا ہے

یکتا امروہوی

خدائی میں کیا تھا محمد سے پہلے
خدا ہی خدا تھا محمد سے پہلے

خدا کے بھی گھر کی خبر ہے بتاؤ
کہ کعبہ میں کیا تھا محمد سے پہلے

عبرت صدیقی بریلوی

خود اپنے دامن میں بڑھ کے لے گی گناہگاروں کو شان رحمت
ندامتوں کے ڈھلیں تو آنسو یہ پیش حق چشم تر سے پہلے
نہ جانے کیا شے لیے ہوئے ہے زمین طیبہ کا ذرّہ ذرّہ
کہ دل نے اب کیے ہیں سجدے قدم قدم پر نظر سے پہلے

ذاکر علی خاں ذاکر

زہے نصیب مدینہ مقام ہو جائے
تو صبح صبح مری شام شام ہو جائے
جبیں سے اپنی ترے نقش پا کر ڈھونڈوں گا
کہ ایک سجدے میں نقش تمام ہو جائے

احسان پیرزادہ

ہم آرہے ہیں گلشن بے خار دیکھ کر
یعنی دیار احمد مختار دیکھ کر
اہل وفا کے واسطے محراب کعبہ ہے
جھکتے ہیں تیرے ابروئے خمدار دیکھ کر

ادا جعفری بدایونی

یہ حسن نوازش یہ یہ اوج سعادت
یہ دل اور مجال سلام عقیدت
یہ سر اور دہلیز سرکار عالم
یہ جاں اور جمال حریم محبت

سعیدہ عروج

کس نے کھولی ہے زباں کون ہوا دل کے قریں
کیسی آواز ہے کیوں بھیگ رہی ہے یہ جبیں
کس کی آمد ہے کہ خوشبو کی لپٹ آتی ہے
جسم میں روح کے گلزار کو چٹکاتی ہے
سنسناہٹ سی ہے دل جھوم رہا ہو جیسے
نام جو لب پہ ہے دل چوم رہا ہو جیسے

سیّدہ مسرت جہاں نوری

مرے ذہن و نطق حیراں کہ کہوں تو کیا کہوں میں
کروں کیسے مدح اس کی جو خدا کو بھی ہے پیارا
ہو قبول نعت میری مجھے اذن حاضری ہو
در قدس کے ہوں جلوے یہ نظر ہو اور نظارا

انوار امروہوی

اک بندۂ عاصی پہ یہ مولا کا کرم تھا
آنکھوں نے کیے جنت طیبہ کے نظارے
اک نور کا مرکز ہے وہی گنبد خضریٰ
سوتے ہیں جہاں چین سے محبوب ہمارے

فاطمہ فاروقی تبسم

در پہ ان کے شان محبوبی نظر آتی ہے
دیکھتی ہوں آستانے پر ہجوم قدسیاں
فرش سے تا بہ فلک بکھرا ہے جلوۂ آپ کا
ذرے ذرے سے ملا کرتا ہے عظمت کا نشاں

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ

اج سک متراں دی ودھیری اے
کیوں جندڑی اُداس گھنیری اے
لوں لوں وچ شوق چنگیری اے
اج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
اس صورت نوں میں جان آکھاں
جان آکھاں کہ جان جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان تو سب شاناں ودھیاں
سبحان اللہ ما اجملك ما احسنك ما اكملك
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

ہری چند اختر

کس نے ذرّوں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

ضیاء القادری بدایونی

رونق بزم جو سرکاری نظر آئے
ہر طرف عرش کے انوار نظر آئے
دشت فاراں سے دوانے تیرے جائیں کہاں
سامنے خلد کے گلزار نظر آئے
نگہ شوق کو ہوجاتی ہے معراج نصیب
جب ترے روضے کے مینار نظر آئے

اعزاز احمد آذر

میں تری مدح لکھوں بھی تو کس طرح لکھوں
کہ میں حقیر سا شاعر تو انتہائے خیال
یہ مری فطرت ثانی وہ ترا لطف و کرم
میں ہر قدم پہ گروں تو ہر قدم پہ سنبھال

حافظ لدھیانوی

حسرت دل و نگاہ کو طیبہ نگر کی ہے
کچھ کیفیت عجیب مری چشم تر کی ہے
شہر نبیؐ سے کوئی حسیں تر نہیں مقام
یہ فیصلہ ہے دل کا گواہی نظر کی ہے
باب و در حرم پہ اک نور کا غلاف
رعنائی جمیل عجب بام و در کی ہے

☆

ہر ذرّہ نقش پائے نبیؐ کا ہے دل نشیں
ہے اہل دل کو عرش سے بڑھ کر یہ سرزمیں
باد صبا ہے دامن شفقت لیے ہوئے
ہر ایک دل ہے مہر و مروت لیے ہوئے

عارف عبدالمتین

ترے سوا نہ کسی کی رہے طلب مجھ کو
یہی ہے ایک طلب اے حبیب رب مجھ کو
ترے خیال کا مہتاب میرے ساتھ رہا
ڈرا سکی نہ کبھی زندگی کی شب مجھ کو
میں تیری دید کی حسرت سے اضطراب میں ہوں
ملے گا اذن حضوری نہ جانے کب مجھ کو

میں کیسے نعت کہوں کس طرح سناؤں تجھے
کہ روکتا ہے برابر ترا ادب مجھ کو

منظور حسین منظور

وہ رشک سر طور مدینے کی فضا ہے
پیوستہ جہاں نور خدا جلوہ نما ہے
ہے گنبد خضریٰ کا اسے قرب جو حاصل
سو جاں سے فدا اس پہ ہر اک چھوٹا بڑا ہے
یہ ارض مقدس ہے زیارت گہ عالم
کعبے سے کشش اس کی ہر اک دل میں سوا ہے

مسرور کیفی

نعت نبی میں حد ادب کا رہے خیال
سوئے ادب کا اس میں بڑا احتمال ہے
جھکنے کو بے قرار جہاں ہر بشر ملے
اپنی وہاں میں آنکھ اُٹھاؤں محال ہے
شایان شان کوئی کہے نعت آپ کی
کس میں یہ حوصلہ ہے یہ کس کی مجال ہے

سیماب اکبر آبادی

وہ کامل و اکمل ایک انساں وہ خاتم منصب نبوت
وہ آخری قائد و مقنن نظام عالم کی رہبری کا
وہ تکیہ برخاک و مالک صد جہان توقیر جس کے در سے
اماں کی بھیک مانگتا ہے شکوہ اقبال قیصری کا
کہاں وہ سیماب نور مطلق کہاں یہ محدود فکر ناقص
ہے اعتراف ان حدود میں مجھ کو اپنے عجز سخنوری کا

ہلال جعفری

یہ عظمت غبار دیار رسول ہے
جبریل کے پروں پہ مدینے کی دھول ہے
ہم عافیت میں ہیں شہ گردوں پناہ کی
مٹ جائیں ہم یہ گردش دوراں کی بھول ہے
لوح و قلم یہ بزم کواکب یہ کہکشاں
نور خدا یہ سب ترے قدموں کی دھول ہے

☆

نظر والوں نے دیکھا ہے نظر والوں کا ایماں ہے
کہ صحرائے عرب کا خار بھی جان گلستاں ہے

قیوم نظر

یہی آرزو ہے مدینے چلوں میں
دیار نبی کی زیارت کروں میں
چنوں اپنی پلکوں سے خاک اس زمیں کی
جسے اپنی آنکھوں کا سرمہ کہوں میں
ملیں جا بہ جا نور وحدت کی کرنیں
جدھر سے بھی گزریں مؤدب رہوں میں

ستار وارثی

بلغ العلی بکمالہ تو عروج حسن کمال ہے
تیری رفعتوں کی نہ حد کوئی نہ بلندیوں کی مثال ہے
وہی آستان رسول ہے جہاں رحمتوں کا نزول ہے
جہاں قدسی محو سجود ہیں جہاں کعبہ محو جمال ہے

اثر صہبائی

جو نام پہ تیرے مرگیا ہے
دنیا میں وہی نام کر گیا ہے
فردوس بکف ہوئیں وہ راہیں
جن راہوں سے تو گزر گیا ہے

شیر افضل جعفری

تیری سرکار بڑی ہے مولا
تو تو رحمت کی جھڑی ہے مولا
تیرے کوچے کے حسیں ذرّوں کی
آنکھ تاروں سے لڑی ہے مولا
یہ بتا عرش بریں کی رفعت
کیوں ترے پاؤں پڑی ہے مولا
صحن دانش میں تری عظمت کی
آج تک لاٹھ گڑی ہے مولا

اقبال صفی پوری

آپ نے جس طرف بھی بڑھائے قدم
کہکشاں گرد راہ سفر ہوگئی
کس بلندی پہ اقبال پہنچیں گے ہم
ان کے در تک رسائی اگر ہوگئی

ساغر صدیقی

کہکشاں ہے تیرے رہوار مقدس کا غبار
تیرے نقش پا ہیں فردوس بریں کے لالہ زار

دو جہانوں کے مقدر پر ہے تیرا اختیار
خالق کون و مکاں کے رُو بہ رُو تیرا قیام
اے غریبوں اور ناداروں کے رکھوالے سلام

شہزاد احمد

آنکھوں میں نور دل میں بصیرت ہے آپ سے
میں خود تو کچھ نہیں مری قیمت ہے آپ سے
ہے آپؐ کا کرم یہ مری خواہش نمو
گو خاک ہوں مگر مجھے نسبت ہے آپ سے
تسخیر کائنات مرا منتہا نہیں
مجھ کو تو صرف آپ کی حاجت ہے آپ سے

صابر براری

زباں سے اس طرح کچھ نعت شاہ بحر و بر نکلی
کہ خود لینے بلائیں رحمت حق دوڑ کر نکلی
میں سمجھوں گا مجھے معراج ہستی ہوگئی حاصل
یہ جاں صابرؔ در سرکارؐ اقدس پر اگر نکلی

یوسف ظفر

تری شان کیسے کروں بیاں
کہ زبان و حرف ہیں بے زباں
یہ کرم کہ تو ہے درون دل
یہ شرف کہ تو ہے رہین جاں
کہ پہنچ سکے ترے حسن تک
نہ گمان ہی نہ خیال ہی
بلغ العلی بکمالہ

معراج وارثی

اے مے کشو! اگر مۓ حب رسول سے
لبریز دل کا جام نہیں ہے تو کچھ نہیں
نام رسول پاک زباں پر ہزار ہو
دل سے جو احترام نہیں ہے تو کچھ نہیں

احمد ندیم قاسمی

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا
دستگیری مری تنہائی کی تو نے ہی تو کی
میں تو مرجاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا
پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا
لوگ کہتے ہیں کہ سایا ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایا تیرا

اصغر گونڈوی

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہوگیا محدود
چلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہل شریعت جبیں کو اذن سجود

عبدالعزیز خالد

غلام محمد کا رتبہ بڑا ہے
ہر اورنگزیب اس کے در کا گدا ہے
یہ گرد و غبار گزرگاہ یثرب
یہ کحل جواہر ہے خاک شفا ہے

کسے حوصلہ اس کے وصف و ثنا ہے
یہ فخر رسل ہے حبیب خدا ہے

سیّد ضمیر جعفری

وہ اک عظمت کہ مظلوموں کے چہروں پر دمک اُٹھی
وہ اک بندہ کہ سلطانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا
مشیت حسن کی تکمیل فرماتی ہوئی اُبھری
تصور آخری تصویر بن جاتا ہوا آیا
ترے در کے سوا آسودگیٔ دل کہاں ملتی
زمانہ تیرے در پر ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

سیّد علی اکبر سلیم

آنکھوں میں اشک ہونٹوں پہ آہیں رُکی ہوئیں
ذہنوں میں اضطراب نگاہیں جھکی ہوئیں
ناشاد و نامراد ناآسودہ خستہ تن
احساس معصیت سے سلگتے ہوئے بدن
کوتاہیوں پہ اپنی پشیمان و شرم سار
مضطر ملول بے کس و بے تاب و بے قرار
دل میں امید و یاس کی اک کش مکش بہم
رُسوائیوں کے خوف سے رکتے ہوئے قدم
سہمے ہوئے لرزتے ہوئے اور ڈرے ہوئے
بار گناہ اپنے سروں پر دھرے ہوئے
مجرم کھڑے ہیں والیٔ بطحا کے سامنے
محشر بپا ہے گنبد خضریٰ کے سامنے

عابد نظامی

اللہ اکبر اس شہ عالی کی بارگاہ
آتے ہیں آسماں سے فرشتے بصد ادب
اس بات پر ہے آج بھی فخر آسمان کو
گزرتے تھے ایک رات ادھر سے حبیب رب
لازم ہے احتیاط یہاں بات بات میں
عابد یہ بارگاہ نبیؐ ہے ادب ادب

راسخ عرفانی

چاندنی رات میں طیبہ کی مسافت کا سماں
خاک بھی پاؤں میں بچھتی ہے صبا کی صورت
اے شہ خلد کی گلیوں کے غبار اطہر
ڈھانپ لے حشر کے دن مجھ کو ردا کی صورت
میں نے جاروب کشی پائی ہے اس کے در کی
جس کے کوچے کی سلاطیں بھی گدائی مانگیں
--- ہے دید مدینہ سے منور ہوگئیں آنکھیں
وضو اشکوں سے کرکے شکر کا سجدہ ادا کیجیے

انور جمال

مرا شعور گنگ میری سوچ میں خلل
مضمون میری فکر کا وہ نور لم یزل
اے ربّ حرف و صوت میری مشکلوں کا حل
کوئی قیصدہ کوئی رُباعی کوئی غزل
ایسا بیاں جو لائق شان رسول ہو
جو بارگاہ مصطفویؐ میں قبول ہو

محمد امین نقوی

محمدؐ کے دوارے کا سہارا
دوعالم کے لیے کوہ کرم ہے
ہے دولہا لامکاں کا ہر مکاں کا
حرم کے واسطے دارالحرم ہے

اقبال صلاح الدین

دیکھنا ہو تو نبیؐ کا شہر جاکر دیکھئے
گنبد خضریٰ کو لیکن سر جھکا کر دیکھئے
اے زمانے بھر کے مجبورو، غریبو، بے کسو
دامن مولائے کل میں سر چھپا کر دیکھئے
دے اگر توفیق اللہ تو کہو نعت نبیؐ
یہ فریضہ ہے سلیقے سے ادا کر دیکھئے

غلام زبیر نازش

ملے جو نقش پائے سرور عالم
کریں یہ فخر کہ پایا ہے گوہر نایاب
درود درد زباں ہو نگاہ نیچی ہو
در حضورؐ پہ جانے کے ہیں یہی آداب

صاحبزادہ سیّد فیض الحسن

تیرے وقار پر فدا رُعب و جلال موسوی
تیرے جمال پر نثار جلوۂ حسن یوسفی
نکہت زلف سے تری مست ہوا ہے پھول پھول
کیف جمال سے ترے جھوم اُٹھی کلی کلی

حاصل زندگی ہے بس حلقۂ بندگی مرا
اس کے سوا نہیں کوئی میری متاع اُخروی
تاب سفر نہیں ہے اب منزل شوق دُور ہے
منتظر کرم ہے اب فیض کی پا شکستگی

ساقی گجراتی

نہ شہر گل میں نہ فردوس کے دیار میں ہے
بہار دل جو مدینے کے مرغزار میں ہے
سرور زیست میسر ہو کیوں نہ زائر کو
مرے حضورؐ کی خوش بو حرا کے غار میں ہے

عبدالغنی سالک

فرشتوں کے جہاں ہوش و خرد پہنچیں تو جل جائیں
بھلا کیسے وہاں تک ہو رسائی عقل انساں کی
نہ جانے کیسا عالم ہوگا گلشن کی فضاؤں کا
فضائیں رشک گلشن ہیں مدینے کے بیاباں کی

مولانا محمد محبوب علی خاں

خار خار حرم طیبہ ہیں طوبیٰ مجھ کو
کیسا گلزار ارم روضۂ رضواں کس کا
کیوں نہ گلشن مری خوش بوئے دہن سے مہکے
باغ عالم میں میں بلبل ہوئی ثنا خواں کس کا

مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی

بنا عرش بریں مسند کف پائے محمد کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

دو عالم صدقہ پاتے ہیں مری سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا
طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعت شہ والا
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا

سعادت حسین وارثی شیدا

سجدہ کو اے نظر تجھ کو لازم ہے یہ
میرے آقا کا عالی مقام آگیا
سر کے بل چلنا لازم ہے جس راہ میں
زائر اب وہ ادب کا مقام آگیا
آپ کے نقش پا کی چمک دیکھ کر
روشنی لینے ماہ تمام آگیا

فیاض احمد کاوش

میں کہاں اور کہاں کوچۂ مصطفیٰؐ
دیکھئے مرا عزم سفر دیکھئے
ان کی چوکھٹ کہاں اور مرا سر کہاں
یہ بھی ہے ان کا فیض نظر دیکھئے

عزیز حاصل پوری

کھلا ہے باب شفاعت چلو گنہگارو
پکارتے ہیں خدا کے نبی مدینے سے
بڑھاؤ ہاتھ مرے غم کے آنسوؤ تم بھی
ستارے لیتے ہیں سب روشنی مدینے سے
مجھے عزیزؔ مدینے خدا جو لے جائے
تو پھر نہ لوٹ کے آؤں کبھی مدینے سے

عاصی کرنالی

کوئی سخن ترے شایاں نہیں ملا مجھ کو
ازل سے دیکھ رہی ہے تری ثنا مجھ کو
ثنائے خواجہ میں دیکھیں گے جب مرا اسلوب
تو کیا کہیں گے ملائک اور انبیا مجھ کو
وہ جس نے لکھی ہیں قرآں میں مدحتیں تیری
لرز رہا ہوں کہ سنتا ہے وہ خدا مجھ کو

محشر رسول نگری

اے دوست ہے ادب گہ جبریلؑ کا مقام
ہوش و خرد کے ہاتھ میں لے عشق کی زمام
دل سے درود پڑھ تو نگاہوں سے کر سلام
آرام کر رہے ہیں یہاں سیّد الانام
اس در پہ دم بہ خود ہیں خطیب و حکیم بھی
الفاظ ڈھونڈتے ہیں مسیح و کلیم بھی

خواجہ غلام فخر الدین سیالوی

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے در یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی، عمر کا سرمایہ گیا

خالد شفیق

اگرچہ خالی ہیں ہاتھ اپنے عمل نہیں کوئی ساتھ اپنے
سجا کے پلکوں پہ آنسوؤں کے نگینے چلئے مدینے چلئے

وہیں پہ دل کو سکوں ملے گا علاج سوز دروں ملے گا
کرم کے دریا بہادیے ہیں سخی نے چلئے مدینے چلئے
شعور کو تازگی ملے گی قلوب کی تشنگی مٹے گی
مئے حقیقت کے جام بھر بھر کے پینے چلئے مدینے چلئے

حامد حسن حامد

دو جہاں میں کوئی مثال ہی نہیں ان کے عالی مقام کی
ہے بلند عرش خیال سے بھی یہاں مقام حضور کا
مرے دل میں شمع سی جل گئی مرے لب پہ پھول سے کھل گئے
کبھی میں نے ہو کے جو باوضو لیا پاک نام حضور کا

امین راحت چغتائی

دے ہنر کی بھیک ہنر ورا کہ جمال فن مراکم نہ ہو
میں تو آنسوؤں سے وضو کروں تری نعت پھر بھی رقم نہ ہو
مری فکر کے سبھی زاویوں کو لباس لفظ الست دے
جو تری ثنا نہ لکھے سدا مرے ہاتھ میں وہ قلم نہ ہو
میں تری گلی میں پہنچ کے بھی نہ قدم اٹھاؤں میں کیا کروں
یہی سوچتا ہوں دم بہ دم یہاں تیرا نقش قدم نہ ہو

خورشید رضوی

شان ان کی سوچئے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہوجائیے
اے زہے قسمت اگر دشت جہاں میں آپ کے
نقش پا پہ چلتے چلتے نقش پا ہوجائیے

علیم ناصری

نعت منشائے الٰہی نعت نطق جبریل
نعت ہے حکمت کی برہاں نعت عرفاں کی دلیل

نعت جذب جاودانی نعت کیف سرمدی
نعت ہے مینائے کوثر نعت موج سلسبیل
چشم گردوں نے کبھی دیکھا نہیں ایسا حسیں
وسعت کون و مکاں میں کون ہے اس کا مثیل

سیّد عاصم گیلانی

ان سے نسبت ہو تو پھر کیوں نہ کرے ناز کوئی
اس سے بڑھ کر نہیں کونین میں اعزاز کوئی
اس کے قدموں میں لپٹ جاتی ہے منزل آکر
آپ کے نام سے کرتا ہے جو آغاز کوئی

جعفر بلوچ

زہے قسمت مجھے ہے آپ سے نسبت غلامی کی
ادا میں حق نسبت کاش کرسکتا مرے آقا
نہیں ممکن کہ ایسا ہو مگر میری تمنا ہے
کروں نعت آپ کے شایان شان انشا مرے آقا

انجم رومانی

مایوس التفات نہ ہو اضطراب میں
یہ سوئے ظن ہے رحمت عالم کے باب میں
پوشیدہ ہے رضائے نبی میں رضائے حق
راہ خدا ہے راہ رسالت مآب میں

حافظ محمد افضل فقیر

عشاق یہاں سانس بھی لیتے ہیں ادب سے
اس جذبۂ طاعت کو خدا دیکھ رہا ہے
آنکھیں ہیں تقاضائے عقیدت سے خمیدہ
دل گنبد خضریٰ کی فضا دیکھ رہا ہے

مجبوب خدا اس کی طرف دیکھ رہے ہیں
اک زائر دربار یہ کیا دیکھ رہا ہے

غلام مصطفیٰ قمر

دارین کی عظمت ہے صلہ تیری ثنا کا
اک تیری محبت ہی شہا حاصل دیں ہے
ہر دور میں پرکھا ہے تجھے اہل خرد نے
ہر بار جھکی در پہ ترے ان کی جبیں ہے

ناظم بزمی

در پاک پر ہوں حاضر ہے یہی مرا ٹھکانہ
کہ انھیں سے ہے عبارت مرے عشق کا فسانہ
ترے سنگ آستاں سے نہ جبیں مری اٹھے گی
مرے دل کا مستقر ہے ترا سنگ آستانہ

اثر لدھیانوی

خاک طیبہ پہ بکھرنے کے لیے ہیں مضطر
میرے ارمانوں کے بے نام دفینے کتنے
اہل دل آتے ہیں اس رنگ میں بھی ان کے حضور
ٹانک کر پلکوں کی جھالر پہ نگینے کتنے

راز کاشمیری

ربّ کعبہ کی عطاؤں کے سہارے لکھتا
نعت سرکار کی زم زم کے کنارے لکھتا
کہکشاں کو تو غبار رہ اسریٰ لکھتا
آپ کی راہ کے ذروں کو ستارے لکھتا

راشد بزمی

گزر ہو جائے میرا بھی اگر طیبہ کی گلیوں میں
تو ساری زندگی کر دوں بسر طیبہ کی گلیوں میں
وہاں کی شام بھی صبح درخشاں کا نمونہ ہے
نظر آتا ہے ہر ذرّہ قمر طیبہ کی گلیوں میں

محمد اقبال نجمی

اس کے آگے جنت کیا ہے
جس نے دیکھا شہر مدینہ
کعبۂ دل ہیں کعبۂ جاں ہیں
رحمت کا بھی آپ خزینہ

ریاض حسین چودھری

مضافات مدینہ کے میں سب آثار کو چوموں
نگاہوں سے کروں سجدے در و دیوار کو چوموں
لپٹ جاتے ہیں جو ہر زائر طیبہ کے قدموں سے
میں ان ذرّوں کو ان رستوں کو ان اشجار کو چوموں
ہوا مٹھی میں بھر لاتی ہے کنکر ان کی چوکھٹ کے
زر خاص دیار احمدؐ مختار کو چوموں
کہاں فرصت میسر ہے مجھے پلکیں جھپکنے کی
حریم چشم تر میں جھومتے انوار کو چوموں

محمد اکرم رضا

ذرّات خاک بن گئے صد رشک کہکشاں
کتنا حسین میرے نبی کا دیار ہے

پلکوں سے چل اے راہ نورد رہ یقیں
محبوب ربّ پاک کا یہ رہ گزار ہے
خوش بو سمجھ کے تم اسے دل میں سمیٹ لو
اے زائر یہ شہر نبیؐ کا غبار ہے

☆

زباں پر جب بھی اسم سرور لولاک آتا ہے
سلامی کو فرشتے آسمانوں سے اترتے ہیں
یہاں پلکوں سے دیتے ہیں در سرکار پر دستک
جنید و بایزید آتے ہوئے اس جا لرزتے ہیں

☆

لرزاں ہیں اس جگہ پہ جنید اور بایزید
اے منزل ادب کے مسافر سنبھل کے آ
لے پاؤں سے نہ کام کہ سوئے ادب نہ ہو
یہ قریۂ رسولؐ ہے پلکوں سے چل کے آ

ذوقی مظفر نگری

گنبد خضریٰ پہ جب پلکوں سے دی ہیں دستکیں
دیدۂ ساقی پہ عرفاں کے دریچے کھل گئے

صحرائی گورداس پوری

قرآن پڑھ رہا ہوں کیا چشم آگہی سے
دیدار کر رہا ہوں سلطان انبیا کا
صحرائیؔ مدح کیا ہے مخلوق کے لبوں پر
خالق بھی ہے ثنا خواں مختار دو سرا کا

حسرت حسین حسرت

نظروں کے دائرے میں ہو طیبہ کا رنگ و بو
بس کوئی مدعا نہیں اس مدعا کے بعد
حسرت میں جاؤں ارض مدینہ سے اب کہاں
کیا چاہیے مجھے اب اس آب و ہوا کے بعد

قمر یزدانی

جس کا خیال اصل میں روح نماز ہے
خم اس کے در پہ میری جبین نیاز ہے
اس درگہ بلند کی عظمت ہو کیا بیاں
محمود بھی جہاں پہ مثال ایاز ہے

ناصر زیدی

یہ کائنات شمس و قمر آپ ہی سے ہے
تابندگیٔ شام و سحر آپ ہی سے ہے
دل میں ہیں آپ اس لیے تھکتے نہیں قدم
یہ تازگی، یہ عزم سفر آپ ہی سے ہے

سیّد صبیح رحمانیؔ

حضور ایسا کوئی اہتمام ہوجائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہوجائے
میں صرف دیکھ لوں اک بار صبح طیبہ کو
بلا سے پھر مری زندگی تمام ہوجائے
تجلیات سے بھرلوں میں اپنا کاسۂ جاں
کبھی جو ان کی گلی میں قیام ہوجائے

حضور آپ جو سن لیں تو بات بن جائے
حضور آپ جو کہہ دیں تو کام ہوجائے
حضور آپ جو چاہیں تو کچھ نہیں مشکل
سمٹ کے فاصلہ یہ چند گام ہوجائے
مزا تو جب ہے فرشتے یہ قبر میں کہہ دیں
صبیح مدحت خیر الانام ہوجائے

سرشار صدیقی

مرے ضمیر میں اک آنچ کی کسر ہے ابھی
بس اب جو پہنچوں تو کیمیا ہوجاؤں
ہجوم کر مرے رستے میں اپنے جلووں کا
کہ میں اکیلے چلوں اور قافلہ ہوجاؤں
میں ان کی مجلس عرفاں کا حاشیہ بردار
فقیر جلوہ بنوں دید کا صحرا ہوجاؤں

سحر انصاری

نہ کھو جائیں کہیں ہم ساعت دیدار سے پہلے
لپٹ جائیں مدینے کے درو دیوار سے پہلے
ادب سے چوم لیں آنکھیں ذرا جالی کے منظر کو
یہ آنسو گفتگو کرلیں مری سرکار سے پہلے

ریاض احمد قادری

قصۂ درد وہاں پر جو سنائیں آنسو
ہم سمندر کی طرح در پہ بہائیں آنسو
کس طرح دل اسے کہہ دیں جو نہ تڑپے غم میں
کیا وہ آنکھیں ہیں وہاں جو نہ بہائیں آنسو

ان کا رشتہ ہے دل و جان میں ایسے یارو
یاد محبوب کے آنے ہی سے آئیں آنسو

عزیز الدین خاکیؔ القادری

اپنی جبین جو ان کے در پہ جھکا رہے ہیں
سرکار دو جہاں سے انعام پا رہے ہیں
اے کاش ہو میسر مجھ کو بھی وہ نظارا
قدسی جہاں پہ لاکھوں آ آ کے جا رہے ہیں
طیبہ کی حاضری کا مجھ کو شرف ملا ہے
دیدار مصطفیٰ کی دولت کو پا رہے ہیں

سیّد محمد ابوالخیر کشفیؔ

فضا میں ان کے ہونٹوں کی صدا ہے
مدینے کی سحر ہے اور میں ہوں
حرا سے سبز گنبد تک مسلسل
سفر اندر سفر ہے اور میں ہوں
در دل پر صدائے اسم احمد
مرا دامان تر ہے اور میں ہوں
سکوت و صوت کی منزل سے آگے
تقاضائے دگر ہے اور میں ہوں

حنیف اسعدیؔ

خاموش کھڑا ہوں سر روضۂ اقدس
نظروں میں ندامت ہے جبیں شرم سے نم ہے
کعبہ ہی نہیں بیت مقدس سے فزوں تر
سرکار کی نسبت سے مدینہ بھی حرم ہے

منصور ملتانی

پل بھر میں دل نے چین نہ لینے دیا کہیں
چوکھٹ پہ ان کی آکے ہوئی بے کلی تمام
آؤ اٹھاؤ ہاتھ کرو مل کے یہ دعا
ہوکاش ان کے در پہ مری زندگی تمام
منصور جس میں بیش ہو اخلاق کی مہک
ہوتی ہے بس قبول وہی حاضری تمام

قمر زیدی

تخیل جب عقیدت کی حد آخر تک آجائے
تو پھر پیش نظر لفظوں کی آرائش نہیں ہوتی
اسی اک لفظ میں زیدی مکمل نعت پنہاں ہے
''محمدؐ'' کہہ کے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہوتی

آفتاب کریمی

خدا دکھائے یہ منظر نبی کی مسجد میں
ہو اعتکاف میسر نبی کی مسجد میں
خدا کرے کہ وہ سجدہ ہو آخری سجدہ
جھکے تو پھر نہ اُٹھے سر نبی کی مسجد میں
قدم قدم پہ درود و سلام لازم ہے
عمل یہ ہو نہ مؤخر نبی کی مسجد میں
ہے چہرہ چہرہ کریمی سوال اس در پر
ہے آنکھ آنکھ سمندر نبی کی مسجد میں

رشید وارثی

مدحت شاہ مدینہ میں کھلی ہیں آنکھیں
ترجماں دل کی ہمیش سے رہی ہیں آنکھیں

کس پتھر کی تراشیدہ نظر آتی ہیں
اس طرح گنبد خضرا پہ جمی ہیں آنکھیں
نام سرکار پہ آنسو امنڈ آتے ہیں رشیدؔ
اپنے اجداد کی آنکھوں پہ گئی ہیں آنکھیں

عزیز احسن

نہ تو لوح کا تھا گماں کوئی نہ قلم دوات کا سلسلہ
ترے نور کا یہ طفیل ہے کہ چلا حیات کا سلسلہ
ترے در کو دیکھ کہ اب نہیں کوئی آرزو مگر ایک ہے
کہ درود پاک پہ ختم ہو مری بات بات کا سلسلہ
شہ دو سرا نگہ کرم مجھے پھر ستانے لگے الم
مجھے پھر ڈرانے لگا ہے اب نئی مشکلات کا سلسلہ

جہاں تک احترام بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے اہل ایمان کے عشق و عقیدت اور احترام کا تعلق ہے تو یہ اس لیے ہے کہ یہ احترام و ادب میں حصول خوشنودیٔ خدا و مصطفیٰ ﷺ کا ذریعہ ہے۔ کن کن شعرائے کرام کا ذکر کیا جائے۔ کن کن مدحت نگاروں کی شعری نگارشات کے نمونے پیش کیے جائیں۔ کن کن علاقوں کی آقا کے حضورؐ رحمت طلبی کے نام پر وادیٔ طیبہ میں قلب و جان کو قربان کرنے کا ذکر کیا جائے۔ یہاں تو چودہ صدیوں کے افق پر ان لاتعداد شعرائے گرامی منزلت کے اسمائے کرام نجوم تاباں کی صورت جگمگا رہے ہیں جنھوں نے زندگی بھر احترام بارگاہ رسالتؐ کو اپنا شعار عمل بنائے رکھا۔ نہ ماضی ان کا راستہ روک سکا، نہ حال ان کی یلغار سے خود کو محفوظ رکھ سکا ہے اور نہ ہی عہد مستقبل خود کو کاروان نعت کی غیر معمولی قدر و منزلت اور پذیرائی سے باز رکھ سکتا ہے۔

قارئین نے زیر نظر مضمون میں بیش تر شعرا کے ایسے اشعار کا مطالعہ کیا ہے جن میں حضور نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری اور حیات باطنی میں ہر طرح سے انفرادی اور اجتماعی مسائل آپ کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ آپ کی ذات مقدسہ اس قدر شفیق اور محبت و رحمت سے عبارت ہے کہ لرزیدہ بدن بھی اس بارگاہ کے تصور سے قلب و جان میں نئی قوت دوڑتے ہوئے

محسوس کرتے ہیں اور اس پذیرائی اور کرم فرمائی پر ان کے باطن سے یہی صدا ابھرتی ہے کہ:

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمھارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

اس ذات رحمۃ للعالمین ہی کے لطف و کرم کا فیضان ہے کہ لاتعداد گناہ گاروں کی بات بنی ہوئی ہے۔ زمانے بھر کے آلام و مصائب کی صلیب پر لٹکتا ہوا انسان بھی آپ کی رحمۃ للعالمینی اور دستگیری کے تصور سے جی اٹھتا ہے۔ مایوس دل امید کی روشنی سے جگمگا اُٹھتے ہیں اور خستہ جان و لاچار انسان محبوب خدا ﷺ کی رحمت بے کنار کے صدقے میں اپنے ڈگمگاتے ہوئے قدموں میں حیرت انگیز قوت کی جلوہ گری کا ادراک کرتے ہیں اور وہ سرکار کی عطا کے اعتراف میں بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں:

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

اور حقیقت عظمیٰ بھی یہی ہے کہ سرکار دوجہاں ﷺ کے دربار قدسیہ میں اپنی مناجاتوں، تمناؤں، آرزوؤں کی قبولیت کے بعد صاحب ایمان زمانے بھر کے کج کلاہوں کو خطرے میں نہیں لاتا۔ ماضی، حال اور مستقبل یہ تو محض تعین وقت کے پیمانے ہیں ورنہ آپ کی رحمت تو ہر دور کی طرح آج کے دور کے عشاق کی سب سے بڑی ڈھارس بنی ہوئی ہے اور ہر صاحب نظر اس احساس کے ساتھ اپنا ماجرائے غم آپ کی نذر کرتے ہوئے انتہائے عجز کا اقرار کرت ہے کہ:

جہاں سارا رضا سے گر خفا ہوتا ہے ہوجائے
پر اس سے آپ نہ کیجے کنارا یارسول اللہ ﷺ

☆

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری

نعت کے موضوعات

اصل موضوع پر خامہ فرسائی سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند فقروں میں لفظ موضوع کی لغوی و اصطلاحی تشریح حوالہ قرطاس کردی جائے۔

خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی نے اپنی لغت میں 'موضوع' کی وضاحت ان لفظوں میں کی ہے۔

''موضوع۔ ع۔ اسم مذکر۔ (1) وضع کیا گیا، رکھا گیا، کیا گیا۔ (2) علمی اصطلاح میں وہ شے جس کا بیان اس علم میں ہو۔ مدعا، مضمون۔'' (۱)

مولوی نورالحسن نیر نے اس لفظ کی توضیح یوں کی ہے:

''موضوع (ع) صفت مذکر۔ (1) وضع کیا گیا، رکھا گیا۔

بادشاہی کے بھی سامان کو درکار ہیں داغ
مورچھل کے لئے موضوع ہوئے مور کے پر
(رشک)

(2) (اصطلاح) مدعا۔ مضمون۔ اصل مقصود، جس سے علم میں بحث کریں۔ وہ شے جس کا ذکر اس علم میں ہو۔'' (۲)

مہذب لکھنوی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''موضوع (بفتح اول و واؤ معروف) عنوان۔ سرنامہ۔ وہ عنوان جس پر تقریر، بحث یا گفتگو ہو۔ عربی، مذکر، فصیح، رائج۔

وہ ایک بات جو موضوع گفتگو بنتی
ملے جو تم تو وہ کمبخت یاد ہی نہ رہی
(رضا نقوی)

موضوع (4) اصطلاح مدعا۔ مضمون۔ اصل مقصود۔ جس سے کسی علم میں بحث کریں۔ وہ شے، جس کا بیان اس علم میں ہو۔ (۳)

اُردو ادب لغات، میں موضوع کی صراحت اس طور پر کی گئی ہے:

''موضوع (ع۔ مذ) وضع کیا گیا۔ مدعا۔ مضمون۔ بناوَٹی۔ جعلی۔'' (۴)

یہی بات محمد عبداللہ خویشگی نے اپنی لغت میں یوں پیش کی ہے:

''موضوع (موضُوع) وضع کیا ہوا۔ عنوان۔ وہ مقصد جس پر گفتگو ہو۔'' (۵)

لغات فارسی میں موضوع کی بابت قدرے تفصیل سے گفتگو ملتی ہے۔

''موضوع۔ ع۔ وضع کیا گیا۔ بنایا گیا۔ رکھا گیا۔ کہا گیا۔ وہ بات جس کا یا جس کے متعلقات کا ذکر کسی علم میں ہو جیسے بدن انسانی علم طب کا موضوع ہے، کیونکہ اس کا اور اس کے متعلقات کا ذکر علم طب میں ہوتا ہے۔ عنوانِ کتاب۔ عنوانِ تقریر۔ سبجکٹ۔ منطق کی اصطلاح میں مبتدا کو موضوع اور خبر کو محمول کہتے ہیں۔'' (۶)

الحاج مولوی فیروزالدین اس لفظ کی بابت یوں گرم سخن ہیں:

''موضوع (موضوع۔ ع۔ا۔مذ) وضع کیا گیا۔ رکھا گیا (2) مدعا۔ مضمون (3) علم منطق کی اصطلاح میں مبتدا، جو خبر کے مقابل میں ہو۔ (4) بامعنی لفظ۔ (5) اصل شے، جس کے متعلق کسی علم میں بحث کریں۔'' (۷)

اسی سے ملتی جلتی بات 'عصری لغت اُردو' میں مندرج ہے:

''موضوع (ع) رکھا گیا۔ مدعا۔ علم منطق میں مبتدا۔ بامعنی لفظ۔ مضمون۔ عنوان۔'' (۸)

چونکہ موضوع عربی زبان کا لفظ ہے، اس لئے اگر اس لفظ کی وضاحت کی خاطر دو ایک عربی لغات کی طرف رجوع کر لیا جائے، تو نامناسب نہ ہوگا۔

ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی نے اس لفظ کی تشریح اپنی لغت میں اس طرح کی ہے:

''الموضوع۔ مص۔ مفعو۔ موضوع العلم۔ جس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے جیسے علم طب میں جسم انسان من حیث الصحۃ والمرض۔ موضوع الکلام گفتگو کا مرکزی نقطہ، جس پر کلام جاری ہو۔ جمع مواضیع وموضوعات۔'' (۹)

عربی زبان کی مشہور لغت المنجد میں اس لفظ کی وضاحت یوں مرقوم ہے:

''الموضوع۔ معہ۔ مفع۔ موضوع العلم وہ چیز جس کے عوارض ذاتیہ سے علم میں بحث کی جائے، جس طرح جسم انسانی علم طب کے لئے۔

موضوع الکلام۔ وہ عنوانِ کلام جس پر گفتگو چل رہی ہو۔ ج مواضیع و موضوعات۔" (۱۰)

موضوع کی بابت جو کچھ بھی مرقومہ بالا لغات سے نقل کیا گیا ہے، اس کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ موضوع وہ شے ہے جس کے ذاتی عوارض سے گفتگو کی جائے۔ اس طرح موضوع کی حیثیت عنوان اور مدعا کی سی ہے۔ اس کی جمع موضوعات اور مواضیع ہے۔

موضوعی اعتبار سے شعر و شاعری کی متعدد قسمیں کی گئی ہیں، جن میں قصیدہ، مرثیہ اور صوفیانہ شاعری، اخلاقی شاعری، فلسفیانہ شاعری اور مذہبی شاعری اہم ہیں۔ مذہبی شاعری کی ذیلی قسموں میں حمد و نعت اور منقبت اپنی منفرد شان اور شناخت رکھتی ہیں۔

گلِ سرسبد کائنات، صاحب قاب قوسین، شہ لولاک، لما خلقت الافلاک، افضل خلائق خداوندی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کہی گئی ہر بات، نعت ہے، بشرطیکہ وہ شاعرانہ لباس میں پیش کی گئی ہو۔

نعت ایک مفید، کارآمد، مقدس، محترم و مکرم اور گراں مایہ صنف سخن ہے، جو انسان کو ہوشمندی، ہوشیاری، دیانتداری، واقعیت پسندی، امن و آشتی اور دل و دماغ میں مکمل ہم آہنگی کا درس دیتی ہے۔ یہی وہ کارِ خیر ہے جس میں خالق و مخلوق، رب و مربوب اور عبد و معبود باہم شریک و سہیم ہیں۔ اللہ پاک کے کلام پاک میں بہت سے احکام صادر فرمائے مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، حق گوئی، راست بازی، امن پسندی وغیرہ، لیکن کسی بھی عمل کی بابت یہ نہیں فرمایا کہ یہ اعمال ہم بھی کرتے ہیں، ہمارے فرشتے بھی کرتے ہیں اور اے مومنو تم بھی کرو۔ صرف صلوٰۃ (درود پاک) کے بارے میں اس قسم کی بات کی گئی ہے۔

"ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی ۔ یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما ٥" (۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ پاک اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ کی تعریف کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا ورد کرو۔ یعنی آپ کی تعریف و توصیف کرو۔

فرہنگ آصفیہ میں درود بھیجنا کی تشریح میں مرقوم ہے:

"درود بھیجنا، فعل متعدی۔ پیغمبر کی تعریف کرنا، کسی خوب صورت کو دیکھ کر خدا کو یاد کرنا۔ خوشبو سونگھ کر پیغمبر کی تعریف کرنا۔" (۱۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی لفظ صلوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''صلوۃ علی النبی کا مطلب ہے نبی ﷺ کی ثنا و تعظیم، رحمت و عطوفت کے ساتھ۔ پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی، اس کی شان و مرتبہ کے لائق ثنا و تعظیم و رحمت و عطوفت مراد لیں گے۔ جیسے کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے، تو ظاہر ہے جس طرح کی محبت اور مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے، اس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے جدگانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اللہ بھی نبی کریم ﷺ پر صلوۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثنا اور اعزاز و اکرام کرتا ہے اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ و رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہئے۔'' (۱۳)

تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو شیخ شمس الدین سخاوی کا رسالہ ''القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع'' فخرالدین صدیقی آثر نے ''درود بھیجنا'' محاورے کے معنی آنحضرت ﷺ کی تعریف کرنا رقم کیا ہے۔ (۱۴)

متقدمین نے بھی الصلوٰۃ کو نعت کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ عبادی نے اپنی کتاب ''شرح وقایہ'' کا آغاز ''الحمد و النعت'' کے عنوان سے ان لفظوں میں کیا ہے:

''الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ علی رسولہ محمد والہ اجمعین الطیبین الطاھرین۔'' (۱۵)

اسی طرح سراج الدین محمد بن عبدالرشید نے ''سراجی'' میں ''الحمد والنعت'' کے ساتھ حسب ذیل عبارت قلم بند کی ہے۔

''الحمدللہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوۃ والسلام علی خیر البریۃ محمد و الہ الطیبین الطاھرین۔'' (۱۶)

ان دونوں اقتباسات سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ علمائے سلف بھی 'الصلوٰۃ' کو نعت کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔

معروضات ماسبق سے یہ بات واضح ہے کہ سب سے پہلی نعت گو شخصیت اللہ الباقی لم

یزل ولایزال کی ہے۔ نعت کے لغوی معنی وصف کے ہیں اور اوصاف نبی علیہ التحیۃ والتسلیم کو نعت سے متصف کیا گیا ہے، گویا صفت تو دراصل آپ ﷺ ہی کے لئے خلق کی گئی ہے اور آپ ﷺ کے علاوہ جہاں کہیں صفت پائی جاتی ہے، وہ عارضی اور ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ نعت وصف محمود کو کہتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابوموسیٰ نے نعت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

نبی اقدس ﷺ نے بھی اپنے زریں اقوال میں بارہا نعت خوانی کی ترغیب دی ہے۔ ریادی نے اربعین میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

''کل امر ذی بال لا یبدء فیه بحمدالله والصلوٰة علی فهو اقطع، اتبر، ممحوق من کل برکة''

ترجمہ: ہر اہمیت والا کام، جو اللہ پاک کی ثنا اور میری نعت سے شروع نہ کیا گیا ہو، ناقص، نامکمل، ادھورا اور برکت سے محروم ہے۔

اب تک کی معروضات کا ماحصل یہ ہے کہ نعت ایک مہتم بالشان موضوعی صنف سخن ہے، لیکن یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اس صنف سخن کو ابھی تک وہ مقام نہ مل سکا جس کی وہ مستحق ہے۔ اس عظیم و فخیم اور رفیع و جلیل صنف شاعری سے یہ کہہ کر اغماض کرنا کہ وہ ایک موضوعی صنف سخن ہے، قطعاً ناروا اور نادرست ہے۔ عالمی ادب کے تقریباً سبھی شاہ کار موضوعی شاعری سے متعلق ہیں۔ ہومر کی ایلیڈ اور اوڈیسی، ورجل کی اینیڈ، ویاس کی مہابھارت، فردوسی کا شاہ نامہ، کالیداس کے ڈرامے، ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی (طربیہ خداوندی) نظامی کا خمسہ، شیکسپیئر کے ڈرامے، ملٹن کی پیراڈائس لاسٹ (فردوس گم شدہ)، تلسی کی رامائن اور گوئٹے کی فاؤسٹ یہ سبھی شاہ کار موضوعی شاعری کے زمرے میں آتے ہیں۔

ماقبل میں نعت اور موضوع کی تحدید و تشریح کے باب میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نعت میں بیکراں وسعت اور گہرائی ہے۔ اس میں ہر قسم کے ان مضامین کو نظم کرنے کی صلاحیت ہے، جن کی وابستگی افضل الخلائق، محبوب رب العالمین، خیرالبریۃ محمد امی و مدنی سے ہو۔ قرآن پاک اور احادیث نبویہ، نعت کے تمام موضوعات کے لئے اساسی اور کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام الٰہی دنیا بھر کے سارے علوم و فنون کا منبع ہے۔ نزول قرآن کے بعد فصاحت و بلاغت کے نئے معایر و اقدار سامنے آئے اور یہی کتاب منور صنائع و بدائع کا اعتبار قرار پائی۔ موضوعات ہی کی مانند نعت کی بیشتر اصطلاحات و تلمیحات بھی اسی مقدس کتاب سے اخذ کی گئی ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خلق محمدی کی تعریف میں ''کان خلقه القرآن'' کہہ

کر پوری آسمانی کتاب کو نعت کے موضوع سے ہم آہنگ کر دیا۔ قرآن کریم میں اللہ پاک نے آپ ﷺ کا تذکرہ اسی کثرت اور اسی تنوع کے ساتھ کیا ہے کہ بقول مولانا عبدالقیوم ندوی ''کل حالات زندگی صرف قرآن حکیم سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔'' (۱۷)

موضوعاتِ نعت کو دوسرا منبع احادیث شریفہ ہیں۔ خود نبی اکرم ﷺ نے جابجا اپنی نعت کہی ہے، جن کو کتب احادیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔ شعری و عروضی نعتوں نے بھی نبی رحمت ﷺ کی زبان اقدس سے نکل کر کے فضاؤں کو معطر و معنبر کیا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب (۱۸)

(میں نبی ہوں، اس میں کوئی دروغ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۰)

هل انت الا اصبع دميت و فی سبيل الله مالقيت (۱۹)

(تو صرف ایک انگلی ہے، جو خون آلودہ ہوگئی ہے اور تجھ کو اللہ کے راستے میں یہ تکلیف پہنچی ہے۔)

الهم لا عيش الا عيش الاخره فاغفر الانصار والمهاجر (۲۰)

(عیش تو صرف آخرت کا عیش ہے۔ (اے اللہ) انصار اور مہاجر کو بخش دیجئے۔)

حضور ﷺ سے پیشتر جتنے بھی انبیائے کرام اور رسل عظام اس عالم آب و گل میں مبعوث ہوئے، ان سبھوں نے آپ کی نعت کہی۔ یہ ان کا فرض منصبی تھا۔ کیوں کہ انھوں نے خالق کائنات و رب الخلائق کے سامنے عہد کیا تھا کہ وہ اپنی اُمت کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دیتے رہیں گے، تبھی تو سبھی آسمانی صحیفوں میں کسی نہ کسی صورت میں آنحضرت ﷺ کی نعت ملتی ہے۔ خواہ وہ توارت ہو یا انجیل، زبور ہو یا کوئی دیگر صحیفہ الٰہی۔

گونج اُن کی ثنا کی رہی ہے ہر نبی نے خبر اُن کی دی ہے
کوئی ایسا صحیفہ نہیں ہے جس میں ان کا حوالہ نہیں ہے
(صبیح رحمانی)

ہندوؤں کی مقدس کتاب وید چار حصوں رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید، پر مشتمل ہے، جو اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے آج بھی محترم مانے جاتے ہیں۔ ان میں بھی سیدنا محمد عربی ﷺ کے محامد و محاسن بیان کئے گئے ہیں۔ اور آپ کی بابت پیشن گوئیاں کی گئی تھیں، جو مسرور زمانہ کے ساتھ حرف بحرف درست اور صحیح نکلیں۔ راقم نے انکا مفصل جائزہ اپنی تخلیق 'نعتیہ شاعری کا ارتقاء'' میں لیا ہے۔

ذیل میں موضوعات نعت کا اجمالی جائزہ ان کو دو بنیادی شقوں میں منقسم کر کے لیا جا رہا ہے، اساسی موضوعات اور ثانوی موضوعات۔

اساسی موضوعات میں سے مندرجہ ذیل مواضیع نعت کلیدی حیثیت کے مالک ہیں۔

مولود نامہ یا میلاد نامہ ____ میلاد کے لغوی معنی پیدائش اور ولادت کے ہیں۔ اس سلسلے میں مہذب لکھنوی لکھتے ہیں: میلاد (بیائے معروف) محفل میلاد، محفل ذکر ولادتِ رسولؐ، وہ محفل جس میں نظماً یا نثراً رسولِ خدا کے فضائل اور ان کا ذکر ولادت ہو۔ اُردو۔ مذکر۔ فصیح۔ رائج (۲۱)۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ولادت کے دن آپ کے محامد جلیلہ اور محاسن جمیلہ کے بیان کرنے اور سننے کے لئے مسلمانوں کے اجتماع کا نام محفل میلاد ہے۔ آگے چل کر دن کی تخصیص ختم ہو گئی۔ برصغیر میں اُردو میلادناموں کی ایک باقاعدہ اور مستقل روایت ہے۔ آغازِ اُردو ہی سے حضور اکرم ﷺ کے سوانح اور سیرت کے موضوع پر مثنویاں اور دوسری منظومات بکثرت ملتی ہیں۔ جیسے جیسے اُردو زبان ارتقائی مراحل طے کرتی گئی نثر و نظم دونوں میں میلادناموں کا انداز و اسلوب واضح ہوتا گیا۔ میلاد ناموں میں نعتیہ کلام کی تخلیق اور انتخاب میں مجلسی تقاضے ملحوظ رکھے جاتے ہیں اور اسی لئے میلاد کا شوق عام ہوا۔ مجالس میلاد کے رواج کے ساتھ کثرت سے نعتیں لکھی جانے لگیں۔ اسلام میں میلاد کا رواج چوتھی صدی ہجری سے ہوا۔ میلاد ناموں کا چلن اُردو میں عربی و فارسی سے ہوتا ہوا آیا ہے۔ مولود پر سب سے پہلی کتاب ابوالخطاب عمر ابن حسن بن وحیہ کلبی اندلسی کی ہے۔ اُردو شاعری میں میلاد النبی کا ذکر مستقل طور پر محمد قلی قطب شاہ سے پیشتر نہیں ملتا۔ محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں عید میلاد النبی پر چھ نظمیں اور ایک قصیدہ ہے۔ اُردو ادب میں ایسے شعراء کی تعداد اچھی خاصی ہے، جنہوں نے اپنی شعری کاوشات کا ہدف میلادِ نبی کو بنایا۔ یہ سلسلہ محمد قلی قطب شاہ سے عصر حاضر تک اسالیب کے تغیر و تبدل کے ساتھ چل رہا ہے۔

ہندوستان میں اُردو میں میلاد نامہ پر سید شہاب الدین پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے تحقیق کام کر رہے تھے، لیکن نہیں کر پائے۔ پاکستان میں ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی نے اس موضوع پر تحقیق کام مکمل کر کے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی ہے اور ان کا یہ مقالہ اُردو میں میلاد النبی کے نام سے کتابی شکل میں طباعت کے مراحل سے گزر کر اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ اس مقالہ میں آٹھ ابواب ہیں، جو آٹھ سو تیس (۸۳۰) صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں مقالہ کے حوالوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اسی سے زائد صفحات کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ مقالہ اُردو کے ابتدائی عہد سے ۱۹۹۵ء تک کے میلادیہ ادب کو محیط ہے۔ بقول پروفیسر شفقت رضوی "مقالہ نہایت محنت، عرق ریزی، جانفشانی اور دقت نظر سے لکھا گیا ہے۔ اس کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ مقالہ کو کسی ایک یا چند تاریخی ادوار تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اردو

کے ابتدائی عہد سے تا حال جس قدر تحریری ماخذات تک رسائی حاصل ہو سکی، ان سب کا احاطہ کیا گیا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ اس موضوع پر چند فی صد تحریری مواد ہی ایسا ہوگا، جن تک مقالہ نگار کی پہونچ نہ ہو سکی۔'' (۲۲)

نور نامہ ـــــ حضور ﷺ کی صفت نور کو موضوع سخن بنا کر عربی، فارسی اور اُردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور مختلف و متنوع پیرائے میں نور کی کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ نعتیہ شاعری میں حضور ﷺ کی مدح سرائی کے لئے اسی موضوع میں اتنی وسعت اور ایسا پھیلاؤ ہے جیسا کہ خود نور یا تجلی میں ہے۔

حضور پُرنور کی اس صفت نور کو عربی کے متعدد نعت گو شعراء نے بالواسطہ یا بلاواسطہ موضوع سخن بنایا ہے۔ نور کے موضوع پر نعت کا سب سے پہلا شعر عربی کے پہلے نعت گو شاعر جناب ابوطالب کے یہاں اس طمطراق کے ساتھ ملتا ہے۔

و ابیض لیستسقی الغمام بوجھه		ثمال الیتمی عصمة للارامل (۲۳)

ترجمہ: آپ روشن چہرے والے ہیں، بادل برسنے سے پہلے آپ کے چہرے سے اجازت طلب کرتا ہے۔ آپ یتیموں کی پناہ گاہ اور کمزوروں کے والی ہیں۔

نبی اُمی ﷺ نے حضرت کعبؓ کو (جو سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر زہیر بن ابوسلمٰی کے پسر ارجمند ہیں) ان کے مشہور نعتیہ قصیدہ ''بانت سعادُ'' کے جس شعر پر بطور انعام و اکرام ایک چادر مرحمت فرمائی تھی، اس میں بھی نور کے موضوع کی کارفرمائی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ شاعر نے آپ کو سیف کہا تھا۔ آپ نے فوری اصلاح دیتے ہوئے لفظ سیف کو نور سے بدل دینے کا حکم صادر فرمایا۔ معرض بحث شعر محولہ بالا قصیدہ نعت کا اکیانواں شعر ہے جو اس طرح ہے۔

ان الرسول نور یستضاء به		مهند من سیوف الله مسلول (۲۴)

ترجمہ: بے شک رسول ﷺ ایک ایسے نور ہیں، جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ اللہ کی صیقل شدہ ہندوستانی تلوار ہیں۔

اُردو کی نعتیہ شاعری میں صفت نور کا بیان اور نور سے متعلق شعری اظہار سب سے پہلے اُردو کے پہلے تخلیق کار ملا داؤد کی ''چندائن'' اور فخرین نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' میں ملتا ہے اور اس کے بعد یہ مضمون پوری آب و تاب کے ساتھ میران جی شمس العشاق، محمد قلی قطب شاہ، غواصی، فتاحی، عنایت، غوثی، بیجا پوری، امیر مینائی، محسن کاکوروی، حالی، سرور جہان آبادی، اکبر، شاد عظیم آبادی، اصغر گونڈوی، ڈاکٹر اقبال، اقبال سہیل، ظفر علی خاں، جگر مراد آبادی اور حفیظ جالندھری وغیرہم کے نعتیہ کلام

میں نظر آتا ہے۔

معراج نامہ ـــــــــ لفظ معراج کا مادہ عرج (ع۔ ر۔ج) ہے، چونکہ اس موضوع سے متعلق احادیث و آثار میں الفاظ ''عرج بی'' مستعمل ہیں، اس لئے رجب المرجب کی ستائیسویں شب کو ۱۰ء نبوی میں نبی آخرالزماں کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمان اور پھر اس کے آگے عجائب ملکوت اور غرائب قدرت کا نظارہ کرتے ہوئے ملاء اعلیٰ تشریف لے جانے، خالق کائنات اور مالک قضاء وقدر سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے اور دیدار الٰہی سے مستفیض ہونے کے واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے۔

اُردو کے معراج ناموں میں ایک طرف عقیدت رسول ﷺ کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے باعث فلکی ادب وجود میں آیا۔ انگلستان میں بھی اس قسم کا ادب موجود ہے۔ مغربی ادب میں فلکی ادب کا سراغ اولاً ہومر کی اوڈیسی میں ملتا ہے۔ ڈانٹے نے ڈیوائن کامیڈی میں فلکی سفر نظم کیا ہے۔ عربی تخلیق کار ابن شہید اندلسی متوفی ۴۲۶ھ/ ۱۰۸۸ء نے رسالہ 'الغفران'' میں فلکی سفر بیان کئے ہیں۔ ڈانٹے کا سنہ وفات ۱۳۲۱ء ہے۔ امیر خسرو نے اپنی مثنوی ''نہ سپہر'' میں اور علامہ اقبال نے 'جاوید نامہ' میں سماوی سفر کو موضوع سخن بنایا ہے۔ اُردو کے نعت گو شعراء نے معراج کا ذکر خیر دو طرح سے کیا ہے، ایک بالواسطہ اور دوسرے براہِ راست۔ ملا وجہی اور نصرتی نے بھی علیحدہ علیحدہ معراج نامے نہیں ترتیب دیئے بلکہ نعت رسول ﷺ کے ضمن میں واقعات معراج بالتفصیل نظم کئے ہیں۔ جیسا کہ فارسی کے متقدمین شعرائے نعت کی رَوش تھی۔ واقعہ معراج کو مستقل طور پر موضوعِ سخن بنا کر معراج نامے ترتیب دینے کی روایت نثر میں اولاً خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے یہاں اور نظم میں بلاقی کے یہاں ملتی ہے۔ شمالی ہند کا پہلا منظوم معراج نامہ ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء کا مرقومہ ہے۔ اس معراج نامہ کا تخلیق کار ایک غیر معروف شاعر شاہ قاسم ہے۔ اس کے محولہ بالا معراج نامہ میں ۱۳۲۷ ابیات ہیں۔

مغربی فلکی ادب اور معرج نامہ کے سماوی ادب میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں صرف تخیل کی پرواز ہے جبکہ ثانی الذکر میں عقیدت کے ساتھ ساتھ تاریخی حقیقت بھی ہے۔ اوڈیسی اور ڈیوائن کامیڈی دونوں ہی میں عقیدت و واقعیت کا فقدان ہے۔

اُردو میں براہِ راست لکھے گئے معرج ناموں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ اس سلسلے میں دکن میں بلاقی، میران ہاشمی، امین، شاہ ابوالحسن قربی اور شمالی ہند میں منیر شکوہ آبادی، محسن کاکوروی اور اقبال سہیل کے معراج نامے بیش بہا اہمیت کے حامل ہیں۔

دورِ جدید میں سیماب اکبر آبادی کا نام اس لئے لائق ذکر ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے معراج

نامہ کے ذریعہ انسانیت کو یہ اخلاقی درس دیا ہے کہ ایک وقت وہ تھا کہ انسان کی پرواز "بامِ ثریا" سے بلند ہو کر "عرش معلیٰ" تک تھی مگر اب اس پر ذلت و نکبت کی نحوست کے بادل منڈلا رہے ہیں۔

معراج سے منسلک اشعار میں کبیر، غالب، اور اقبال کے ایک ایک شعر کو ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے، کیونکہ ان میں لہجے کی ندرت، فکر کی بداعت اور طرز ادا کا طمطراق ہے۔

کبیر:

جیسے چھچھ! چھچھ ماں نکل جات اوہ پار نب کا در کھلا نہیں نبیؐ گئے اوہ پار

غالب:

اس کی اُمت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہؐ کے غالبؔ گنبد بے در کھلا

اقبالؔ:

مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں عشق کی ایک جست نے کر دیا قصہ تمام

وفات نامہ ـــــــ شعرائے نعت نے اپنی نعتیہ کاوشوں میں جہاں حیات مقدسہ کے احوال و کوائف کو اپنی شاعری کا محور بنایا، وہیں آپ کے وصال پُر ملال پر بھی اشعار قلم بند کیے ہیں۔ آپ کی وفات ایک الم ناک سانحہ تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے واقعہ وصال کو نظم کرنے کی روایت بھی خاصی پرانی ہے۔ وفات نامہ لکھنے والوں میں شیخ محبوب عالم ساکن جھجھو، عبداللطیف، دریاؔ، عالمؔ، مسکینؔ، امامیؔ، ولیؔ ویلوری اور شمالی ہند کے کافیؔ کے اسمائے گرامی خاصی شہرت کے مالک ہیں۔

حلیہ شریف ـــــــ شعرائے نعت کا ایک اہم اور محبوب موضوع آپ کی حلیہ نگاری بھی ہے۔ حلیہ کے معنی سراپا و صورت ہیں۔ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اس کا تلفظ مائے حطی کے کسرہ کے ساتھ ہے اُردو میں حلیہ بضم اول زبانوں پر ہے۔

میں نے لکھ رکھا ہے حلیہ تیرا مجمع محشر میں چھپنا ہے محال (۲۶)
(نوازشؔ)

عربی میں حضرت علیؓ کی مثلث کی ہیئت میں لکھی گئی نظم "حلیہ شریف" اس باب میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ موصوف نے منبع نعت کی مقدس گود میں اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ آپ سے زیادہ منبع نعت کو دیکھنے والا کوئی دوسرا نہیں۔ حلیہ نگاری کے موضوع میں حضرت علیؓ کے علاوہ تین حضرات اور ایسے

ہیں جو خصوصی شہرت کے مالک ہیں اور وہ ہیں: حضرت ہند بن ہالہ تمیمی، جو حضرت خدیجہؓ کے صاحبزادے اور نبی اُمی ﷺ کے ربیب تھے۔ موصوف کو حلیہ مبارک اور آپ کی وضع قطع کا نقشہ کھینچنے والوں میں اس قدر امتیاز اور ملکہ حاصل تھا کہ وصاف رسول کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ دوسرے حضرت حسنؓ اور تیسرے حضرت حسینؓ ہیں۔ یہ دونوں نبائرِ رسول اور امیر المومنین حضرت علی، ابن عم رسول کے صاحبزادے ہیں۔ دونوں اپنے والد محترم سے نبی ختم المرتبت کی باتیں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ سنتے تھے۔ حلیہ سے متعلق تمام روایتوں کو امام المحدثین، حافظ الحجت محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی نے اپنی سنن میں ایک علیحدہ باب میں شمائل النبیؐ کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔ حلیہ کی بابت حضرت عائشہؓ کے درج ذیل اشعار کلیدی حیثیت کے مالک ہیں۔

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خده — لی بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لواحی زلیخا لورائین حسینه — لا ثرن بالقطع القلوب علی الاید (۲۷)

ترجمہ: اگر مصر میں آپ کے رخسار مبارک کی بات پہنچ جاتی تو اہل مصر خریداریٔ یوسف میں گراں بہا دولت کی پیش کش نہ کرتے۔

زلیخا کو ملامت کرنے والی اگر آپ کی روشن پیشانی دیکھ لیتیں، تو ہاتھ کاٹنے پر دل کاٹنے کو ترجیح دیتیں۔

حلیہ مبارک کے موضوع میں ام معبدؓ (۲۸) کا نثری حلیہ بھی کافی شہرت کا حامل ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں چند سطور حوالہ قرطاس کر دی جائیں۔ جب رسول اکرم ﷺ ہجرت فرما رہے تھے تو غار ثور سے نکلنے کے بعد پہلے ہی دن آپ کا گزر قبیلہ خزاعہ کی ایک مہمان نواز خاتون ام معبدؓ کے خیمے کی طرف ہوا ___ ام معبدؓ کا نام ابن ہشام نے عاتکہ اور ان کے والد کا نام خالد بتلایا ہے۔ (۲۹) یہ ایک معمر خاتون تھیں جنہوں نے راہ گیروں کو پانی پلانا اور اگر کچھ کھجور یا دودھ موجود ہو، تو اس سے ان کی ضیافت کرنا اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ آپ نے تھوڑی دیر وہاں قیام فرمایا اور آپ کے معجزے سے ایک لاغر اور ناتواں بکری نے اتنا دودھ دیا کہ آپ، آپ کے ساتھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ اور مشہور راہ بر عبداللہ بن ارقط نے سیر ہو کر نوش کیا اور آپ نے ایک پیالہ دودھ ام معبدؓ کو بھی مرحمت فرمایا۔

آپ کی روانگی کے کچھ وقفے کے بعد جب ام معبدؓ کے شوہر ابو معبدؓ واپس آئے، تو انہوں نے نو وارد کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب میں ام معبدؓ نے جو کچھ آپ کی حلیہ مبارکہ کے بارے میں عرض کیا، وہ تاریخ کے زریں اوراق میں آج بھی محفوظ ہیں۔ ذیل میں اس حلیہ کا ترجمہ اُردو میں کیا جا رہا

ہے۔

''میں نے ایک انسان دیکھا، پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ اور فراغ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی و شیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدہ، سرگیں آنکھ، باریک اور پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پر وقار معلوم ہوتا، جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی طرف کھنچتا، دور سے دیکھو تو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھو تو حسن و جمال کا آئینہ، بات میٹھی جیسے موتیوں کی لڑی، قد نہ ایسا پست کہ کم تر نظر آئے، نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو، بلکہ ایک شاخ گل ہے جو شاخوں کے درمیاں ہو، زیبندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھ ایسے جو ہمہ وقت ان کے گردو پیش رہتے ہیں جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں۔ جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم و مطاع، نہ کوتاہ سخن اور نہ فضول گو۔'' (۳۰)

راقم نے اپنی ایک تخلیق میں ابروؤں کی نقشہ کشی میں ام معبدؓ کے بیان کردہ حلیہ میں در آئی غلط فہمی کی نشان دہی کی ہے۔ ام معبدؓ نے ہجرت نبی تک نبی ختم المرتبت کو صرف ایک بار دیکھا تھا، اس لئے موصوفہ کے بیان کردہ حلیہ میں یہ غلط فہمی در آئی۔ ام معبدؓ نے آپ کی بھوؤں کو باریک اور پیوستہ بتلایا ہے، جبکہ آپ کی مبارک بھویں الگ الگ تھیں، پیوستہ نہ تھیں۔ آپ کے ابرو کے بارے میں ام معبدؓ کے متذکرہ بالا بیان کے نادرست ہونے کی کئی وجہیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی نعت مسمّی بہ ''نعت حلیہ شریف'' میں آپ کی بھوؤں کی نقشہ کشی کرتے ہوئے فرمایا ہے

کالقوس کانت حواجبه قد کان یفرح خاطبه

صلی علیه الٰہنا

کانت سوابغ منفصل یست لقارن تتصل (۳۱)

ترجمہ: درازی اور کجی میں آپ کی بھویں کمان کے مانند تھیں، جو آپ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنے والے کو خوش رکھتی تھیں۔ ہمارا خدا آپ پر درود بھیجے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ وہ دونوں ملے ہوئے نہ تھے۔

شمائل ترمذی میں آپ کی حلیہ سے متعلق ایک حدیث حضرت ہند بن ابو ہالہ سے منقول ہے، جس میں ہند نے آپ کے ابرو کی بابت صاف صاف بتلایا ہے کہ ''ازج الحواجب سوابغ من غیر

قرن بینھما عرق یدرہ الغضب " (آپ کے ابرو خم دار، باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی، جو غصہ کے وقت اُبھر آتی تھی۔) حضرت حسنؓ نے بھی آپؐ کے ابرو کی بابت "سوابغ من غیر قرن" کی ترکیب استعمال کی ہے۔

اُردو کے شعرائے نعت نے اس باب میں کافی اچھے اشعار کہے ہیں، جن میں واقعیت و شعریت کا حسین امتزاج ہے۔ اُردو میں محسن کاکوری کا سراپا بھی خاصے کی چیز ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جمال مبارک کی صحیح عکاسی کسی کے بس کی بات نہ تھی، نور مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے۔ علامہ قرطبیؒ کا قول ہے کہ حضور علیہ السلام کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ بشر آپ کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔ (۳۲)

آپ کا سراپا اُردو کے بہت سے شعراء نے لکھا ہے، لیکن وہ یا تو مجمل ہے، یا نامکمل یا پھر تغزلانہ رنگ میں شرابور۔ راقم کی دانست میں اب تک لکھے گئے اُردو کے سراپا میں جناب عبدالسلام صاحب مضطر ہنسوری کا سراپا گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے اس سراپا میں احادیث بنویہ میں منقول سراپا سے سرمو بھی تجاوز نہیں کیا۔ ان کی اس نعت کا نام "حلیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" (منظوم) ہے۔ اس حلیہ سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو سے متعلق اشعار ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

گھنے باریک اور خم دار تھے مثل کماں ابرو　　　ذرا کچھ فصل سے دونوں ہلال ضوفشاں ابرو
رگ پاک ایک دونوں ابروؤں کے درمیاں میں تھی　　　جو غصے میں ابھر آتی تھی تیر اک دو کماں میں تھی

(۳۳)

عبدالسلام صاحب کا بیان کردہ یہ حلیہ نبی ۱۹۸۷ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ اس حلیہ کی جس خصوصیت نے راقم کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی، وہ ہے تخلیق کار کا ہر ہر بیان کے ماخذ و منبع کو قلم بند کرنے کا از بس اہتمام۔ شاعر نے اس مطبوعہ حلیہ کے حواشی میں حوالہ جات عربی الفاظ میں دیئے ہیں۔ مثلاً منقولہ بالا دو اشعار میں ابرو کی بابت پانچ باتیں نظم کی گئی ہیں : (۱) گھنا ہونا (۲) باریک ہونا (۳) خمدار ہونا (۴) دونوں ابروؤں میں فصل ہونا اور (۵) دونوں ابروؤں کے بیچ ایک پاک رگ کا غصہ کے وقت نمودار ہوجانا۔ شاعر نے ان پانچوں باتوں کے متعلق احادیث کے ٹکڑے اس طرح قلم بند کئے ہیں :

(۱) ازج الحواجب (۲) دقیق الحاجبین (۳) ابلج (۴) سوابغ من غیر قرن (۴) عرق یدرہ الغضب۔ یہی حال حلیہ سے متعلق ہر شعر کے مشمولات کا ہے۔ راقم کی دانست میں اس نہج کا کوئی اور حلیہ

اُردو ادب میں تا حال ناپید ہے۔

راقم نے موضوعاتِ نعت میں سے زیر بحث موضوع پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے قدرے تفصیل سے کام لیا ہے۔ کیونکہ علمائے نعت اور شعرائے نعت کے عام طور پر اس موضوع سے کم توجہی برتی ہے۔

سلام نگاری ـــــــ وہ نعتیں جن میں آقائے دو عالم ﷺ کی مدح کی جاتی ہے۔ بشرطیکہ ان میں لفظ اسلام مستعمل ہو، سلام کہلاتی ہے۔ اُردو کی نعتیہ شاعری میں حفیظ جالندھری کے معرکہ آرا سلام نے شعرائے نعت کو سلام نگاری کی طرف متوجہ کیا اور جلد ہی اس موضوع نے ایک جداگانہ صنف کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس سلسلہ میں ضیاؔء القادری، دردؔ، کاکوروی، حافظ ہزاری، شہاب علوی، منظور حسن منظور، ہادی مچھلی شہری، عیسیٰ مصطفیٰ، ابوالمجاہد زاہدؔ، جنگ بہادر خان تابشؔ، قاصی اطہر مبارکپوری، فخر گیاوی، مظفر گجراتی، مظفر وارثی، نثار بارہ بنکوی، شرف شیخوپوری، فضا بن فیضی، آرزو سہارنپوری، حمید لکھنوی، جگن ناتھ آزاد اور بیکل اتساہی کے سلام کافی مقبول ہیں۔ اُردو نعت میں درود و سلام سے متعلق جستہ جستہ اشعار متقدمین و متوسطین کے یہاں ملتے ہیں، لیکن بہ حیثیت صنف سخن سلام پر طبع آزمائی دور جدید اور عصر حاضر کا کارنامہ ہے۔

اسرائیلیات ـــــــ اسرائیلیات سے مراد وہ روایات ہیں، جن کا تعلق مذہب یہود کی مرویات سے ہے۔ اُردو کے نعت گو شعراء نے جن اسرائیلی روایات کو نعت کا جزو بنایا ہے، ان میں متعدد قصے وہ ہیں، جو دیگر انبیاء سے متعلق ہیں، لیکن انہیں نبی ختم المرتبت سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ ایسے قصے تمام طور پر دکنی شعرائے نعت کے رشحاتِ قلم کے ثمرات ہیں۔ اسرائیلی روایات بلاقیؔ اور خمیرؔ کے یہاں بکثرت موجود ہیں۔ عہد حاضر کے پاکستانی شاعر عبدالعزیز خالد کی ''فارقلیط'' اس معنی میں ایک اچھی نعتیہ کاوش ہے کہ اس میں مروجہ اسلوب سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اور نیا آہنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اسلوب کی اساطیری اور اسرائیلی فضا نبی رحمت کے تقدس کو داغ دار کرتی دیکھی جاتی ہے۔ عبدالعزیز خالد کی دوسری تخلیق ''منحمنا'' اور تیسری اور چوتھی تخلیقات ''حمطایا'' اور ''ماذ ماذ'' ہیں، جن میں پرانے صحیفوں خاص طور پر تلمود، زبور وغیرہ عہد نامہ عتیق کی بے شمار تلمیحات در آئی ہیں، جو اسرائیلی خرافات کا ایک حصہ ہیں۔ یہی حال عمیق حنفی کی سلسلہ الجرس، اور جعفر طاہر کے ''ہفت کشور'' کا ہے۔

ضمیات ـــــــ ہندوستان آکر مذہب اسلام یہاں کی مقامی تہذیب اور مقامی رسوم و رواج سے

کافی حد تک متاثر ہوا۔ سجہ و زنار کے رشتوں میں استواری پیدا کرنے کی جدوجہد کی گئی اور اذان و ناقوس کی مترنم اور سحر آفریں آوازوں اور عود و کافور کی مہک نے ہندوستان کے کونے کونے کو متاثر کیا اور اس طرح رام و رحیم کے فرق کو مٹانے کے لئے اوم اور الا اللہ کو ایک کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو کو پہلے جزو میں مدغم کر کے مربوب کو رب، مخلوق کو خالق اور احمد مجتبیٰ کو احمد بے میم، یا احد با میم اور عرب بغیر عین کے ساتھ یاد کرنے کی تلقین کی گئی۔ محسنؔ کاکوروی کے ایسا محتاط شاعر کس دیدہ دلیری کے ساتھ کہتا ہے۔

عینیت غیر رب کو رب سے　　　غیریت عین کو عرب سے
ذات احمد تھی یا خدا تھا　　　سایہ کیا میم تک جدا تھا (۳۴)

دیوتاؤں اور اوتاروں کے تذکروں میں اکثر و بیشتر خدا کو جامہ بشری میں دیکھا جاتا ہے۔ رام اور کرشن کی بابت ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ انسان کی شکل میں معبود تھے۔ اُردو کے نعت گو شعراء اسی عقیدے سے متاثر ہو کر کس قدر گستاخانہ انداز میں گرم سخن ہیں۔

وہی جو مستویٰ عرش ہے خدا ہو کر　　　اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰؐ ہو کر
(آسی غازی پوری)

ایک دوسرے شاعر تو یہاں تک دریدہ دہنی کرتے ہیں ؎

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے　　　جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمد سے

شائقؔ حیدر آبادی عبد و معبود کے درمیان یوں رسہ کشی کرا رہے ہیں۔

ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ　　　مصطفیٰؐ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ
(۳۵)

اُردو کی نعتیہ شاعری میں یہ اوتار وادی تصور اس قدر حاوی ہوگیا کہ کرشن اور گوپیوں کے واقعات سے تحریک لے کر متعدد شعرائے نعت نے مختلف کیفیات کو نسوانی انداز میں بیان کیا ہے۔

طیبہ کے رنگیلے بانکے میاں مو ہے چاند سا مکھڑا دکھلا جانا
میں برہا دیوانی تڑپت ہوں، ذرا آجانا ذرا آجانا
دکھ درد کے مارے تڑپت ہوں، مانت نہیں دل فرقت میں ترے
اے کملی والے سائیں میرے روٹھے کو ذرا سمجھا جانا (۳۶)

اسی ہندوانہ اساطیر سے متاثر ہو کر امجدؔ حیدر آبادی نے مدینہ کی جوگن لکھ ڈالی۔ (۳۷)

نعت میں مقامی رنگ ــــــــ اُردو نعت کے فن اور اُردو نعت کے مضامین پر جو بھی مقامی اثرات نظر آتے ہیں، وہ درحقیقت ہندوستان کی ضم پرست ذہنیت کے عکوس و نقوش ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی مدح سرائی ہندوستان میں آ کر ان اصنام یا دیوتاؤں کی مدح طرازی سے خاصی متاثر ہوئی، جن کے گیت بھجنوں میں گائے جاتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں رسول کو شامل کر کے دونوں کو ذات واحد بنانے کی کوشش کی گئی۔ امجد حیدر آبادی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ

عرش والا زمیں پر آتا ہے　　فاتقو اللہ یا اولی البصار
شکل احمد میں خود احد آیا　　ہوا مطلق مقید اظہار
دائرہ مختفی تھا نقطہ میں　　ہو گئی ختم گردش پرکار
بیج بھی ہے وہی شجر بھی وہی　　وہی قہار ہے وہی غفار
آپ اپنا پیام پہنچایا　　آپ خود اپنا کر گیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر　　خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار (۳۸)

صنم پرستی کے یہ رجحانات مولود ناموں اور معراج ناموں میں کثرت سے دکھائی پڑتے ہیں۔ یہ ہندوستانی خصوصیات معنوی اور صوری اعتبار سے اُردو نعت میں کچھ اس طرح دخیل ہوگئیں کہ ان کے اثرات سے محسنؔ کاکوری کے ایسا نعت گو بھی نہ بچ سکا، جس نے انتخاب مضامین میں سدا قرآن و حدیث کو پیش نظر رکھا تھا اور شاعرانہ التزام کے ساتھ بڑی حد تک جادۂ اعتدال پر قائم رہنے کا صرف عزم ہی نہ کیا تھا بلکہ اہتمام بھی کیا تھا۔

ثانوی موضوعات

نعت کے ثانوی موضوعات شمار سے باہر ہیں۔ ان میں سے خاص خاص وہ جو شعرائے نعت کے مابین مروج اور مرغوب ہیں، ذیل میں بغیر کسی نقد و تبصرہ کے قلم بند کئے جاتے ہیں۔

۱۔ نبی اکرم کا سبب تخلیق کائنات ہونا
۲۔ نبی رحمت کا عالم الغیب ہونا
۳۔ آپ کا مختار کل ہونا
۴۔ آپ کا شافع روز جزا ہونا
۵۔ آپ کا سایہ نہ ہونا
۶۔ قاب قوسین کا تصور

۷۔ عرش اعظم کا تصور

۸۔ میم کا پردہ

۹۔ آپ کا دوسرے انبیاء و مرسلین سے تقابل

۱۰۔ جبریلؑ امین کا آپ کا دربان ہونا

۱۱۔ جبریلؑ امین کا آپؐ کے نواسوں کا گہوارہ جھناں ہونا

۱۲۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری

۱۳۔ نعت میں احتیاط کے تقاضے

۱۴۔ باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

۱۵۔ نعت میں شمائل و فضائل کا بیان

۱۶۔ آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

۱۷۔ نعت میں اظہار عجز

۱۸۔ نعت میں افتخار کے پہلو

۱۹۔ نعت میں احترام رسولؐ کے تقاضے

۲۰۔ اُردو نعت میں شان الوہیت کا استخفاف

۲۱۔ نعت میں استمداد، استغاثہ اور فریاد

۲۲۔ آپ کی رحمت للعالمینی

۲۳۔ آپ کی محبوبیت

۲۴۔ آپ کا ساقی کوثر ہونا

۲۵۔ نعت میں متعلقات و منسلکات نبویؐ کا بیان۔ وغیرہ، وغیرہ، وغیرہ ______

اُردو شعرائے نعت نے مندرجہ بالا موضوعات پر اچھا خاصا سرمایہ بطور یادگار چھوڑا ہے۔ انہوں نے ہر موضوع میں فنی نقطہ ہائے نگاہ سے خاصے اچھے شعار نکالے ہیں، جو کسی دوسرے موضوع سے متعلق شعری سرمایہ سے کسی طرح فروتر یا کم تر نہیں ہیں۔

مواضیع نعت اپنے ماخذ و منابع کی طرح بحر ذخار کی سی وسعت رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت و واقعیت ہے کہ ابھی نہ جانے کتنے مواضیع نعت مستقبل کے بطون میں مکنون ہیں، جو مناسب وقت پر تبقاضائے عہد رہتی دنیا تک سامنے آتے رہیں گے اور نعت کی افادیت کے ثبوت فراہم کرتے رہیں گے۔ اسی طور پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ نعت میں بیکراں وسعت ہے اور ہر وہ موضوع،

موضوع نعت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، جس کو آقائے دو عالم رحمت ہر دو جہاں محمد عربی ﷺ سے کسی نہ کسی قسم کا کوئی علاقہ، رشتہ یا نسبت ہو۔

حواشی و تعلیقات

۱۔ فرہنگ آصفیہ، جلد چہارم، خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی، صفحہ ۴۷۹

۲۔ نور اللغات، جلد چہارم، مولوی نور الحسن نیر، صفحہ ۷۰۸

۳۔ مہذب اللغات، جلد دوازدہم، صفحہ ۴۹۱۔۴۹۰

۴۔ اُردو ادبی لغات، صفحہ ۸۳۵

۵۔ عکسی فرہنگ عامرہ، عبداللہ خویشگی، صفحہ ۵۲۰

۶۔ لغات فارسی، صفحہ ۸۶۳

۷۔ فیروز اللغات، اُردو جامع، الحاج مولوی فیروز الدین، صفحہ ۶۰۱

۸۔ عصری لغات، صفحہ ۷۳۶

۹۔ مصباح اللغات، ابوالفضل عبدالعزیز بلیاوی، صفحہ ۹۳۹

۱۰۔ المنجد، الاب لوئیس یسوعی، صفحہ ۱۰۹۱

۱۱۔ ومن یقنت پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶

۱۲۔ فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، صفحہ ۲۴۳

۱۳۔ عکسی قرآن شریف مترجم و محشی، حضرت مولانا محمود حسن و مولانا شبیر احمد عثمانی صفحہ ۵۵۲، حاشیہ ف ۴، مدینہ پریس بجنور

۱۴۔ اُردو میں محاورے، فخر الدین صدیقی آثر، صفحہ ۱۱۲

۱۵۔ شرح وقایہ، حضرت عبدیللہ بن مسعود، صفحہ ۴۸ مکتبہ رشیدیہ دہلی، طبع سوم ۱۹۵۳، جامع الترمذی صفحہ ۵۶۸ حاشیہ ۳، اصح انحطابع لکھنؤ ۱۳۱۷ھ

۱۶۔ سراجی، سراج الدین محمد بن عبدالرشید، صفحہ ۲

۱۷۔ تاریخ اسلام کامل، مولانا عبدالقیوم ندوی، صفحہ ۳۰، ہمدم پریس فرنگی محل لکھنؤ

۱۸۔ خصائل النبویہ، صفحہ ۱۲۴

۱۹۔ بخاری و مسلم بحوالہ المشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۴۰۹، حضور پر نور ﷺ کا شاعر نہ ہونا قطعی ہے، لیکن یہ بر بنائے عجز نہیں ہے، اس لئے کہ جس ذات اقدس کے کلام میں بلا ارادہ موزونیت آجاتی ہو، اگر وہ قصداً موزوں کر کے کلام کہتا، تو کس قدر موزوں و بے تکلف کہتا، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی شان کو اعلیٰ و ارفع بنایا تھا اور شاعری کو آپ کیلئے مناسب نہیں بتلایا۔ اس لئے آپ کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہوئے ویسے آپ اشعار سماعت فرماتے تھے۔ (آزاد)

۲۱۔ مہذب اللغات، جلد سیزدہم، صفحہ ۶۳

۲۲۔ نعت رنگ، شمارہ ۸، مرتبہ صبیح رحمانی، صفحہ ۲۲۶، ناشر اقلیم نعت بابت ستمبر ۱۹۹۹ء

۲۳۔ الروض الانف جلد دوم، صفحہ ۵۵، ابن ہشام جلد ۱، صفحہ ۲۹۳

۲۴۔ ارشاد الی بانت سعاد، صفحہ ۴۴۔۴۳، مرتبہ و مشرحہ مولوی ذوالفقار علی

۲۵۔ سوغات صنم خانہ، مرتبہ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری، صفحہ ۱۵۷، غیر مطبوعہ

۲۶۔ مہذب اللغات، جلد چہارم، صفحہ ۳۴۰

۲۷۔ نعتیہ شاعری کا ارتقاء، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری، صفحہ ۱۲۲
۲۸۔ سیرت النبی کامل، ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۵۳۷
۲۹۔ کہا جاتا ہے کہ ام معبد تبھی دوران نبوت ایمان نے آئی تھیں، بعض مورخین کا قول ہے کہ وہ بعد میں مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ یہ حدیث، حدیث ام معبد کے نام سے مشہور ہے، اُردو نعت اور غیر مسلم شعراء، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری، صفحہ ۴۴
۳۰۔ البدایہ والنہایہ، جلد دوم، صفحہ ۱۶۵، ترجمہ ماخوذ از مشکوۃ النعت، ادیب رائے پوری، صفحات ۴۰۷۔۴۹۶، ناشر: پاکستان نعت اکیڈمی ۱۹۸۹ء
۳۱۔ حلیہ شریف سرور عالم ﷺ، مصنفہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب، صفحہ ۱۰، مطبع نامی واقع لکھنو، ماہ ذی قعدہ ۱۳۰۵ھ۔ اس میں ستاون بند ہیں ہر بند میں تین مصرعے ہیں۔ تیسرا مصرع ہر بند میں مکرر ہے۔ یہ حلیہ شریف راقم کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ راقم نے اس کے حوالے "نعتیہ شاعری کا ارتقاء" کے صفحات ۱۳۹ تا ۱۴۲ میں دیئے ہیں۔ اس نسخہ میں ہر بند کا ترجمہ بزبان فارسی رقم ہے۔ متعلقہ عربی عبارت کا ترجمہ بزبان فارسی یوں درج ہے۔

مانند کمان در کجی و درازی بود ابرو ہائے مبارک او
تحقیق خوش می شدہ کلام کندہ با او
بود ند آں دو ابرو تمام جدا از ہم — متبعد آں دو ابرو مقرون متصل

۳۲۔ خصائل النبوی شرح اُردو شمائل ترمذی، الحاج مولوی محمد زکریا، صفحہ ۱
۳۳۔ حلیہ نبی اکرم ﷺ (منظوم) عبدالسلام مضطر ہنسوری، صفحہ ۱۶
۳۴۔ کلیات محسن کاکوروی، صفحہ ۲۳۳۔۲۳۲
۳۵۔ کلیات شائق، صفحہ ۱۲۸
۳۶۔ کلیات شائق، صفحہ ۳۳۰
۳۷۔ ریاض المجد، حصہ اول، صفحہ ۱۱، طباعت ۱۳۵۵ھ
۳۸۔ ایضاً صفحات ۱۵۔۱۴

ظہیر غازی پوری (بھارت)

نعتیہ شاعری کے لوازمات

اس عالم آب و گل میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی عربی زبان دُنیا کی بڑی زبانوں میں شمار کی جانے لگی تھی اور عربی شاعری نے بھی اعلیٰ و ارفع مقام حاصل کر لیا تھا۔ عربی لغات میں ایک لفظ ''نعت'' بھی صدیوں پہلے سے موجود تھا، جس کے لغوی معنی تعریف و توصیف کرنے، ستائش کرنے یا صفات بیان کرنے کے ہیں مگر اس لفظ کا استعمال اتنا کم تھا کہ عربی کی مدحیہ شاعری میں بھی عام طور پر نظر نہیں آتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس زمانے میں مناجات، منقبت اور مدح نہیں لکھی جاتی ہوگی لیکن ایک اجمالی سبقت حاصل تھی۔ حضرت موسیٰؑ کی پیغمبرانہ زندگی کے سو سال کے ایک ایک گوشے کو کھنگالا جائے۔ ان کی پیروی کرنے والی سب سے بڑی جمعیت کی زندگیوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو ہمیں ''نعت موسیٰ'' کے دس بیس نمونے بھی ہاتھ نہیں آئیں گے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی ۳۳ سالہ زندگی کے آخری تین سال میں کشف و کرامات اور مواعظ و معجزات کی ثناخوانی تو ملتی ہے مگر ''نعت عیسیٰ'' لکھنے لکھانے یا سننے سنانے کا ماجرا یکسر مفقود ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد ﷺ کی ولادت باسعادت کے فوراً بعد جو تعریفی کلمات ان کی والدہ ماجدہ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے وہ ''نعت احمد ﷺ'' قرار پائے اور اس وقت یہ لفظ ''نعت'' صرف سرور عالم حبیب اکرم ﷺ کی تعریف، توصیف اور ستائش کے لیے مختص ہوگیا اور بہ قول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> دنیا کی ان ساری زبانوں میں جنھیں مسلمان بولتے ہیں نعت گوئی کا عام رواج ہے۔

نعت گوئی کی ابتدا عربی زبان میں ہوئی مگر اس صنف سخن کو فنی اور فکری معراج ایران میں فارسی زبان میں حاصل ہوئی اور وہاں سے سفر کرتی ہوئی یہ ہندوستان پہنچی جہاں

اسے وہ پذیرائی حاصل ہوئی کہ بہ قول ناوک حمزہ پوری:

> اردو کا غالباً ایک بھی شاعر خواہ مسلمان ہو، ہندو ہو، سکھ ہو، عیسائی یا کسی اور عقیدے کا ایسا نہ ملے گا جس نے نعتیہ اشعار نہ کہے ہوں۔ یہ اردو کے اپنے مزاج اور تہذیب کی دین ہے۔''

نثر میں حضور اکرم ﷺ کی تعریف نہ صرف مسلمان بلکہ دنیا بھر کے مفکرین مثلاً برنارڈشا، نپولین بونا پارٹ، ٹالسٹائی، لیونارڈ، لامارٹن، ارنلڈ، برٹرینڈر رسل، کارلائل، ڈیکارڈ، بی اسمتھ اور ای ڈرمنگھم وغیرہ نے بھی کی ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ سارے عالم کے لیے رحمت بن کر آئے تھے اور ساری دنیا کے دانش وروں نے ان کی عظمت کو تسلیم کیا ہے اور ان کی مدحت سرائی کی ہے۔ کسی نے کہا: ''میں ہندو ہوں، اگر ایمان رکھتا ہوں محمد ﷺ پر'' تو کسی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ: ''صرف مسلم کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں۔'' اس سچائی کا شاید ہی کوئی منکر ہو کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے شیدائیوں سے یہ دنیا خالی نہیں ہے اور ان پر درود و سلام بھیجنے، ان کی شان میں قصائد لکھنے اور شعر میں ان کے اوصاف بیان کرنے کا سلسلہ کم و بیش بارہویں صدی سے ہندوستان جنت نشان میں متواتر جاری ہے اور اس کا وافر سرمایہ موجود ہے۔ ادھر تقریباً دو دہائیوں میں حمد و نعت کی طرف محققین اور شعرائے کرام نے خصوصی توجہ دی ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ شعری ادب کی ایک گراں مایہ صنف کے طور پر اسے قبول کر لیا گیا ہے اور بیش تر ادبی رسائل میں اس کی اشاعت کا اہتمام کیا جانے لگا ہے۔ اسے نصابی کتب میں داخل کرنے کی جدوجہد بھی کی جا رہی ہے۔

نظم اور نثر دو اسالیب ادب ہیں جو تمام زبانوں میں رائج ہیں۔ مدت دراز تک اردو نثر میں بھی حضور اکرم ﷺ کی توصیف میں تحریر کردہ بیانات کو نعت کے زمرے میں رکھا جاتا رہا ہے مگر اب صرف نظم کی شکل میں لکھی جانے والی تخلیقات ہی نعت یا نعتیہ شاعری کی صف میں جگہ پاتی ہیں۔ نظم کی بے شمار اقسام ہیں جو مختلف ہیئت و ساخت میں زینت قرطاس بنتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو علاحدہ صنف کا درجہ پا چکی ہیں۔ مثال کے طور پر قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، مسدس، مربع، قطعہ اور مثلث وغیرہ مقبول عام شعری اصناف ہیں۔ ادھر کئی ہندی، انگریزی اور جاپانی وغیرہ اصناف کو بھی اردو شاعری میں ایک خاص مقام حاصل ہو گیا ہے۔ ابتدا میں قصیدہ اور مثنوی کی شعری اصناف میں زیادہ سے زیادہ نعتیہ شاعری تخلیق

ہوئی مگر وقت کے ساتھ زبردست تبدیلیاں رونما ہوئیں اور بیشتر اصناف سخن میں نعتیہ شاعری کا رواج عام ہوگیا۔ فی زمانہ تو دوہے، ہائیکو اور رباعیات بھی کثرت سے لکھی جانے لگی ہیں۔ بعض ایسی تخلیقات بھی سامنے آئی ہیں جو بہ یک وقت نعت بھی ہیں اور حمد بھی۔

ارباب ادب سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ شاعری پوری دنیا میں بلند وقار، بلند مقام اور بلند معیار فن ہے۔ پوری دُنیا کے تنقیدی ادب میں صنف شاعری پر سب سے زیادہ مضامین و کتب لکھی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری کے لیے عہد بہ عہد وضع کردہ فنی التزامات کی پابندی ہر دور میں لازمی قرار پائی ہے۔ نعتیہ شاعری بھی اردو ادب و تہذیب کا اٹوٹ حصہ ہے۔ اس لیے اس صنف سخن کے لیے بھی تمام تر فنی اور فکری اصول اور اظہار و اسلوب کے طور طریقوں کی پابندی لازمی ہے۔ زبان کا شاعرانہ تخلیقی استعمال، محاورے کی صحت، عروض و قواعد کی مسلمہ قدروں کا پاس اور ایک خاص حد تک استعارہ ساز وژن کی نمود بھی نعتیہ شاعری کے لیے لازمی ہے۔ ابہام بھی شاعری کا وصف ہے، جو نثر میں نہیں، نظم ہی میں فروغ پاتا ہے۔ توصیفی شاعری خصوصاً نعتیہ شاعری میں ابہام کے لیے برائے نام ہی گنجائش نکل سکتی ہے۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

> عقیدت کی شاعری میں عموماً شعریت کا فقدان ہوتا ہے۔
>
> (''ایوان ادب'' دہلی، شمارہ نمبر۲)

اس رائے میں عموماً پر نظر رکھتی ہے۔ عام طور پر ہر طرح کی شاعری میں شعریت کا فقدان ہوتا ہے۔ شعریت بہت وسیع المعنی لفظ ہے اور اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ مختصراً عرض ہے کہ پیکر تراش، علامت نگاری اور استعارہ سازی کے بغیر شعریت، کیفیت اور انفرادیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ ایمائی انداز، کفایت لفظی اور رمزیت بھی شعریت کے لازمی عناصر ہیں۔ یہ سب صفات بہت کم شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں اور انھیں کم شعرا میں ایسے باکمال شعرا بھی ہیں جو عقیدت کی شاعری یا نعتیہ شاعری میں بھی شعریت پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ شعریت اور استعاریت کا حامل یہ شعر دیکھیے:

عکس کے ساتھ ہی آئینہ مل گیا
جب نبیؐ مل گئے تو خدا مل گیا

مولانا جلال الدین عمری نے اس سلسلے میں ایک شرط عائد کی ہے، وہ فرماتے

ہیں کہ:

نعت گوئی عشق مصطفیٰ کے اظہار کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، سرور کائنات سے بے پناہ عشق کے نتیجے ہی میں نعت ممکن ہے، یہ ضروری نہیں کہ ایک باکمال شاعر اچھا نعت گو بھی ہو۔

(ماہنامہ ''پیش رفت'' دہلی، ماہ ستمبر ۲۰۰۰ء)

عشق رسول ﷺ یا حب نبی ﷺ یا بے پناہ عقیدت کی باتیں بے شمار علمائے دین و ادب نے کہی ہیں مگر اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ہزارہا نعتیہ نظم و شعر غیر مسلم شعرا نے بھی تخلیق کیے ہیں جو موضوع، معنی، اسلوب اور شعری اوصاف کے آئینہ دار ہیں۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ نور نبی ﷺ دُنیا کے ہر انسان میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوا ہے اور بے شک بانئ اسلام ساری دنیا اور تمام انسانوں کے لیے رحمت ہیں۔ ایک مسیحی شاعر مخلص بدایونی کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

اگر تم دیکھنا چاہو خدا کو
کرو راضی محمدؐ مصطفیٰ کو

میں نے سطور بالا میں عرض کیا کہ ابہام اچھی، بڑی اور معیاری شاعری کا ایک وصف خاص ہے۔ بہت سے اشعار میں خود کو نشانہ بنا کر دوسروں پر طنز کرنے یا انھیں ان کی غلطیوں کا احساس دلانے کی سعی بھی کی جاتی ہے۔ ایسے اشعار بعض اوقات صدیوں بعد طنز و تشنیع کا نشانہ بنتے ہیں، جب اصل واقعہ پر غبار وقت کی دبیز تہ جم چکی ہوتی ہے۔ پروفیسر مسعود حسین نے میرؔ کی شاعری کا جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

غزل کے مقطع میں میرؔ بغیر تہ داری کے اپنے دین و مذہب کی تفصیل بتا دیتے ہیں:

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے ہو، ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا!

میرؔ نے ایک طرح سے یہ بڑی جرأت مندانہ بات کہی، جو وہ مسلسل آخر وقت تک کہتے رہے۔ غالبؔ اس بات میں ان کے شریک غالبؔ ہیں۔ شریعت ناک بھوں چڑھاتی رہ جاتی ہے، لیکن فن کار کا کچھ نہیں

کر پاتی، کوئی اور کہتا تو پرخچے اُڑ جاتے۔

("اردو غزل کے نشتر" ص ۵۴)

شریعت کے ناک بھوں چڑھانے کی بات خوامخواہ ہے۔ ہر شاعر اپنے اعمال کا ذمے دار خود ہوتا ہے شریعت نہ تو ہر گھر میں (برائے اعتراض) جھانکتی ہے اور نہ ہر شاعر کے اشعار کا محاسبہ کرتی ہے۔ یہ شعر کوئی اور کہتا تو بھی ضروری نہیں کہ اس کے پرخچے اُڑ جاتے۔ یہ بھی ممکن ہے میرؔ نے یہ شعر کسی ایسی شخصیت کو نظر میں رکھ کر کہا ہو جس کا نام لینا ممکن نہ رہا ہو اور ان کی بات کے ہم نوا غالبؔ اس لیے رہے کہ انھوں نے بھی یہ شعر کسی اور کو نظر میں رکھ کر کہا تھا۔ بہ الفاظ دیگر بھرپور طنز کیا تھا:

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے!

میرؔ کتنے دین دار تھے اور کتنے مذہب پرست تھے، اس کی تحقیق کے بغیر (ان کے اشعار کی روشنی میں) یہ بھی تو کہا جاسکتا ہے کہ میرؔ دین پر قائم تھے روز حساب پر ایمان رکھتے تھے اور خود کو فقیر بھی سمجھتے تھے اور فقیر وہ ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور قرب الٰہی کے جوار میں رہتا ہے۔ ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

دعویٰ عاشق بے چارے کا کون سنے گا محشر میں
خیل ملائک واں بھی ہوں گے اس کے خاطر دار بہت
میرؔ دعا کر حق میں میرے تو بھی فقیر ہے مدت سے
اب جو کبھو دیکھوں اس کو تو مجھ کو نہ آوے پیار بہت

اندازاً ۲۱ یا ۲۲ برس قبل ایک خاص حلقے میں پسند کیے جانے والے کسی حد تک مقبول شاعر محمد علوی نے ایک غزل کہی تھی، جس میں مندرجہ ذیل دو اشعار بھی شامل تھے:

اگر تجھ کو فرصت نہیں تو نہ آ
مگر ایک اچھا نبی بھیج دے
بہت نیک بندے ہیں اب بھی تیرے
کسی پر تو یارب وحی بھیج دے

مجھے یاد ہے کہ محمد علوی کی غزل ایک اہم اور بے حد مقبول جریدے میں شائع ہوئی

تھی۔ اس کے بعد ان کے شعری مجموعے ''چوتھا آسمان'' میں بھی شامل کی گئی مگر بہ قول سیّد ظفر ہاشمی سترہ سال بعد جب عین عارف کا مضمون دوماہی ''گلبن'' (احمد آباد) میں شائع ہوا تو نہ صرف ان دونوں اشعار کو قابل اعتراض ٹھہرایا بلکہ کفر کا فتویٰ بھی صادر کیا گیا۔ سیّد ظفر ہاشمی نے اس سلسلے میں اظہار خیال کیا کہ:

> محمد علوی نے ان دو شعروں کو جن کی بنا پر انھیں کفر کا فتویٰ ملا تھا، اپنی کتاب سے خارج کرنے کا اعلان کیا ہے اور بارگاہ خداوندی میں صدق دل سے توبہ کرلی ہے، ہمیں یقین ہے کہ محمد علوی نے دانستہ کفر کلامی نہیں کی تھی۔
>
> (''گلبن'' احمد آباد، ستمبر۔ اکتوبر ۹۵ء)

اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کسی پر وحی نازل ہوگی اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ کہنا کہ ''اگر تجھ کو فرصت نہیں تو نہ آ'' یقیناً بے ادبی ہے مگر اس طرح کی شوخی، حسرت اور تمنا سے دامن ادب خالی کب رہا ہے؟ علامہ اقبال نے بھی کہا تھا کہ:

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

رہی بات ''نبی'' اور ''وحی'' بھیجنے کی تو یہاں ابہامی کیفیت اتنی واضح ہوگئی کہ اس نے کفر کے حدود کو چھولیا ورنہ میرؔ کو ''خدائے سخن'' لکھا جاتا ہے اور فضا ابن فیضی نے ''شاعر ایک رسول'' کے زیرعنوان پوری ایک نظم لکھی ہے۔ آیت، حدیث، اور پیمبر وغیرہ جیسے انسلاکات سے تو اردو شاعری بھری پڑی ہے۔ مثلاً یہ شعر:

تفریق کی بدعت ہے، تحقیر کی لعنت ہے
اب فن کے رسولوں میں لفظوں کے خداؤں میں

کفر کا فتویٰ پہلے بھی بہت عام تھا اور اب بھی بات بات پر ایسے فتوے جاری ہوتے رہتے ہیں، ڈاکٹر محمد حسن نے لکھا ہے:

> علامہ اقبال کا یہ شعر:
>
> غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
> نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ
>
> ان کے بدعقیدہ ہونے کی کھلی علامت ہے کیوں کہ انھوں نے حسین ابن

علیؓ کا نام ایک پیغمبر کے ساتھ لیا ہے اور دونوں کو برابر کا مقام دیا ہے۔

(ماہنامہ ''شاعر'' اقبال نمبر۔ص ۱۰۱)

کہنے کو تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ داستان حرم بھلا ''غریب'' اور ''رنگین'' کس طرح ہوسکتی ہے۔ یہ دونوں الفاظ اپنی لجاجت کا اظہار کررہے ہیں اور بے جواز بھی ہیں۔ تذکرہ علامہ اقبال کا چھڑ گیا ہے اور میں ''نعتیہ شاعری کے فنی لوازمات'' پر گفتگو کررہا ہوں تو فن سے متعلق علامہ اقبال کی رائے پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید نے اظہار خیال کیا ہے کہ:

اقبال نے فن کو عبادت کا درجہ دے دیا ہے:

ہے یہی مری نماز، ہے یہی مرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

اور جب فن ہی عبادت ٹھہرے تو فن کار کے خلوص نیت اور اس کے فن کی برگزیدگی اور تقدس پر کون ایمان نہیں لائے گا۔

(''شاعر'' اقبال نمبر ص ۹۰)

نعتیہ شاعری کے فکری اور فنی پہلوؤں پر مدت دراز سے دانش ور ناقدین و علما اظہار خیال کرتے رہے ہیں۔ بعض آرا کی روشنی میں ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کرنا میں بہرحال ضرور متصور کرتا ہوں۔ بہ قول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

نعت کا موضوع اس امر کا متقاضی تھا کہ جدید ہیئتوں میں زیادہ سے زیادہ برتا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا اور ہمارے شعرا عموماً قدیم ہیئتوں خصوصاً غزل کی ہیت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اس مسئلے پر بہ طور خاص غور کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ خطرہ یہ ہے کہ اردو نعت گوئی کی صنف غزل کی ہیئت میں بند ہوکر محض جلسے جلوس میں ترنم سے پڑھنے اور محفلوں میں گانے کا سرمایہ بن کر نہ رہ جائے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب نے جدید ہیئتوں میں نعتیہ شعر کہنے پر پورا زور صرف کیا ہے اور بہ طرز احسن غزل کے فارم میں لکھی جانے والی نعتیہ شاعری پر اظہار ناپسندیدگی کیا ہے۔ غزل بہ ذات خود کبھی اتنی پست معیار نہیں ہوئی کہ صرف جلسہ جلوس اور قوالیوں کی محفلوں

میں ترنم سے گانے کی چیز بن جائے۔ ہاں اس طرح کی محفلوں کے لیے شاعر نہیں، ''سخن ساز'' ایسی سطحی یا عریاں غزلیں لکھتے ہیں جو کوٹھوں اور اکثر قوالیوں میں گائی جاتی ہیں۔ بعض شہرت کے بھوکے اچھے شعرا نے بھی ضرورتاً ایسی غزلیں لکھی ہیں لیکن اس سے غزلیہ شاعری کے معیار پر کوئی خراب اثر نہیں پڑا۔ نعتیہ شاعری طویل مدت تک جلسے جلوسوں ہی میں گائی اور سنائی جاتی رہی ہے۔ اس کے لیے ویسے ہی پلیٹ فارم یا رسائل کے چند صفحات ہی مختص ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب نعتیہ شاعری کا معیار بلند کرنے مشورہ دیتے تو یقیناً ان کی بات زیادہ توجہ طلب ہوتی۔ میں مضمون کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ عہد حاضر میں نئی نئی ہیئتوں میں نعت گوئی کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمارے بعض اہل فن کا خیال ہے کہ غزل کے فارم میں نعت گوئی کو زیادہ فروغ حاصل ہوا ہے۔ یہاں صرف دو حضرات کی آرا اختصار کے ساتھ مندرج ہیں:

> میری نگاہ میں ارادۃً اور عقیدۃً لکھی گئی وہ نعتیں جو فارسی اور اردو میں غزل کی ہیئت میں تحریر کی گئیں، لائق تحسین و آفرین ہیں۔
>
> (ناوک حمزہ پوری)
>
> نعت کا لہجہ اور اسلوب، غزل کے لہجے اور اسلوب سے مختلف نہیں۔ دونوں کا ایک ہی طرز و اسلوب ہے اور بڑی توانا فکر کا متحمل ہے۔
>
> (شارق جمال)

عام طور پر علمائے فکر و فن نے نعت گوئی کو بے حد مشکل فن قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا خیال ہے کہ ''نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں، اس کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی اس میں پرواز مشکل ہے۔'' ڈاکٹر اے ڈی نسیم کے لفظوں میں ''نعت گوئی کا راستہ پل صراط سے زیادہ کٹھن ہے۔'' احمد ندیم قاسمی نے قدرے مختلف انداز میں اپنی بات کہی کہ ''نعت، عشق رسول ﷺ کے بغیر کہی ہی نہیں جاسکتی۔ رسماً کہی جائے گی تو اس کا کھوکھلا پن جلد ہی کھل جائے گا۔'' محمد عبداللہ قریشی نے اظہار خیال کیا کہ ''نعت گو جب تک عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر توحید و رسالت اور عبودیت کے نازک رشتوں میں کامل ہم آہنگی پیدا نہ کرے، جذبات عالیہ، سوز و گداز، رفعت بیاں اور حسن ذوق سے آشنا نہ ہو، اس وقت تک وہ نعت گوئی کے منصب سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔'' میرا ذاتی خیال ہے کہ شعور پختہ ہو، مطالعہ

وسیع ہو، نظر باریک بیں ہو اور زبان و اظہار پر خلاقانہ قدرت حاصل ہو تو شاعر کے لیے کوئی صنف شاعری اتنی مشکل نہیں ہوسکتی جتنی اکابرین نے (بغیر جواز) ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ بے شمار ادب پسند اور مذہب پرست محققین اور اہل رائے نے نعت نگاری کی راہ میں ہونے والی دینی اور شرعی لغزشوں کی جانب بھی اشارے کیے ہیں۔ چند مختصر اقتباسات ملاحظہ ہوں:

اس میں (نعت گوئی میں) تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔

(احمد رضا خاں بریلوی)

حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت مآب کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت گو کو حدود کفر میں داخل کرسکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے، ذرا سا شاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں آسکتا ہے، ذرا سا عجز بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے۔

(مجید امجد)

سرکار اقدس ﷺ کی شان اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزش، خیال و الفاظ اور ایمان و عمل کو غارت کر دیتی ہے۔

(عبدالکریم قمر)

اس (نعت گوئی) کی راہ میں سب سے بڑی لغزش الوہیت اور نبوت کے حدود کو سمجھنے میں ہوتی ہے۔ اکثر شعرا نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے ملا دیتے ہیں۔ مثلاً:

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

یہ شعر توحید کے منافی اور نبوت کی حقیقت کے خلاف ہے۔

(شاہ معین الدین احمد ندوی)

مندرجہ ارباب دانش کے علاوہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے فرمایا ہے کہ "نعت کا جو طرز ہمارے شعرا نے اختیار کیا ہے، وہ بہت قابل اصلاح ہے۔" والی آسی نے اپنا تجربہ بیان کیا

ہے کہ ''ہماری نعت کا دامن ایک حد تک بے ادبی سے آلودہ ہے۔ اکثر شعرا نے اس طرح تخاطب کیا ہے جو کسی قیمت پر روا نہیں اور قابل گردن زدنی ہے۔'' ناز انصاری نے غور طلب مگر چونکا نے والی بات لکھی کہ ''عشق رسول اور جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر آپ نعت گوئی کے لیے قلم اُٹھائیں تو آپ دیوانہ وار قلم برداشتہ نہیں لکھیں گے۔ آپ اس مقام تک جاسکتے ہیں جو کفر و اسلام اور شرک و توحید کی سرحد ہے۔'' پروفیسر محمد اقبال جاوید نے کئی نکات پر سخت تنقید کی ہے۔ ان کے خیال میں ''اکثر نعتیں، غزل کا چربہ ہیں اور غزل مبالغہ آفرینیوں کا دوسرا نام ہے۔ بعض شعرا نے نعت کو بے کیف، بے سوز اور محض بیت بازی بنا کر رکھ دیا ہے۔ دل میں منافقت کے بت چھپا کر نعت نہیں کہی جاسکتی۔ آج اکثر نعتیں علیل جذبوں، اپاہج عقیدوں اور وقتی مصلحتوں کی ترجمان ہیں اور اکثر نعتیں ایسی ہیں کہ حضورؐ کے سراپا کے بغیر انہیں پڑھا جائے تو وہ حمد لگتی ہیں۔'' اس قسم کے اعتراضات کئی دہائیوں سے ارباب فن اور عاشقان رسول اکرم ﷺ کرتے آرہے ہیں مگر اہل قلم حضرات بہ طور حوالہ اشعار پیش نہیں کرتے۔ اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ پیشہ ور علمائے دین سے وہ ڈرتے ہیں کہ ان کے خلاف نہ صرف کوفتویٰ صادر ہوگا بلکہ معاشرے میں ان کا جینا مشکل ہو جائے گا کیوں کہ اس قسم کے نام نہاد اکابرین دین و مذہب کے ساتھ ایک بڑی فوج یا جمعیت ہوتی ہے جو بہر حال ان کی حمایت کرتی ہے اور بعض اوقات شور و ہنگامہ بھی برپا کرتی ہے، دوسری یہ کہ ناقد خود تشکیک کا شکار ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کے اعتراضات غلط نہ قرار دیے جائیں۔ دنیائے ادب میں تو تنقید کی تنقید لکھنے اور نقاد کے نظریۂ فکر سے اختلاف کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ مگر شرعی اور مذہبی معاملات میں تاویلات کے ذریعہ غلط سے غلط بات کو بھی صحیح قرار دینے کا رواج عام ہے اور شاید اسی وجہ سے مسلمان مختلف جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہوئے ہیں اور مسلک و عقائد کی بدعتوں نے نہ صرف انتشار پیدا کیا ہے بلکہ مذہب اور قوم کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

اسلام کی بنیاد اتحاد ہے اور یہ اجتماعیت کا مذہب ہے۔ خدا اور رسول کے ذریعہ عائد کردہ فرائض اس کے گواہ ہیں۔ نماز شہری پیمانے پر تمام مسلمانوں کو جوڑتی ہے تو حج عالمی سطح پر ایک رسی میں بندھے ہونے کا عملی طور پر عرفان کراتا ہے۔ مسلک و عقائد اور ذات برادری کی خلیجیں علمائے دین کی پیدا کردہ ہیں اور خوامخواہ ہیں۔ پیشے سے ذات برادری نہیں بنتی۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات قرآن شریف میں موجود ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان حدیثوں میں

مرقوم ہیں۔ ان کے بعد کے مسائل، مسلمان کو خود ذاتی طور پر حل کرنے ہیں اور ان پر عمل کرنا ہے۔ ایسے معاملات میں علما کی مداخلت کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار فرمایا ہے کہ اپنے ذہن رسا اور عقل سلیم سے کام لو۔ ایسے میں علما کا کسی کو شیطان، ملعون اور منافق وغیرہ قرار دینا سخت اذیت کا باعث ہے کیوں کہ ہر مسلمان کا عمل ہی اس کے کام آئے گا لہٰذا حدیث کی روشنی میں علم کے حصول کی تلقین بہرحال کی جانی چاہیے مگر تفریق پیدا کرنے والا ہر لفظ بجائے خود کفر کا ارتکاب کراتا ہے۔

ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر اگر نعتیہ شاعری کے فنی لوازمات، اسقام و معائب، فکری رویے، موضوع و اظہار اور تعین قدر پر بیباکانہ انداز میں اظہار خیال کیا جائے تو اس سے نہ تو شریعت و مذہب پر کوئی آنچ آئے گی اور نہ اہانت رسول ﷺ کا کوئی پہلو نکلے گا۔ میرے خیال میں ایسے مضامین بہرحال نعت گویوں کے لیے مشعل راہ ہوں گے۔

میں سطور بالا میں مندرج اکابرین و مفکرین کی آرا کی روشنی میں مفصل بات کروں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے اختصار کے ساتھ مدلل گفتگو کرنے کی سعی کروں گا۔

امام احمد رضا خاں صاحب نے قریب قریب وہی بات کہی ہے جو شاہ معین الدین احمد ندوی پہلے یا بعد میں کہہ چکے ہیں۔ احمد رضا صاحب مذہبی اعتبار سے بھی امام ہیں اور شاعر کی حیثیت سے بھی۔ ان کی شخصیت ہر دو اعتبار سے قابل احترام ہے۔ انھیں عربی، فارسی اور اردو کی شعری زبان پر اور الفاظ کے تخلیقی استعمالات پر جو قدرت حاصل تھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے فن اور شخصیت پر ماہنامہ ''قاری'' (دہلی) نے اپریل ۱۹۸۹ء میں ایک ضخیم نمبر شائع کیا تھا اور جناب سراج بستوی نے ان پر قابل قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ ان کے شعر و فن پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی نے ''حدائق بخشش کا فنی و عروضی جائزہ'' کے زیرعنوان بڑی تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے مگر ''حدائق بخشش'' میں اس طرح کے اشعار تمام تر انتخاب و تصحیح کے باوجود موجود ہیں:

تمھاری شرم سے شان جلال حق ٹپکتی ہے
خم گردن ہلال آسمان ذوالجلالی ہے

☆

رضا منزل تو جیسی ہے وہ اک میں کیا سبھی کو ہے
تم اس کو روتے ہو یہ تو کہو یاں ہاتھ خالی ہے

ان دونوں اشعار میں اجتماع ردیفین کا عیب موجود ہے، چند اشعار اور ملاحظہ ہوں:

سب نے صف محشر میں، للکار دیا ہم کو
اے بے کسوں کے آقا! اب تیری دہائی ہے

☆

زائر گئے بھی کب کے دن ڈھلنے پہ ہے پیارے
اُٹھ میرے اکیلے چل کیا دیر لگائی ہے

☆

ہم دل جلے ہیں کس کے، ہٹ فتنوں کے پرکالے
کیوں پھونک دوں اک اف سے کیا آگ لگائی ہے

یہ پوری نعت ''مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن'' (بحر ہزج مثمن اخرب) کے وزن میں کہی گئی ہے۔ پہلے شعر کا مصرع اولیٰ اسی وزن میں ہے مگر مصرع ثانی خارج از بحر ہے (یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مصرع کا پہلا ٹکڑا دوسری بحر مفعول فاعلاتن میں جا پڑا ہے) دوسرے شعر کا مصرعے اولیٰ خارج الوزن ہے (اس کا پہلا ٹکڑا دوسری بحر میں ہے) تیسرے شعر کا بھی پہلا مصرع بے وزن ہے۔ معنوی اعتبار سے بھی ''اٹھ میرے اکیلے چل'' اور ''ہم دل جلے ہیں کس کے'' وغیرہ قابل گرفت ہیں۔ یہ تو ہوئی فنی سقم کی بات۔ اب ان کا یہ شعر ملاحظہ فرمایے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ''یعنی'' کی ''ی'' کا سقوط جائز نہیں ہے۔ معنوی اور فکری اعتبار سے بھی یہ شعر حصار نقد میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لاشریک بھی ہے اور بے پیکر بھی۔ اس نے اپنی قدرت سے بے شمار مخلوقات، اشیا اور بحر و بر کو خلق کیا ہے، جن کا خمیر مختلف ہے۔ اپنے نور سے بھی اس نے ایک پیکر تراشا جو اس کے لیے محبوب ترین تھا۔ وہ نور پیشانئ آدمؑ میں محفوظ ہوا اور محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا۔ اللہ رب العزت چوں کہ بے جسم، بے پیکر اور بے بدن ہے اس لیے دنیاوی محبوب و محب کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔ ویسے بھی محبوب

کے مالک کا درجہ عطا کرنے کا سیدھا اور صاف مطلب ہوا کہ رسول کو خدا کہا یا تسلیم کیا اور یہی وہ مقام ہے جہاں بہ قول حضرت احمد رضا خاں صاحب ''اگر بڑھتا ہے تو الوہیت تک پہنچ جاتا ہے'' اور کشف و کیف کے عالم میں محبِ رسول اگر اس منزل تک پہنچتا ہے تو ادبی اور مذہبی نقطۂ نظر سے یہ کیفیت قابلِ گرفت ہے مگر اللہ بڑا مہربان اور غفور الرحیم بھی تو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا خالق و مالک ہے اور رسول ﷺ ہادی:

خدا خالق ہے ہادی مصطفیٰ اوّل سے آخر تک
یہی قرآں میں ہے لکھا ہوا اوّل سے آخر تک

جناب مجید امجد کی رائے پر نظر مرکوز کیجیے تو تخلیقِ نعت میں کئی ایسی منزلیں سامنے آتی ہیں جب نعت نگار حدودِ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی ''مدح''، قدح میں بدل جاتی ہے۔ شاعرانہ غلو، ضلالت اور عجزِ بیان، اہانتِ نبیؐ کی حد میں لے جاتا ہے۔ نعتیہ شاعری کا ایک سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو ایسے بے شمار اشعار پر نظر رکتی ہے۔ بہت سے اشعار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ خدا اور رسول آخرالزماں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ فرضِ محال اگر ہے تو بس کہیں ''میم'' اور کہیں ''پیکرِ جسم'' دونوں کے درمیان حائل ہے۔ ناوکؔ حمزہ پوری نے اپنے مضمون بہ عنوان ''نعتیہ شاعری'' میں سراج اورنگ آبادی کا یہ شعر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

تو احد ہے نام تیرا احمد بے میم ہے
زیب پانا تجھ صفت سیں ہر ورق قرآن کا

حالاں کہ یہ وہی عقیدہ ہے جس نے آگے چل کر توحید کے قلعے پر شب خون مارا ہے اور شعرا سے یہاں تک کہلوادیا کہ اللہ ہی محمدؐ کے روپ میں مدینے میں زندگی بسر کرچکا ہے۔ نعوذ باللہ من شرو انفسنا۔ غور کا مقام ہے کہ اوتارواد کے ہندو نظریے اور اسلام میں کیا فرق رہ گیا۔

(دوماہی ''گلبن''، نعت نمبر ۱۹۹۹ء)

اس نوع کے بعض اشعار نموتاً پیش خدمت ہیں:

ذات احمد تھی یا خدا تھا
سایہ کیا میم تک جدا تھا

☆

کہاں اب جبہ سائی کیجیے کچھ بن نہیں پڑتا
احد کو کیجیے یا احمد بے میم کو سجدہ

☆

ظاہر ہے کہ لفظ احد و احمد بے میم
بے میم ہوئے عین خدا احمد مختار

☆

طور پر جلوہ تھا جلوہ آپؐ کا
لن ترانی تھی صدائے مصطفیٰ

☆

محمدؐ نے خدائی کی خدا نے مصطفائی کی
کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

☆

عشق کی ابتدا بھی تم حسن کی انتہا بھی تم
رہنے دو راز کھل گیا بندے بھی تم خدا بھی تم

☆

عقل کہتی ہے مثلنا کہیے
عشق بے تاب ہے خدا کہیے

نعتیہ شاعری میں ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جن میں ''ذرا سی لغزش''، ''ذرا سا غلو''، ''ذرا سا عجز'' ہی نہیں عمداً اور قصداً ایسا جارحانہ طرز اختیار کیا گیا ہے جسے میں ''کفر و ضلالت'' سے تعبیر نہ بھی کروں تو گستاخانہ انداز بیان اور سخت قابل اعتراض تخاطب میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بعض اشعار سے میری بات کی توثیق ہوجائے گی:

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

اس شعر میں خدا کی قدرت و عظمت سے انکار اور رسول سے زبردستی جو چاہیں اسے لے لینے کی بات ادب، تہذیب، وحدانیت اور شعریت کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن پاک میں

جگہ جگہ ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر، ما رزقنکم وشکر اللہ، واللہ سریع الحساب وغیرہ آیا ہے۔ انسان کو زندگی بخشنے والا اور موت کا ذائقہ چکھانے والا بھی رب العالمین ہے اور زمین تا عرش خلا میں تیرنے والے کروڑوں کرۂ ارض کا خالق، ناظم اور حاکم بھی وہی خدائے واحد ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اللہ قادر مطلق کے پلے میں محض ''وحدت'' ہے (اور کچھ نہیں) اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاعر یا تو حقائق سے لاعلم ہے یا بیمار ذہنیت کا شکار ہے، اک ذرا اس شعر پر بھی نظر ڈالیے:

ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ
مصطفیٰ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ

خالق کونین نے کائنات کی تشکیل کی اور پھر خاک سے انسان کی تخلیق کی اور اسے ملائک واجنا پر فوقیت دی۔ ساری مخلوقات میں اسے افضل و اشرف ہونے کے درجات سے نوازا۔ اتنا ہی نہیں انسان کو اس نے وہ عقل سلیم اور ذہن رسا عطا کیا جو اس کائنات میں پوشیدہ اسرار و رموز سے پردہ اٹھاسکے۔ رب العزت نے پوری کائنات انسان کے حوالے کردی اور اسے ہر حال میں رزق پہنچانے کا نظم بھی کردیا اور رسول اکرم ﷺ کونین کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے، اس کے باوجود ''شاعر ناآشنائے حق'' کو خدائی اور مصطفائی کا گھمنڈ نظر آتا ہے تو اس کی فکر و نظر پر اظہار تاسف بھی کیا جاسکتا ہے اور اس کی ذہنی حالت پر شک بھی کیا جاسکتا ہے۔ اب ذرا نعت کے ذیل میں شعر ملاحظہ فرمایے:

خدائے پاک کوئی اب نئی زمیں ڈھونڈے
کہ اس محیط پہ جنت نشاں حجاز ہوا

یہ شعر نعتیہ ہوتے ہوئے بھی شاعر کی خبط الحواسی، اندھی عقیدت مندی اور کج فہمی کا غماز ہے۔ خدائے بزرگ و برتر خالق کونین ہے، مالک کل ہے اور سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اسے مشورہ دینا کہ اب وہ کوئی اور زمین تلاش کرے کہ حجاز (مکہ، مدینہ وغیرہ) پر اس کی اجارہ داری نہیں رہی، شاعر کو قعر لعنت تک لے جاتا ہے۔ خدا نے نہ صرف دُنیا کے گوشے گوشے میں نبی اور رسول بھیجے ہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں کرۂ ارض بھی بنائے ہیں اور پھر اس کا مسکن تو سرعرش ہے۔ اس کے باوجود وہ لامکان ہے، لاریب ہے اور لاکلام ہے، وہ ہر جگہ ہے، ہر انسان کے ذہن و دل میں موجود ہے اس لیے اسے کسی خطۂ زمیں کی ضرورت

ہی نہیں ہے۔ اس شعر میں فنی عیب بھی موجود ہے۔ مصرع اولیٰ کا لفظ ''کوئی'' لفظ ''اب'' کے بعد لکھنے کا محل تھا۔ ''خدائے پاک کوئی'' لکھنے سے کسی اور خدا کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ ''اب کوئی نئی زمین'' بامعنی ہوتا مگر ''کوئی اب نئی زمین'' مہمل ہے یا اس میں تعقید لفظی کا عیب ہے۔

جناب عبدالکریم قمر نے قابل قدر سچی بات کہی کہ حضورؐ کی شان میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزش ایمان و عمل کو غارت کردیتی ہے۔ بے احتیاطی یا لغزش عموماً نادانستہ طور پر یا کم علمی کے باعث سرزد ہوتی ہے۔ کبھی کبھی شاعر کی سوچ مغالطے پیدا کرتی ہے اور کبھی کبھی مفہوم نہ سمجھنے کے باعث بھی شدید اعتراضات کے پہلو نکل آتے ہیں مگر بہت سے شعرا نے دانستہ طور پر ایسے اشعار لکھے ہیں جو بہ قول قمر صاحب ایمان و عمل کو غارت کرنے والے ہیں۔ چند اشعار جو بہرحال بیشتر اہل فن کو قابل اعتراض اور لائق مذمت معلوم ہوتے ہیں، میں مندرج کرنے کی اجازت چاہتا ہوں:

غلاموں کو غلامی کا شرف کافی بہت کافی
طبیعت پر گراں سا ہو کرم ایسا بھی ہوتا ہے

نبی کریم ﷺ نے غلاموں کو آزاد کرایا۔ اس بدعت کو ختم کیا لہٰذا غلامی کا شرف اور کرم کا گراں گزرنا دونوں ہی باتیں اتہام کے ذیل میں آتی ہیں۔

حضورؐ پاک شاہی کو مٹانے کے لیے آئے
ملے اذن تخاطب تو کہوں میں کس طرح شاہا

شاعر نے اذن تخاطب حاصل بھی کیا اور ایک صریحاً غلط اعتراض کیا اور حقائق سے چشم پوشی کی۔

یہ قلب سلیم اس کا پڑھتا ہے کلمہ
جیسے الیلے افعی نے اس کو ڈسا ہو

کلمہ پڑھنے سے تسکین قلب اور روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کار ثواب بھی ہے۔ اگر شاعر اس عمل کو سانپ کے ڈسنے سے تعبیر کرتا ہے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ مصرع ثانی ناموزوں ہے۔

ہمیں کیوں یا نبی کہنے سے آخر منع کرتے ہو
نبیؐ سے تم کہو وہ چھوڑ دیں چاہ گری اپنی

نبی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور سراپا رحمت بن کر آتے ہیں۔ بھلا ان سے چارہ گری چھوڑ دینے کے لیے کون کہہ سکتا ہے؟ اور پھر کسی کو یا نبی کہنے سے بھلا کون اور کس طرح روک سکتا ہے۔ یہ شعر نہیں مجذوب کی بڑ ہے۔

ہیں پھیل جاویں تیری طرح ان فضاؤں میں
یوں مجھ کو رنگ و نور کی صورت اچھال دے

''تیری طرح'' گویا نبی کریم ﷺ کی طرح پھیل جانے کی تمنا ان کی ہم سری کے مصداق ہے جو غارت گر ایماں تو ہے ہی!

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

حضور اکرم ﷺ کو ''بے چارگی'' میں اپنے جیسا کہنا یقیناً گستاخی ہے ایسا اظہار قابل مذمت ہے۔ (ایک طرف شعرا نے خدا بنا دیا دوسری طرف اپنے جیسا بے چارہ بند... خدا کی پناہ!)

جناب شاہ معین الدین ندوی نے فرمایا کہ ''شعرا سے نعت گوئی کی راہ میں سب سے بڑی غلطی الوہیت اور نبوت کے حدود کو سمجھنے میں ہوتی ہے۔'' میں سطور بالا میں ایسے دلائل پیش کر چکا ہوں کہ بعض انتہاپسند یا نام نہاد مذہبی شخصیتوں نے محمد ﷺ کو خدا کہنے اور خدا تسلیم کرنے کی شعوری کوششیں کی ہیں اور اس قسم کی نعتیں کہی اور کہلوائی ہیں جو محض نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے نہیں ملاتیں بلکہ یہ عرفان کرانا چاہتی ہیں کہ محمد ﷺ کی شکل میں خدا یا خدا بن کر محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ دوماہی ''گلبن'' کا نعت نمبر شائع ہوا تو بے شمار لوگوں نے مشمولات پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ جناب رام پرکاش (درگ) نے ناوک صاحب کے اور میرے مضمون پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے مراسلے میں لکھا کہ:

> اس سلسلے میں مجھے اپنے بچپن میں سنی ایک نعت یاد آرہی ہے، جو ہمارے علاقے (ضلع ہزارہ صوبہ سرحد حال پاکستان) میں بہت پاپولر تھی اور اکثر زیارتوں، خانقاہوں میں بہ طور قوالی گائی جاتی تھی۔ اس کا

ایک شعر مجھے یاد ہے:

شریعت کا ڈر ہے اگر سچ بتا دوں
محمدؐ جہاں میں خدا بن کے آیا

(دوماہی ''گلبن'' احمد آباد، جولائی۔ اگست ۹۹ء)

چند دنوں قبل ڈاکٹر خورشید جہاں (صدر شعبۂ اردو، ونو بھاوے یونی ورسٹی۔ ہزاری باغ) سے حضرت آسی غازی پوری کے محولہ شعر کے معنوی پہلو پر میں بات کررہا تھا تو انھوں نے بھی اس شعر کے وہی معنی بتائے جو آسی صاحب کے شعر سے برآمد ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اس قسم کے اشعار تو بہت زیادہ کہے گئے ہیں۔ انھوں نے کسی نعت کا ایک مصرع بھی سنایا جسے انھوں نے اپنے بچپن کے زمانے میں سنا تھا بلکہ اس کا ریکارڈ ابھی تک ان کے آبائی وطن کے مکان میں موجود بھی ہے۔

محمدؐ خدا ہیں، خدا ہیں محمد

حضرت آسیؒ کے شعر پر ان کی زندگی میں بھی اعتراضات ہوئے تھے اور اب تک اس شعر کا مطلب یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ خدا جو مستوی عرش ہے (یا تھا) وہی مدینے میں مصطفی ﷺ بن کر اُتر پڑا ہے۔ یہ شعر سہ ماہی ''الکوثر'' میں زیر بحث آیا تو ''ایک شعر کی تفہیم'' کے زیر عنوان ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی نے اس کی تشریح وتعبیر تاویل کے ساتھ پیش کی:

> وہ (خدا) تو اب بھی مستوی علی العرش ہے۔ مدینے میں اُترنا نزول صفات کے اعتبار سے ہے، جیسے آفتاب آئینے میں اترتا ہے یعنی جیسے آفتاب اپنے مستقر میں ہوتا ہے لیکن انوار و تجلیات کے اعتبار سے آئینے میں منعکس ہوجاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح وہ ذات بے نیاز تو آج بھی مستوی علی العرش ہے لیکن اس نے اپنی صفات وتجلیات کا مظہر اتم بنا کر جناب مصطفی ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے جو طیبہ میں جلوہ ریز ہیں۔

حضرت آسیؒ غازی پوری نے اس شعر سے متعلق فرمایا تھا کہ ''جہلا اس پر اعتراض کریں گے مگر ان کے اعتراض کا جواب مصرع اولیٰ میں موجود ہے۔'' معلوم نہیں جہلا سے ان کی کیا مراد تھی۔ بڑے اور بزرگ شاعر کے شعر پر کوئی باریک بیں، نکتہ رس اور صاحب نظر دانش ور ہی اعتراض کرسکتا ہے۔ ہمیشہ بلند و بالا شخصیات اور اہم و معیاری تخلیقات و کتب ہی

زیر بحث آتی ہیں کیوں کہ:

اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ بزرگی اور شاعری دو الگ چیزیں ہیں۔ شعری، فنی اور فکری التزامات پر بات ہو تو بزرگی کو کبھی ڈھال بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ زیر بحث شعر کے مصرع اولیٰ میں لفظ ''وہی''، ''مستوی عرش'' اور ''ہوکر'' قابل غور ہیں۔ ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب نے لفظ ''وہی'' اور ''ہوکر'' کے معنوی در و بست کو اپنی تشریح میں نظر انداز کردیا ہے۔ وہی اتر پڑا کے معنی قطعی یہ نہیں لیے جاسکتے کہ مدینے اترنا نزول صفات کے اعتبار سے ہے یا انوار و تجلیات کے اعتبار سے ہے۔ جو آئینے میں منعکس ہوجاتا ہے۔ دراصل شعر میں معنوی عیب ردیف ''ہوکر'' نے پیدا کیا ہے۔ ''ہوکر'' کے محل استعمال سے ہم سب واقف ہیں۔ یہ لفظ ایسے شخص و شخصیت کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو اس سے قبل اس مقام یا عہدے پر فائز نہ رہی ہو۔ جیسے یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر فاروق صاحب یو جی سی کے چیئرمین ''ہوکر'' جا رہے ہیں، چلے گئے یا کسی جگہ سکونت پذیر ہوگئے۔ کبھی کبھی یہ لفظ اس کے برعکس بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فلاں صاحب نے عقل مند ''ہوکر'' بھی ناعقلی کا ثبوت دیا وغیرہ۔ سچی بات یہ ہے کہ مصرع اولیٰ میں ردیف (ہوکر) چسپاں ہی نہیں ہوئی۔ ''وہی جو مستوی عرش ہے'' لکھنے سے بات پوری ہوجاتی ہے۔ ''ہوکر'' نہ صرف زائد ہے بلکہ خدا کے مرتبے اور شان کے خلاف بھی ہے۔ اتر پڑنا کے معنی کسی اونچی جگہ سے نیچے (دفعتاً) آجانے کے ہیں۔ یہ عمل ہمیشہ مجسم ہوتا ہے۔ اس لیے تاویل کے ساتھ پیش کردہ ڈاکٹر فاروق صاحب کا آخری جملہ بھی قابل قبول تو کیا قرین قیاس بھی نہیں ہے۔ آئینے میں آفتاب کے اُترنے کی مثال بھی عجیب و غریب ہے۔ آئینہ روشنی یا شعاع کو کبھی جذب نہیں کرتا، ہمیشہ اسے Reflect کردیتا ہے۔ صداقت یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ بہ ذات خود نور خداوندی کا جزو تھے اور اس سے معمور تھے لہٰذا دوبارہ انوار و تجلیات کا اترنا تشکیک بھی پیدا کرتا ہے اور غور و خوض کی دعوت بھی دیتا ہے کیوں کہ سرور کائنات تمام تر اوصاف و تجلیات سے حصول نبوت سے قبل ہی متصف ہوچکے تھے۔ ان پر صرف وحی کا نزول ہوا کرتا تھا۔ (نور پیکر اور تجلی افروز تو وہ خود تھے) میں ایک ادنیٰ ''گنہگار ادب'' ہوں۔ حضرت آسیؔ جیسی برگزیدہ ہستی کے فکر و خیال کو حیطۂ اعتراض میں لانے کی بجائے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ان کا شعر ''المعنی فی بطن الشاعر''

کے مصداق ہے۔

دنیائے شعر میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ نعت میں غیر محسوس طریقہ پر غزل کے اشعار داخل ہوجاتے ہیں اور غزل میں ایسے شعر وارد ہوجاتے ہیں جن کا رخ موڑ دیا جائے تو وہ خالصتاً نعت کے شعر قرار دیے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید نے لکھا ہے:

> حضرت احسان دانش کی وفات سے دس بارہ دن پہلے ان سے بڑی تفصیلی ملاقات ہوئی۔ میرے ساتھ میری بیوی، ان کی بہن فہیم فریدی اور ہماری عزیزہ، اکادمی ادبیات پاکستان کی نسیم خواجہ بھی تھیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اس ملاقات کو نہیں بھولے گا۔ حضرت احسان دانش نے شعر سنایا:
>
> ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں
> ترے نقش کف پا ڈھونڈنے کو
>
> میں نے کہا چچا! یہ نعت کا بہت خوب صورت شعر ہے۔ مرحوم نے فرمایا نہیں! میں نے نعت میں یہ شعر نہیں کہا۔ گفتگو کا سلسلہ کسی اور طرف مڑ گیا۔ دس پندرہ منٹ بعد احسان دانش مرحوم نے کہا۔ ''تم نے سچ کہا، یہ نعت ہی کا شعر ہے۔
>
> (ادبی جائزہ ۱۹۹۷ء، ماہنامہ ''صریر'' کراچی، مئی ۹۹ء، ص ۷۰)

میں غالب کا یہ شعر بارہا نعتیہ شعر کے ذیل میں سنتا آیا تھا:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

جناب ناوک حمزہ پوری نے لکھا ہے کہ ''اے کاش غالب نے یہ شعر بہ ارادۂ نعت کہہ کے اپنی عاقبت سنوار لی ہوتی۔ حال یہ ہے کہ غالب نے یہ شعر تجمل حسین خاں کے لیے چند ٹکے کی امید میں کہا تھا۔'' اب بعض نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں جو رُخ موڑنے پر بھی غزل ہی کے شعر معلوم ہوتے ہیں:

طبیعت میں وہ قدرتی شرم جیسے
کہ پردہ نشیں کوئی ناکتخدا ہے

دید گل اور بھی کرتی ہے قیامت دل پر
ہم صفیرو ہمیں پھر سوئے قفس جانے دو
ایک دن آواز بدلیں گے یہ ساز
چہچہا کہرام ہو ہی جائے گا

اردو میں بلند پایہ نعتیہ شاعری کی کمی نہیں ہے۔ حفیظ جالندھری کی شاہنامۂ اسلام تاقیامت زرافشانی کرتا رہے گا۔ امام احمد رضا خاں کا اردو اور فارسی نعتیہ کلام فنی اور معنوی دونوں اعتبار سے دنیا بھر میں پسند کیا گیا ہے۔ حمید صدیقی نے نعت گوئی کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا۔ ان سب کے یہاں اعتدال پسندی ہے۔ ماضی بعید میں طویل طویل مثنویاں لکھی گئیں۔ معراج کے موضوع پر سید بلاقی، مختار نامی ایک شاعر، نصرتی اور قربی ویلوری نے کئی کئی سو بلکہ کئی کئی ہزار اشعار پر مشتمل مثنویاں قلم بند کیں۔ باقر آگاہ نے رسول اکرم ﷺ کے حالات و معجزات پر نو ہزار اشعار کہے اور شاہ عبدالحئ احقر نے سیرت طیبہ کو موضوع سخن بنا کر تقریباً بیس ہزار اشعار پر مشتمل مثنوی لکھی جسے مولانا رومؒ کی مثنوی کا بدل قرار دیا گیا ہے۔ فی زمانہ ایسی شاہکار طویل منظومات تو نہیں لکھی جا رہی ہیں مگر ہر مکتبۂ فکر کے شعرا صنف نعت کو ادبی معیار کے مطابق فروغ دینے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔ بہ قول ڈاکٹر انور سدید:

> کثرت ایسے شعرا کی ہے جو غزل کہتے ہیں تو غزل کی فضا کو قبول کر لیتے ہیں لیکن جب نعت کی کیفیت ان پر طاری ہوتی ہے تو لاشعور غیرارضی فضا میں پرواز کرتا اور نغمۂ نعت اس کے قلم کو پر افشاں کر دیتا ہے۔

(ماہنامہ ''صریر'' کراچی۔ ماہ مئی ۹۹ء)

اس رائے سے بھی یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ غزل کے فارم میں فن نعت گوئی ارتقا پذیر ہے اور بکمال، بالغ نظر اور اقدار نو پر نظر رکھنے والے غزل گو شعرا فنی اور ادبی لحاظ سے زیادہ معیاری نعت تخلیق کر رہے ہیں۔ اس تناظر میں غور کریں تو ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور مولانا جلال الدین عمری کے فرمودات نظر ثانی کے ملتجی ہیں۔ بلاشبہ اچھا غزل گو شاعر نعت کہتے وقت بھی فن کارانہ انداز اظہار برقرار رکھتا ہے اور وہ نعت کے ذریعے عقائد و مسلک کی تبلیغ کا مرتکب نہیں ہوتا۔

موجودہ عہد میں مسلک و عقائد اور بدعتوں کو کچھ اس قدر فروغ حاصل ہوا ہے کہ نعتیہ شاعری کا چہرہ بھی بڑی حد تک مسخ ہوگیا ہے۔ متقدمین اور متاخرین دونوں نے اس مقدس فن کو نقصان پہنچایا ہے۔ ایک طبقہ نے خدا کو محمدؐ اور محمدؐ کو خدا بنا کر پیش کرنے کی قابل نفریں کوشش کی ہے تو دوسرے نے مبالغہ کی انتہا کردی ہے۔ ایک حلقہ نے تحقیر آمیز لب ولہجہ میں ان کی شان میں گستاخی بھی کی ہے۔ ایسے تمام اقدامات جارحیت کے غماز ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنے کو غلو سے بچاؤ۔ غلو ہی نے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے۔'' خود اپنے بارے میں بھی مبالغہ آمیز باتیں نبی کریم ﷺ کو سخت ناپسند تھیں اور وہ اپنے مصاحبین و شعرائے کرام کو اس سے بچنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ایک بار معروف شاعر حضرت کعب بن زہیرؓ نے اپنا بلند معیار ادبی نوعیت کا قصیدہ بہ عنوان ''بانت سعاد'' آپ کی خدمت میں پڑھا، جس میں رسول ﷺ کی تعریف میں یہ معرکۃ الآرا، حاصل قصیدہ شعر بھی تھا:

ان الرسول لنور یستضاء به

و صارم من سیوف الهند سلول

رسول اللہ نے قصیدہ سن کر نہ صرف اس کی تعریف کی بلکہ اپنا پیراہن مبارک حضرت کعب بن زہیرؓ کو عنایت فرمایا اور اس شعر میں ''من سیوف الھند'' کی جگہ ''من سیوف اللہ'' لکھنے کا مشورہ دیا۔ اس اصلاح سے شعر کی معنویت میں اضافہ ہوگیا اور شعر فنی وفکری لحاظ سے قابل قدر ہوگیا۔ اسی طرح ایک بار کعبؓ بن مالک نے اپنے چند اشعار آپ ﷺ کو سنائے۔ یہ شعر حبیب خدا کی تعریف میں تھا:

مجالدنا عن جذمنا كل فخمته

مذرية فيها القوانس تلمع

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''عن جذمنا'' کی بجائے ''عن دینا'' لکھو۔ یہ اصلاح حضرت کعب بن مالک کو بے حد پسند آئی اور انھوں نے شعر میں ترمیم کرلی۔ ان دو مثالوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ بہ ذات خود شاعری کے رموز وفن سے بہ خوبی واقف تھے اور وزن و بحر پر انھیں قدرت حاصل تھی۔ ''سیوف الھند'' اور ''سیوف اللہ'' ہم وزن ہیں اور مفاعیلان کے وزن میں ہیں۔ اسی طرح ''جذمنا'' اور ''دینا'' (فاعلن) ہم وزن ہیں۔

ہمارے رسول اللہ ﷺ بہ شوق شعر سنتے بھی تھے اور اچھے اشعار یا منظومات کی

تعریف بھی کرتے تھے۔ شعر و ادب پر ان کی گہری نظر تھی اور انھوں نے عربی شعر و ادب کا بالاستیعاب مطالعہ بھی کیا تھا۔ اس کی توثیق مندرجہ ذیل اقتباس سے یقیناً ہوجائے گی:

حضور ﷺ نے امراء القیس کے متعلق جو اسلام سے چالیس سال پہلے ہوا ہے، ارشاد فرمایا ''ھو الشعر الشعراء قائدھم الی النار'' یعنی وہ شاعروں میں سب سے بڑا شاعر ہے لیکن انھیں جہنم کی طرف لے جانے والا لیڈر بھی ہے۔ اس ارشاد سے ظاہر ہے حضور ﷺ اعلیٰ درجے کی شاعری کے مرتبہ شناس بھی تھے اور امراء القیس کی شاعری کے موضوع کو ناپسند کرنے کے باوجود اس کے ''کمال شاعرانہ'' کا اعتراف فرماتے ہیں۔ (عبدالمجید سالک، ''ذکر اقبال'' ص۸۸)

شاعری ایک بڑا فن ہے اور اعلیٰ درجے کی شاعری کے ساتھ ساتھ پست معیار شاعری بھی ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ نعتیہ شاعری مشکل، مقدس اور قدر اول کی شاعری ہے مگر ہر دور میں محفلوں اور جلسوں میں ایسی شاعری سننے کو ملتی رہی ہے جو فنی اور علمی دونوں لحاظ سے کم تر درجہ کی اور سطحی ہوتی ہے۔ اس میں نہ صرف عام فنی خامیاں ہوتی ہیں بلکہ زبان، محاورہ اور وزن و بحر کی فاش غلطیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔ اس کا انداز پیش کش بھی اکثر لچر اور سوقیانہ ہوتا ہے۔ اس لیے نعتیہ شاعری کو فنی اور فکری دونوں لحاظ سے زیادہ معیاری، زیادہ بلیغ اور زیادہ بامعنی بنانے کی ضرورت ہے کیوں کہ اس کا براہ راست تعلق اس ذات اقدس سے ہے جو کونین میں عالی مرتبت ہے اور منبع فضل و کمال ہے۔ جس نے شعر کے فنی محاسن کا بھی ادراک کرایا ہے اور شاعری کو بھی اعتبار بخشا ہے۔ بے شک وہ حبیب اللہ بھی ہیں اور رحمت للعالمین ﷺ بھی اور مخزن شعر و ادب بھی۔ انھوں نے اپنے بارے میں خود ارشاد فرمایا ہے:

''انما بعثت معلما''

❖☆❖

شفقت رضوی (کراچی)

گفتنی ناگفتنی

ان دنوں لوگ شاداں اور نازاں ہیں کہ حمد و نعت سرائی کا عام شعور بیدار ہو رہا ہے۔ کیا مسلم اور کیا غیر مسلم شعرا، سب کی زبانوں پر حمد و نعت جاری ہیں۔ زیادہ تر نعتیں لکھی جارہی ہیں۔ نعت خوانی کی محفلیں آراستہ ہورہی ہیں۔ لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے نعت کی گونج میلوں دُور تک سنائی دے رہی ہے۔ میلادالنبی کے جلسوں میں خوش الحان مقرر و نعت خواں آواز کا جادو جگا رہے ہیں۔ اجتماعات کا آغاز حمد و نعت سے ہوتا ہے۔ رسائل کے ابتدائی صفحات پر حمد و نعت کا نور بکھرا نظر آتا ہے۔ بات دل خوش کن سہی باعث طمانیت نہیں ہے، ممکن ہے میرے آخری فقرے سے پڑھنے والوں کی تیوریاں چڑھ جائیں۔ دراصل میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر کام کو دل کے جذباتی پیمانے سے نہ جانچا جائے کبھی کبھی دل کے ساتھ پاسبان عقل بھی رہے تو کیا برا ہے۔

ہر فن کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ان کی پابندی اور پاسداری کیے بغیر جو چیز تخلیق کی جائے اسے فن پارہ نہیں کہا جاسکتا۔ شاعری کے لیے علم/ادراک، احساس، جذبہ یا تفکر، فن شعریت اور قوت اظہار ضروری ہیں۔ ان عناصر کی یک جائی سے تاثیر پیدا ہوتی ہے جو شعر گوئی کا غیرارادی مقصد ہوتا ہے۔ شاعری اصناف میں منقسم ہے ہر صنف میں متذکرہ لوازمے قدرے تبدیلی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حمد و نعت کے لیے علم، اخلاص، محبت، عقیدت اور شعریت لازم ہیں۔ علم سے مراد وہ سرکاری طور پر متعینہ نصاب تعلیم نہیں جو حصول ڈگری اور اس کے ذریعے حصول معاش مطلوب ہو۔ ہماری مراد اس علم سے ہے جو ابدی اور آفاقی قدروں کو اُجاگر کرکے روح کی شادمانی اور طمانیت کا باعث بنے۔ ایسا علم کتابوں سے بھی حاصل ہوتا ہے تجربہ سے بھی اور معاشرتی و خاندانی روایات سے بھی! اس کی بنیادیں مذہب، قرآن، احادیث،

اسوۂ حسنہ اور تاریخ اکابرین میں ملتی ہیں۔ اس علم کو جو بھی نام دے لیں وہ علم دنیاوی سے برتر و افضل ہوتا ہے۔ علم دُنیا مادّیت تک محدود ہے یہ علم امکانی اور لامکانی حدود پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔

حمد و نعت کہنا ہر ایک کے امکان و اختیار میں ہے لیکن حمد و نعت کا حق ادا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ وہی اس مرحلہ پر کامیاب ہوتا ہے جو موضوع کے اعتبار سے حق شناس اور مرتبہ شناس ہو۔ مرتبہ شناسی کے بغیر حمد گوئی اور نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوسکتا اور مرتبہ شناس وہی ہوسکتا ہے جو موضوع کی مناسبت سے علم رکھتا ہو۔ میں حمد کو عبادت کا درجہ دیتا ہوں اور نعت کو جزو ایمان تسلیم کرتا ہوں، حکم الٰہی ہے کہ میرے محبوب کو کثرت سے یاد کرو اور جب یاد کرو تو درود بھیجو۔ عبادت بغیر علم و نیت بے معنی ہے درود شریف بغیر محبت اور عقیدت صرف الفاظ کا مجموعہ ہے، تقاضۂ محبت ہے اپنے آپ کو مرکز الفت کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی کا۔ خود کو ان کے نقش پا بنانے کا، ان کی ہر ادا کو ذات میں جذب کرنے اور ان کے نام پر جان کو نثار کرنے کے عزم کا۔ محبت زبانی اظہار اور اقرار کا نام نہیں، محبت دل و جاں کی بالیدہ وارفتگی کا نام ہے۔ محبت کے اپنے آداب ہوتے ہیں جن میں فنا فی الذات محبوب کی خواہش درجۂ اولیٰ پر ہوتی ہے۔ وہ انسانی تہذیب کو سنوارتی ہے اور ایمان کے استحکام کا باعث بنتی ہے۔ محبت وہ جذبہ ہے جس کی ابتدا مرتبہ شناسی (علم) سے ہوتی ہے اور جس کی انتہا عقیدت و ارادت پر ہوتی ہے۔ چاہے ذات خداوندی ہو یا ذات محبوب الٰہی، ان کے مرتبہ کو جانے بغیر حمد یا نعت کہنا کھیل ہوا لڑکوں کا دیدۂ بینا نہ ہوا۔

بلاشبہ خدا اور رسول سے کسی بندہ کا دلی اور روحانی تعلق کس نوعیت کا ہے اس کا فیصلہ تعلق کا اظہار کرنے والے اور جن سے تعلق کا اظہار ہو رہا ہے وہی کر سکتے ہیں، نیتوں کا حال جاننا نہ مبصر کے لیے ممکن ہے اور نہ نقاد یا محتسب کے لیے۔ لیکن خدا نے عقل سلیم بھی دی ہے اور اس کا مصرف اپنے حدود میں رہتے ہوئے دلائل اور شواہد کو کام میں لاتے ہوئے فیصلہ کرنا بھی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ کا رخ بدل رہا ہے اکثریت دائمی قدروں کو خیرباد کہہ کر وقتی مصلحتوں سے کام لے رہی ہے۔ آج کا انسان دنیا کی رنگا رنگی میں کھویا ہوا ہے یا انکار و آلام کی شدت سے بے حال مجبور ہے ہر دو صورتوں میں وہ کہتا ہے ''طبیعت ادھر نہیں آتی۔'' اس کے باوجود حمد و نعت سے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں، تو عقل کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے یہ تو رسم دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے اور ضرورت بھی۔ علم سے بے بہرہ، مرتبہ شناسی کے نااہل،

محبت اور عقیدت سے نابلد، فن شاعری کے زور پر جو حمد اور نعت کہہ رہے ہیں ان کا کلام یا تو خود تراشیدہ لفظوں اور مہمل تراکیب کا مجموعہ ہے یا فن اور زبان پر مہارت کا نمونہ۔ اس میں ظاہرہ شعر گوئی کے لوازمات موجود ہیں لیکن اس جذبۂ روحانی کا عکس نہیں جس سے تاثیر پیدا ہوتی ہے حالاں کہ تاثیر کے بغیر شعر ایک نامکمل تصویر ہے جس کی کوئی پہچان نہ بنتی ہو۔ اب تو یہ حال ہے کہ جس نے فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن کی گردان سیکھ لی، وہ علم، جذبہ اور خیال کی تحریک کے بغیر شعر ''بناتا'' جاتا ہے۔ دو، ایک حمد اور نعت لکھ کر خود کو ثناخوانوں کے مقدس گروہ میں شامل سمجھنے لگتا ہے۔ اب اردو شاعری اتنی ترقی کر چکی ہے کہ شاعر کی ذات علم ظاہری و باطنی سے ماورا ہوگئی ہے۔ جس نے کبھی کسی مکتب میں جھانکا بھی نہ ہو اور کسی کتاب کو منہ لگایا بھی نہ وہ بہ زعم خود ''مفکر عصر'' بنا بیٹھا ہے۔ وہ علم عروض کے تقاضوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کی مرضی وہ چاہے تو بے وزن شعر لکھے یا نثر لکھ کر اس پر نظم کی تہمت لگائے۔ لوگ ایسی باتیں جدت اور ترقی پسندی کے نام پر قبول کر لیتے ہیں۔ اب شعر کی خوبیاں نہیں دیکھی جاتیں، شاعر کی خوش گلوئی کی داد دی جاتی ہے۔ افراتفری کے شکار معاشرہ میں شاعر اور سامع دونوں اپنے فرائض سے غافل ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شاعری (حمدیہ اور نعتیہ شاعری بھی) کمیت کے اعتبار سے وسیع ہوتی جا رہی ہے اور کیفیت کے اعتبار سے سکڑتی جا رہی ہے۔

علم اور مرتبہ شناسی، محبت اور عقیدت کے بغیر حمد و نعت گوئی کو پرخلوص اظہار حقیقت کے بجائے اشاعت اور تشہیر کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ حمد و نعت اس لیے لکھی جا رہی ہیں کہ رسائل میں چھپے، ریڈیو پر پڑھ کر چیک حاصل کیا جائے یا ٹی وی پر رونمائی حاصل کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حمدیہ یا نعتیہ شاعری شاید ہی کسی شاعر کی شناخت بن سکی ہو۔ یہ نکتہ بھی لائق غور ہے کہ آخر شاعری کیوں کی جاتی ہے؟

اس کا سیدھا سادا اور آسان جواب شہرت حاصل کرنا ہے شاعر اپنے کلام کی اشاعت کے ذریعہ تشہیر چاہتا ہے۔ یہ رویہ عام شاعری میں تو ہے اب مذہبی اور نیم مذہبی نوعیت کی شاعری میں بھی یہ چلن عام ہوتا جا رہا ہے اس سے چھوٹے یا بڑے گم نام یا نام آور کی کوئی تخصیص نہیں ہے وہ جو شہرت کے نام عروج پر پہنچے ہوئے ہیں وہ بھی ہوس زر و زن کے علاوہ ہوس شہرت سے آزاد نہیں۔ اس کی مثال میں مفکر عصر، شاعر انقلاب، بیسویں صدی کے نام نہاد سب سے بڑے شاعر کو پیش کیا جا سکتا ہے جو کارل مارکس کو روئے زمیں پر ''اولین پیغمبر'' بتلاتا

ہے جس کی زندگی کی ہر شب شراب کہنہ اور شباب تازہ میں گزری ہے۔ جس کا فلسفۂ شاعری یہ ہے کہ:

دانا ہے اگر تو شاعری کو سمجھو
کہتا ہوں جو بات اسے گرہ میں باندھو
"کیا بات کہی ہے" اس پر نہ اڑو
"کس طرح کہی گئی ہے" اس کو دیکھو

جس کے کلام کا تین چوتھائی حصہ تضادات کا شکار ہے جو گنہگاری کو مردانگی اور بے گناہی کو نامردی سمجھتا ہے اگر سورۂ رحمٰن کے ایک حصہ کا منظوم ترجمہ کردیتا ہے تو کیا اس کار ثواب کے عوض اس کو گروہ "صالحین" میں شمار کرلینا جائز ہے اور مذہبی نوعیت کی شاعری کے انتخاب میں اس کو جگہ دینے کا اعزاز بخشنا مناسب ہے؟ جبکہ مرنے سے کچھ پہلے اس نے اعلان کیا ہو کہ مذہبی نوعیت کا کلام اس کے بالغ ہونے سے قبل کا ہے اور اسے منسوخ سمجھا جائے۔ اس شاعر سے حصول شہرت کی ہوس نے حمد، نعت، منقبت اور مرثیے لکھوائے۔ ایسے ہی ایک شہرت پسند شاعر کا تعارف علی حیدر ملک نے بھی کروایا ہے راوی چوں کہ معتبر ہے اس لیے اس کے بیان کا حوالہ مناسب ہے۔ علی حیدر ملک نے لکھا ہے:

> میں نے ایک شاعر کو نجی محفلوں میں ان گنہگار کانوں سے اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور قرآن پاک سے متعلق ایسی باتیں کرتے سنا ہے جو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہیں بلکہ خلاف عقل اور مسلمہ تاریخ کے برعکس ہیں لیکن غضب خدا کا ایک دن ان گنہگار آنکھوں نے اچانک دیکھا کہ شاعر موصوف ٹی۔ وی کے پردے پر نعت سے والہانہ لگاؤ کا اظہار کررہے ہیں اور نعت و صاحب نعت کے بارے میں قوم کو اپنے ارشادات عالیہ سے سرفراز فرمارہے ہیں۔
>
> (ضمیر نیازی کے نام کھلا خط مشمولہ سہ ماہی "روشنائی"، شمارہ ۲، ص ۴۷)

اگر میں "مفکر عصر" اور "شاعر خوش بیاں" کے حوالے سے اور ذاتی تجربوں سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ یہ رویے انفرادی نہیں ہیں بلکہ اجتماعی صورت اختیار کرچکے ہیں تو میں حق بجانب ہوں۔ اس بات کا میں ہی قائل نہیں ہوں، ڈاکٹر فرمان فتح پوری جیسے وسیع علم اور وسیع

تجربہ رکھنے والے صائب الرائے بھی قائل ہیں کہ جن کی زندگی اسلامی اصولوں کی ضد ہے وہ بھی حمد و نعت سے نام آوری کے طلب گار رہتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے:

> ایسے ایسے شعرا کے نعتیہ مجموعے منظر عام پر آگئے ہیں جن کے قول و فعل ہیں ارتعاش جذبات کا حضور کے اسوۂ حسنہ سے دور کا واسطہ بھی نظر نہیں آتا بلکہ بعض کی عملی زندگی تو اسوۂ حسنہ کے بالکل برعکس بسر ہو رہی ہے۔
>
> (ڈاکٹر فرمان فتح پوری: پیش لفظ ''اردو نعت'' تاریخ و ارتقا از فضل فتح پوری، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۷)

ان شاعروں میں ایسے نامور بھی شامل ہیں جن کے ایک ہاتھ میں جام ہوتا ہے دوسرے ہاتھ میں وہ قلم جس سے وہ نعت تحریر کرتے ہیں اور دنیا بھر کی زبانوں میں اس کے ترجمے کروا کر عالم گیر شہرت بٹورتے ہیں۔ ان سب کے اعمال ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ ہم چوں کہ خوش عقیدہ اور روادار لوگ نہیں اس لیے ہر سیاہ کو سرخ، ہر بد کو خیر اور ہر سراب کو صداقت مان لیتے ہیں۔ ہمارے رویے سے ان کو شہ ملتی اور مقدس اصناف کی پامالی ہوتی ہے۔ دراصل یہ وہ بازی گر ہیں جو دیتے ہیں دھوکہ کھلا۔

ہمارے خیال میں شعر گوئی کا جواز اسی وقت بنتا ہے جب شاعر خلوص نیت سے اپنے علم، اپنے حسی جذباتی اور فکری زاویوں کو شعری تلازمے کے ساتھ پر تاثیر انداز میں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ شعر مافی الضمیر کی ترجمانی ہے جس کے پاس ضمیر ہی نہ ہو اس کا مافی الضمیر کیا ہوگا؟ اچھی شاعری وہ ہے جو تاثیر رکھتی ہو، جس سے دل کے تار جھنجھنا اٹھیں، جسے سن کر دماغ کے تمام دریچے وا ہو جائیں، جسے پڑھ کر روح پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے۔ ان میں کوئی ایک خصوصیت بھی ہو تو شاعری لافانی ہو جاتی ہے اور کلام، شاعر کی شناخت بن جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں مافی الضمیر کی پر خلوص ترجمانی اور فن اور زبان کی پاسداری سے وہ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جو شاعر اور شعر کو لافانی بنا دیتی ہے۔ اردو شاعری میں جتنے بڑے نام ہیں ان میں ہر ایک کی جداگانہ شناخت ہے۔ میر کے شعر اقبال سے منسوب کریں، غالب کے شعر پر داغ کا حوالہ دیں، اقبال کے شعر کو فیض سے منسوب کریں، کوئی صاحب علم قبول نہیں کرے گا۔ کبھی ایک قصیدہ، ایک مثنوی، ایک مرثیہ، ایک نظم، ایک غزل،

ایک رُباعی حد یہ کہ ایک شعر شناخت بن جاتا اور زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ دراصل شناخت پیدا کرنا ہی فطری شاعر کا شیوہ ہوتا ہے۔ اردو شاعری کے تذکروں کی ورق گردانی کریں چالیس پینتالیس ہزار شاعر ان میں دفن ہیں۔ ان کی اہل الرائے سے شناخت کروائیں تو تعداد سو، دو سو سے آگے نہیں بڑھے گی، اسی طرح حمد و نعت گو شاعروں کی جملہ تعداد بھی ہزاروں سے کم نہیں جبکہ شناخت بنانے والے شاعر اتنے ہیں کہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اس کی اہم وجہ وہی ہے جس کا ہم نے بار بار ذکر کیا ہے۔ تنقید سے پہلو تہی اور غیر ضروری رواداری۔ حمد و نعت کو مختلف حوالوں سے غیر اہم قرار دینے کی سعی کی گئی اور ان کے بارے میں عام رجحان یہ رہا کہ یہ تخلیقی نوعیت کی فن کارانہ شاعری نہیں ہے بلکہ محض رسمی کارروائی ہے اور خود شعرائے کرام نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے عام خیال کو غلط قرار نہیں دیا۔ ہمیشہ یہ سمجھا گیا کہ کثرت کلام ہی شاعری کا مقصد ہے۔ حمد و نعت پر مشتمل درجن بھر کتابیں تصنیف کر دینے سے ہی شناخت نہیں بنتی۔ ان میں اگر دو چار شعر بھی دل کی گہرائیوں سے کھلے ہوں اور ان میں فنی خوبیوں کے ساتھ بھرپور تاثر ہو تو وہ شعر بھی زندہ رہ سکتے ہیں اور ان کا شاعر بھی۔ ہمارا مقصد کثرت کی مخالفت نہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو اس سے ترغیب ہوتی ہے اور ممکن ہے ترغیب پانے والوں کے اندر ایسا شاعر موجود ہو جو اس سے تحریک پا کر اچھے حمدیہ اور نعتیہ اشعار کہہ جائے۔ لیکن ہم اس بات پر اصرار کریں گے کہ شعرا کمیت کے بجائے کیفیت پر توجہ دیں۔ اس طرح ہر شاعر کم از کم ایک حمد یا نعت کی وجہ سے حیات جاوید کا اپنے آپ کو اہل ثابت کرسکے۔ یہاں عصر حاضر کے شعرا کا حوالہ دیتے ہوئے میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی ہم نوائی کو ضروری سمجھتا ہوں۔

انھوں نے سراج الدین ظفر کا حوالہ اپنے ایک مضمون میں دیتے ہوئے لکھا ہے:

> سراج الدین ظفر کا لہجہ دوسرے خراباتی اور خمریاتی شاعروں سے مختلف ہے۔ وہ بہت سجا کر شعر کہتے ہیں اور اردو میں شعری صناعی کے نمائندوں میں سے ایک ہیں۔ ظفر مضبوط شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے نعت بھی اپنے لہجۂ خاص میں کہی ہے:
>
> سبوئے جاں میں چھلکتی ہے کیمیا کی طرح
> کوئی شراب نہیں عشقِ مصطفیٰ کی طرح

قدح گسار ہیں ان کی اماں میں جس کا وجود
سفینہ دو سرا میں ہے ناخدا کی طرح
(نعت رنگ، شمارہ ۹، صفحہ ۴۵)

ظفر کو ان کے جذبات خلوص، محبت اور عقیدت کے علاوہ حسن بیان کی بنا پر نعت گو شاعروں میں شمار کرنا بے جا نہیں کہ موضوع، شعریت اور تاثیر کے امتزاج سے وہ اپنی شناخت منوالیتے ہیں۔ یہ ہنر کم کم نظر آتا ہے۔ اگر علم ہے تو محبت اور عقیدت کا فقدان، اگر ان کا اجتماع ہے تو شعریت اور تاثیر پیدا کرنے سے قاصر رہتے ہیں اس کی بنیادی وجہ توجہ اور خلوص کی کمی ہے نام اور کام کی اشاعت کی ہوس ہے۔ اس نے علمی اور ادبی معیار کو ختم کردیا ہے ہر سال شائع ہونے والی کتابوں، باقاعدگی سے شائع ہونے والے رسائل کے بارے میں پوچھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ''کاغذ کے وزن کے اعتبار سے بہت بھاری ہیں۔ معیار کے وزن کے لحاظ سے بالکل ہلکے۔''

شعرا، مدیران رسائل و جرائد اور حمد و نعت کے انتخاب شائع کرنے والے میری گزارشات پر توجہ دیں۔ شعرا ان اصولوں سے گریز نہ کریں جو اچھی اور بڑی شاعری کے لیے ضروری ہیں۔ مدیران رسائل و جرائد حمدیہ و نعتیہ کلام شائع کرتے ہوئے سختی سے معیار کو ملحوظ رکھیں اور کلام کے انتخاب کرنے والے اپنے ذرائع سے یہ بھی معلوم کرلیں کہ شاعر کی زندگی اس کے کلام سے کس حد تک مطابقت رکھتی ہے۔ عام شعری انتخاب میں چاہے کتنی ہی آزاد روی سے کام لیا جائے، حمد و نعت کے معاملہ میں احتیاط ضروری ہے کیوں کہ جب قاری کے سامنے کسی شاعر کی گھناؤنی تصویر موجود ہو اور وہی شاعر چہرہ بدل کر حمد گو یا نعت گو بن کر سامنے آتا ہے تو قاری اسے ''منافق'' قرار دیتے ہوئے اس کے کلام کو پڑھنے کا بھی روادار نہیں ہوتا۔

☆

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

''غزل میں نعت کی جلوہ گری''

(ایک جائزہ)

لغت میں ''غزل'' کے جو معنی لکھے گئے ہیں وہ ہیں، ''عورتوں سے باتیں کرنا''، ''عورتوں کے حسن و جمال کی باتیں کرنا۔'' ''نظم کی ایک صنف جس میں عشق و محبت کا ذکر ہوتا ہے۔'' اس کا ایک مطلب ''حکایت'' بھی ہے (فی زمانہ غزل اپنی محدود تعریف سے آگے نکل چکی ہے اور اس میں زندگی سے متعلق ہر قسم کے مضامین سمیٹ لیے گئے ہیں) اسی طرح لغت میں ''نعت'' کے لیے لکھا ہے۔ ''مدح و ثنا'' مگر یہ لفظ اب صرف حضور اکرم ﷺ کی تعریف میں کہے گئے مدحیہ اشعار تک محدود ہے۔

ہم نے ان دونوں الفاظ کے معنی و مطالب کا تعین اس لیے کیا ہے تاکہ اس باب میں کوئی شک نہ رہے کہ دونوں طرح کے اشعار کا فرق واضح ہو سکے۔ سیاق و سباق سے ہٹا کر کسی بھی عبارت کا کوئی بھی مطلب نکالا جا سکتا ہے۔ مگر یہ وہ مطلب ہرگز نہ ہوگا جو سیاق و سباق کے ساتھ اس کا منتہائے مقصود تھا۔

ہمارے محترم جناب ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنے مضمون ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' (مطبوعہ نعت رنگ شمارہ ۹) میں ہمیں بتانے کی کوشش کی ہے کہ غزلوں کے بہت سے اشعار اپنے معنوی قرائن لامحدود کی طرف سفر وغیرہ کی وجہ سے نعت کے اشعار ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے بہت سے اشعار پیش کیے ہیں اور انھیں اپنے وضع کردہ پیمانے پر نعت کا شعر قرار دیا ہے۔ واضح ہو کہ انھوں نے ان اشعار کے بارے میں یہ نہیں کہا ہے کہ ان اشعار میں نعت کی جلوہ گری بھی موجود ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ نعت کے شعر ہیں۔ ان کے اسی پیمانے کی رو سے پھر کل بہتوں کو نعتوں میں غزل کی جلوہ گری دکھائی دے سکتی ہے۔ کچھ ایسی ہی

وجوہات کی بنا پر میں چاہوں گا کہ اس ضمن میں کچھ میری معروضات کو بھی سنا جائے۔

جب کوئی شاعر خود ہی کچھ اشعار سنانے سے قبل یہ بتادے کہ یہ غزل کے ہیں تو اس کے ہر شعر کے معنی غزل کی تعریف ہی کے پس منظر میں نکالنا لازم ہو جائے گا۔ کیوں کہ لفظ نعت کی موجودگی میں شاعر کا بہ ذات خود اپنے اشعار کو غزل کے اشعار قرار دینا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے یہ اشعار نبی کریم ﷺ کی شان میں نہیں کہے ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ ہمیں یا آپ کو غزلیہ اشعار میں جس میں شاعر نے اپنے کسی محبوب کی تعریف کی ہو کوئی ایسی صفت نظر آئے کہ آپ اسے نعتیہ شعر کے خانے میں ڈالنا پسند کریں تو یہ آپ کا اپنا معاملہ ہوگا۔ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ جو چیز جس کے لیے کہی گئی ہے اسی کے لیے رہے گی، خصوصاً اس صورت میں جب کہ کہنے والے نے ابتدا ہی میں اعلان کر دیا ہو کہ یہ باتیں کس سے منسوب کی جائیں بلکہ میرے نزدیک یہ ایک معیوب بات ہوگی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بات کسی اور کے لیے کہی گئی ہے اسے کسی اور کے سامنے اس سے منسوب کر کے پیش کر دیا جائے۔

یہاں پر معنی و مطالب سے متعلق ایک دلچسپ قصہ بھی سن لیں۔ جس زمانے میں میں میٹرک کا طالب علم تھا۔ ہمیں جو ماسٹر صاحب اردو پڑھاتے تھے وہ بہت سنجیدہ اور مذہبی قسم کے تھے۔ ان کی باتوں سے اکثر انداز ہوتا تھا کہ وہ اس بات کے سخت مخالف ہیں کہ کچی عمر کے لڑکے لڑکیوں کو غزل پڑھائی جائے۔ مگر نصاب میں تھی اور وہ مجبور تھے۔ انھوں نے اس مشکل کام سے نمٹنے کے لیے ایک طریقہ یہ نکالا تھا کہ ہمیں ابتدا میں ہی سمجھا دیا تھا کہ غزل کے اشعار کے معنی دو طرح سے بیان کیے جاسکتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ عشق مجازی بھی ہوتا ہے اور عشق حقیقی بھی۔ وہ ہمیں کسی اندازے سے معانی و مطالب سمجھاتے تھے اب ذرا اسے سنیے، حسرت موہانی صاحب کا ایک شعر نصاب میں تھا:

وصل کی شب ہو یوں بسر دل میں نہ ڈر کا ہو گزر
سب یہ قبول ہے مگر خوف سحر کو کیا کروں

اس شعر کے معنی انھوں نے ہمیں کچھ اس طرح بتائے تھے کہ شاعر خدا سے اس قدر لو لگائے ہوئے ہے کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس سے علاحدہ ہونا پسند نہیں کرتا۔ وصل کی شب کو انھوں نے تہجد کی نماز پڑھنے والی رات قرار دیا تھا اور خوف سحر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ شاعر پورے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت گزاری کرتے ہوئے سوچ رہا ہے کہ صبح

ہوتے ہی ذکر وفکر کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا اور دنیاوی کام اسے گھیر لیں گے جس کی طرف اس کا دل مائل نہیں ہے۔

آج جب میں اس بات کو یاد کرتا ہوں تو مسکرائے بغیر نہیں رہتا۔ اس واقعے میں کچھ نکتے پوشیدہ ہیں، یعنی شعر کے معنی و مطالب نکالنے میں قاری کو خاصی آزادی ہوتی ہے۔ جیسی اس کی فہم وفکر ہو۔ اس کی فہم اور اس کے نظریات و عقائد سب اس میں اپنا رول ادا کرسکتے ہیں۔ اسی طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقائد رنگین عینک کی طرح ہوتے ہیں جسے آنکھوں پر لگا لینے کے بعد نظر آنے والی اشیا کا رنگ بدل جاتا ہے حالاں کہ ان کا اصل رنگ کچھ اور ہوتا ہے۔

ہمارے معزز و محترم صاحب علم ناقد ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے اپنے مضمون ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' میں بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو ان کی نیت کی صداقت کے باوجود حقیقت سے دُور کی ہیں۔

اگر ان کی طرح آپ شعرا کے اشعار کو سمجھنے کی سعی کریں گے تو میں سمجھتا ہوں کہ اردو شاعری کا ایک بہت بڑا حصہ ''نعت'' کہلانے کا مستحق ٹھہرے گا۔

(۲)

اب میں چند باتیں ان اشعار کے ضمن میں کرنا چاہوں گا جو اس مضمون ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' کے اندر شامل کیے گئے ہیں۔

اس میں سب سے پہلا شعر جو لکھا گیا ہے، وہ ہے:

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں
ترا نقشِ کفِ پا ڈھونڈنے کو

جناب کشفی نے اسے نعت کا بہت اچھا شعر قرار دیا ہے۔ میں ان کی پسندیدگی کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا۔ حضور اکرمؐ کا نقش کف پا تو اس کائنات کے ذرّے ذرّے پر مرتسم ہے۔ مگر مندرجہ بالا شعر میں جو الفاظ ہیں ان کے وسیلے سے مطلب نکالا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نقش عنقا ہے اور صورت یہ ہے کہ ہوائیں (جو اس کرۂ ارض کو محیط کیے ہوئے ہیں) وہ بھی اس کی تلاش میں بولائی ہوئی ہیں۔ ماری ماری پھر رہی ہیں۔ (گویا کہیں نظر نہیں آرہا ہے) کم از کم مجھ کم فہم کی سمجھ میں یہی آرہا ہے۔ اسے نعت کا شعر ہی نہیں کہا جاسکتا چہ جائے کہ

''بہت اچھا''۔

جناب کشفی نے غالبؔ کا ایک شعر لکھا ہے جو غالب نے تجمل حسین خاں کے لیے اپنی مدحیہ غزل میں کہا تھا۔ زبان خلق نے بے شک اسے نعت کا شعر بنادیا ہے۔ مگر یہ جاننے کے بعد کہ شاعر نے اسے ایک ''عام آدمی'' کی شان میں خوشامدانہ انداز میں پیش کیا تھا مجھ سے یہ جرأت سرزد نہیں ہوسکتی کہ میں اسے ''رشک بشر'' کی ذات گرامی سے منسوب کر دوں۔ میں تو اسے غالبؔ بدنصیبی کہوں گا کہ اس سے ایک اتنا اچھا نعتیہ شعر سرزد ہوا تھا جسے اس نے بالکل غلط جگہ پیش کرکے بہت کچھ کھو دیا۔ یہ جیسا بھی ہو یہ تھا ایک عام آدمی کے لیے۔ اور کسی صاحب علم کو اسے سید عالم کے بارگاہ عالیہ میں پیش کرنے سے دور بھاگنا چاہیے۔

جناب کشفی نے غالب کے ایک اور شعر کا ذکر کیا ہے:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف، سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

وہ لکھتے ہیں ''غالب کے نزدیک جنت کی معنویت اسی صورت میں ابھر کر سامنے آسکتی تھی کہ وہ کسی کی جلوہ گا ہو۔ غالب نے یہ مضمون دعائیہ انداز میں باندھا ہے یہ ندرت اسلوب کی مثال ہے ورنہ اسے یقین تھا کہ جنت جلوہ گاہ مصطفیٰ ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی اہل ایمان کے لیے جنت ہے۔''

یہ جناب کشفی کی عقیدت کا کمال ہے کہ انھوں نے مندرجہ بالا مطالب اس شعر سے اخذ کیے۔ حالاں کہ ان مطالب کا اس شعر میں کوئی شائبہ نہیں ملتا۔ غالب کے جس ''یقین'' کی بات انھوں نے کی ہے اسے سامنے رکھئے اور شعر میں موجود الفاظ کی انگلی تھامئے۔ آپ کو فوراً اندازہ ہو جائے گا کہ یہ ایک ''شک'' بھرا شعر ہے۔ ''خدا کرے ایسا ہو'' ہم کب کہتے ہیں؟ جب یقین نہ ہو۔ اس شعر میں غالب بے یقینی کی کیفیت میں ہیں اور یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ اسے حضور اکرم ﷺ سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی سوچ سکتا ہے کہ جنت میں حضور اکرم ﷺ نہیں ہوں گے؟

جناب کشفی نے غالب کی ایک غزل ''نہیں ہوں میں'' کے تین اشعار لکھ کر فرمایا ہے کہ ان تینوں میں ''سرکار ختمی مرتبت سے تخاطب ہے۔'' میں یہاں اپنی بات صرف ''تخاطب'' کے حوالے سے کروں گا۔ یہ اشعار حضور اکرم ﷺ سے تخاطب کے زمرے میں کسی بھی طرح

نہیں آتے۔ آپ اسے بے شک اللہ تعالیٰ سے تخاطب کہہ سکتے ہیں کہ شاعر انسان کی عظمت و رفعت کے حوالے سے رب العزت کے دربار میں اپنی رسائی کے لیے کچھ کہہ رہا ہے۔ (بے شک اس میں جو حوالے ہیں وہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی سے مستعار لیے جاسکتے ہیں) مگر ''تخاطب'' رسول کریم ﷺ سے نہیں۔ غالب نے اگر خود بھی کہا ہو تب بھی اشعار ان کے دعوے کی نفی کرتے ہوں۔

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

شاعر اپنے کو آسمان کے برابر کس بنیاد پر کہہ سکتا ہے؟ صرف بشر کی عظمت کی بنیاد پر اور بشر کی عظمت کا حوالہ حضور اکرم ﷺ ہی ہوسکتے ہیں۔ تو یہ تخاطب حضور اکرم ﷺ سے تو نہیں ہوسکتا۔ یہ مکالمہ خدا سے ہی ہوسکتا ہے اذن باریابی یا قرب و رسائی کے لیے۔

جناب کشفی نے اقبال کا ایک شعر نقل کیا ہے:

اے باد صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بے چاری کے دیں بھی گیا دُنیا بھی گئی

انہوں نے اس شعر کی تعریف میں لکھا ہے۔ ''اس شعر کی بلاغت پر غور کیجیے۔ یہ شعر ادب کے سمندر میں بہتے ہوئے گلیشیر کی طرح ہے۔'' میں حیران ہوں کہ اس میں کون کون سی صفات ایسی ہیں جنھوں نے جناب کشفی کو اتنا مسحور کیا۔ اس میں کوئی صنعی ہے نہ فن کاری بلکہ یہ نثر نما شعر ہے۔ اس کی نثر بھی بنائیں تو یہی بنے گی۔ بات بھی بالکل صاف ہے۔ خود بہ قول جناب کشفی یہ بات حالیؔ پہلے ہی کہہ چکے ہیں:

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

اور حالی کا شعر سادہ ہونے کے باوجود ایک سیدھا شعری آہنگ رکھتا ہے جو اقبال کے شعر میں نہیں۔

جناب کشفی نے مولانا حسرت موہانی کے کئی اشعار درج کر کے لکھا ہے:

''حسرت کی افتادِ طبع کو سامنے رکھیے... پھر فیصلہ کیجیے کہ کیا ان اشعار کو نعت کے حوالے اور حب رسول کریم ﷺ کے تناظر کے بغیر سمجھا جاسکتا ہے:

ہیچ ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے
رتبے عشاق کے اس کے بھی سوا ہوتے ہیں

میں سمجھتا ہوں کہ یہاں بھی جناب کشفی کے جملے حیرت زدہ کرنے والے ہیں۔ حسرت کی اُفتادِ طبع کو سامنے رکھیں تو وہ ہمہ رخی نظر آتی ہے۔ (وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے) اس قسم کے مصرعے انھی کے ہیں۔ ان کے عشق میں "ارضیت" بھی موجود تھی۔ جب کہ حسرت نے بہت سے اشعار کہے ہیں اور اسے انھوں نے خود نعتیہ قرار دیا ہے، تو کیا یہ زیادتی نہ ہوگی کہ جن اشعار کو انھوں نے غزلیہ کہا ہے اسے ہم اپنی مرضی سے نعت کے شعر قرار دے دیں؟ (یہ الگ بات ہے کہ ان کے معنی و مطالب میں آپ کو وہ کچھ نظر آتا ہے جس کی بنا پر آپ ان کی خانہ بندی کرتے ہوئے کچھ اور سوچیں۔ یہ فعل آپ کا نجی معاملہ ہوگا۔ اس پر آپ متفق ہونے کے لیے دوسرے سے اصرار نہیں کرسکتے)

اس اوپر میں نے جناب کشفی کا نقل شدہ جو شعر لکھا ہے، یہ کس طرح نعت کا شعر کہا جاسکتا ہے؟ اگر یوں ہوتا تو شاعر اس شعر میں یقیناً اپنے عشق کو عشق کے رتبے کی انتہا قرار دیتا۔ مگر اس شعر میں حسرت نے صرف ایک بات کہہ کر کہا ہے کہ "رتبے عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں۔"

صاف نظر آرہا ہے کہ جس کی شان میں یہ شعر ہے اسے حضور اکرمؐ کی ذات گرامی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ "اس سے بھی سوا" کے الفاظ ذہن میں رکھیں تو آپ کو میری دلیل سے اتفاق کرنے میں کوئی عذر مانع نہ ہوگا۔

جناب کشفی نے فیض احمد فیض کے چند اشعار لکھ کر انھیں نعتیہ قرار دیا ہے۔

مثلاً یہ شعر:

رنگ و خوشبو کے، حسن و خوبی کے
تم سے تھے، جتنے استعارے تھے

مجھے یہ شعر نعتیہ نظر نہیں آتا۔ پہلے یہ دیکھیے کہ اس میں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اگر "تھے" کے بجائے "ہیں" ہوتا۔ یعنی شاعر کہتا کہ رنگ و خوشبو حسن و خوبی کے جتنے استعارے "ہیں" وہ تم سے ہیں۔ تو ہم بہ قول جناب کشفی "فیض صاحب کے ارشاد کی روشنی میں" اسے نعت کا شعر مان لیتے کہ حقیقت یہی ہے۔ لیکن شعر میں "تھے" کے استعمال کے بعد

مطالب اور ہو جاتے ہیں۔اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کسی کھو جانے والے محبوب کا ذکر کر رہا ہے جو واضح طور پر ’’کسی اور محبوب‘‘ کا ہی ہو سکتا ہے۔

اسے نعت کا شعر قرار دینا زبردستی ہی کہلائے گا۔حضور کی ذات گرامی سے منسوب ہو جانے والا کوئی استعارہ ماضی کا قیدی بن ہی نہیں سکتا۔

بالکل! اسی طرح فیض کا یہ شعر جو جناب کشفی نے مضمون میں لکھا ہے قطعاً نعت کا شعر قرار نہیں دیا جاسکتا:

رحمت حق سے جو اس سمت کبھی راہ ملے
سوئے جنت بھی براہ رہ جاناں چلیے
(کتاب کی غلطی سے ’’رہ‘‘ ’’راہ‘‘ چھپا ہے)

اس میں جو لفظیات ہیں وہ نعت سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ ہم اپنی عقیدت ظاہر کرنے کے لیے اس میں ’’جاناں‘‘ وغیرہ کا استعمال نہیں کرتے تاہم بحث کے لیے اسے بھی مان لیں تو بھی اس کا مفہوم کچھ یوں نکلتا ہے کہ شاعر جنت کے حصول پر اتنا زور نہیں دے رہا ہے جتنا کہ ’’رہ جاناں‘‘ کا اسے لحاظ ہے۔ اس نے اگر نعتیہ شعر لکھا ہوتا تو اسے پھر یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ رحمت حق سے جو اس سمت کبھی راہ ملے۔ حضور کے اسوۂ حسنہ پر صحیح طور سے گامزن ہونے والے کے ذہن میں ’’اگر‘‘ کا یا ’’کبھی‘‘ کا تصور ہی نہیں ہونا چاہیے کہ یہ تو طے ہے کہ اللہ نے جنت انھی کے لیے بنائی ہے جو آنحضور ﷺ کے بتائے ہوئے رستے پر چلیں گے۔ اس شعر کے پہلے مصرع کو غور سے پڑھ لیں اس میں ’’جو‘‘ اور ’’کبھی‘‘ پر توجہ دیں تو میرا مفہوم کھل کر سامنے آسکتا ہے۔ یہ دونوں شعر کسی ’’اتفاق‘‘ کی سمت اشارہ کر رہے ہیں۔ کسی ’’یقین‘‘ کے آئینہ دار نہیں۔

جناب کشفی نے سراج الدین ظفر کو ’’رند باصفا‘‘ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ’’انھیں نسبت رسول امین ﷺ پر بڑا اعتماد تھا، اور اس کا اعتماد غزل کے اس شعر میں ڈھل گیا۔

دیرینہ مراسم بت چالاک سے رکھیے
اُمید کرم پھر شہ لولاک سے رکھیے

بلا کسی واضح ثبوت کے کسی کی جانب سے کسی اور کو کوئی Statement دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ بھلا کسی ایسے شعر کو جس میں شاعر نے کسی بت چالاک سے مراسم رکھنے پر

اصرار کیا ہو نعتیہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اور اس کے بعد پھر شہ لولاک سے امید کرم کی بات کی گئی ہے۔ کس قسم کے کرم کی؟ اس کا ذکر نہیں مگر پہلے مصرعے کے پیش نظر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ کرم بت چالاک سے تعلقات کی استواری سے ہی متعلق ہوگا۔ اب ان باتوں کے پیش نظر غور کرلیں کہ یہ شعر کس قسم کا ہے۔ معلوم نہیں کس طرح جناب کشفی کو اس میں نعت کی جلوہ گری کا احساس ہوا۔

☆☆

مجھے ایسا لگتا ہے کہ جناب کشفی کو یہ مضمون لکھنے کا خیال فیض احمد فیض کے اس ارشاد کے بعد آیا ہوگا جس میں انھوں نے جناب کشفی کے ایک سوال سے بچنے کے لیے کہا تھا۔ ''اگر آپ نے ہمدردی اور دل بیدار کے ساتھ میری غزل کا مطالعہ کیا ہوتا تو نعت کے اشعار مل جاتے۔''

فیض صاحب نے بڑی ہوشیاری سے اپنا دفاع کیا تھا اور جناب کشفی اس کے سحر میں آگئے۔ (فیض کی شاعرانہ ساحری کچھ ایسی ہی تھی) حالاں کہ ان کے سارے اشعار کے مفاہیم ان کی ایک نظم ''دو عشق'' کے پس منظر میں ہی نکلتے ہیں۔ جس میں انھوں نے ایک عشق ''لیلائے وطن'' سے کیا ہے اور دوسرا.. کسی ارضی محبوب یا ''کمیونسٹ نظریے'' سے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی شاعری اپنے حسن میں کسی مصنوعی ذرائع کی محتاج نہیں۔

میں اس حد تک جناب کشفی سے متفق ہوں کہ اردو غزل کے بے شمار اشعار میں نعت کے اشعار جیسا رنگ ہے۔ لیکن میں اس بات کی تائید نہیں کرسکتا کہ انھیں نعت کا شعر کہہ کر انھیں مشتہر کیا جائے۔ یوں سمجھ لیں کہ غزل میں نعت کی جلوہ گری دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں مگر ان اشعار کو نعت کا شعر نہیں کہا جاسکتا۔ نماز پڑھنے کے لیے ہم جو حرکات کرتے ہیں انھیں ''نیت'' کے بغیر کریں تو یہ حرکات نماز نہیں کہی جاسکتیں، کوئی ان میں نماز کی جلوہ گری دیکھے تو یہ ایک دوسری بات ہوگی۔ بالکل اسی طرح جب تک واضح طور پر شاعر نے اعلان نہ کیا ہو کہ شعر نعتیہ ہے یا اس کے اندر ایسے الفاظ نہ آئے ہوں جو اسے نعت کا شعر ہی بناتے ہوں، تب تک غزل کے اشعار کو نعت کا شعر نہیں کہا جاسکتا۔

جناب کشفی کے مضمون میں جگہ جگہ ''یہ نعت کے شعر ہیں'' جیسے جملے لکھے ہیں۔ میں

سمجھتا ہوں اچھا ہوتا کہ اس قسم کے جملے نہ لکھتے بلکہ یوں لکھتے کہ ''ان اشعار میں نعت کی جلوہ گری دیکھی جاسکتی ہے'' تو بات بن سکتی تھی۔

کہتے ہیں کہ اچھے شعر کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ کسی کے اس حق پر معترض نہیں ہوا جاسکتا۔ وہ جو مطلب چاہے نکالے۔ مگر حقائق کو اگر بدلا جائے گا تو پھر نشان دہی کی گنجائش ضرور نکلے گی۔ کوئی صابن کو حلوہ سمجھ کر کھائے۔ کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے لیکن وہ اگر اس بات پر اصرار کرے کہ یہ صابن نہیں حلوہ ہے تو پھر اس کی بات رد ضرور کی جائے گی۔

جناب کشفی نے متعدد شعرا کے اور اشعار بھی یہ کہہ کر لکھے ہیں کہ ''اب کسی تمہید تبصرے کے بغیر چند اور غزل گو شاعروں کی 'غزلوں' کے 'نعتیہ شعر' پیش کیے جاتے ہیں۔'' (واضح ہو کہ شعرا نے انھیں خود نعت کے شعر نہیں کہا ہے بلکہ یہ بات جناب کشفی نے ڈکلیر کی ہے) مثلاً پیرزادہ قاسم کا شعر ہے:

اک لمحۂ قربت کا طلب گار رہا چاند
انساں کے لیے کب سے تھا آغوش کشا چاند

جناب کشفی نے اسے بہ طور نعتیہ شعر لکھا ہے۔ مجھے بے حد حیرت ہے کہ کس بنا پر؟ جب کہ اس میں واضح طور پر ''انسان'' کا ذکر ہے۔ اسے ہم ''آرم اسٹرانگ'' (غالباً یہی نام تھا اس خلا باز کا جو چاند پر پہلی بار اُترا تھا) کے لیے کہہ سکتے ہیں۔ اسے تو معراج کے واقعے سے بھی نہیں جوڑ سکتے۔ کہاں عرش خداوندی کہاں چاند!

جناب کشفی نے اپنے اس مضمون کے آخری تین صفحات پر جو اشعار لکھے ہیں۔ ان کا مضمون سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔ یہ سب کے سب نعت کے اشعار ہیں۔ نعتوں سے لیے گئے ہیں یا ان میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو واضح طور پر صراحت کرتے ہیں کہ انھیں حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے نسبت ہے، جیسے عثمان رمز کا یہ شعر:

پہنچ جاتا ہوں میں اک جست میں شہر مدینہ تک
اگرچہ سرزمین خواب ناہموار ہوتی ہے

یا جلیل عالی کی نعت۔ (وہ شاید اصرار کریں کہ یہ غزل تھی کیوں کہ وہ لکھتے ہیں اس غزل پر نعت نہیں لکھا ہے بلکہ ''ﷺ'' کا اختصاریہ استعمال کیا گیا ہے تو کیا یہ اس بات کا اعلان نہیں کہ یہ

غزل نہیں ہے بلکہ نعت ہے؟) اسی طرح انھوں نے سلیم کوثر کی نعتوں سے اشعار دیے ہیں۔ حالاں کہ مضمون کے عنوان کے پیش نظر انھیں صرف ان اشعار تک خود کو محدود رکھنا چاہیے تھا جن میں انھوں نے نعت کی جلوہ گری دیکھی تھی مگر جو اصلاً غزل کے شعر تھے۔

ڈاکٹر طارق جمیل فلاحی
(شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی)

حضرت حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ ...شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم

''شاعر رسول کے اشعار کی کاٹ کفار کے لیے تلوار کی دھار سے زیادہ کاری ثابت ہوئی...''

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اسلام کی مذہبی شاعری کے بانی تھے... ایک شاعر، مؤرخ دافع عن الدین، شاعر بلاط، شاعر دین و سیاست اور شاعر جنگ کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ قرآن مجید کے مواعظ حسنہ اور رسول پاکؐ کے کلمات طیبہ کی تعریف و توصیف میں کبھی کبھی نغمہ سرا ہوجاتے تھے۔ اور چوں کہ یہ اشعار دل کی گہرائی سے نکلتے تھے اور تعریف و توصیف کی جیتی جاگتی تصویر پر مشتمل ہوتے تھے۔ اس لیے خاص و عام کے دلوں پر تلاطم کی کیفیت پیدا ہوجاتی۔ اس قافلے کے اہم ترین مخضرمی شعرا میں عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ قابل ذکر ہیں، لیکن اسلامی شعرا کی اس ٹیم کے سرخیل حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔

نام ونسب

نام حسان، کنیت ابوالولید، عبدالرحمٰن اور بہ قول بعض ابوالحسام تھی۔[1] سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار، وھو تیم اللہ بن ثعلبۃ بن عمرو بن الخزرج بن حارثہ بن ثعلبۃ وھوالعنقاء، بن عمرو مزیقیا، بن عامر بن ماء السماء بن حارثۃ الغطریف بن امرأ لقیس البطریق بن ثعلبۃ البھلول ابن مازن بن الازد بن العوث، بن منبت بن مالک بن زید بن کہلان بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

سیّدنا حضرت حسان بن ثابتؓ کا تعلق قبیلہ خزرج کی معزز ترین شاخ بنونجار سے تھا۔ والد کا نام ثابت اور دادا کا نام المنذر تھا۔ اتفاق سے باپ دادا کا تعلق قبیلہ اوس اور خزرج

دونوں سے تھا اور دونوں کا شمار اشراف قوم میں ہوتا۔ ان کے دادا منذر بن حرام نے اوس و خزرج کے درمیان جنگ سمیحہ کے موقعے پر فریق ثانی کا تاریخی رول ادا کیا تھا۔

حضرت حسانؓ اپنے والد و والدہ دونوں کی طرف سے قبیلہ خزرج سے تھے۔ والدہ کا نام فریعہ بنت خالد بن قیس بن لوذان تھا۔ وہ خزرج کے خاندان بنو ساعدہ سے تھیں اور رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ کی بنت عم ہوتی تھیں۔ انھیں بھی قبول اسلام اور صحابیہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔[☆۲] حضرت حسانؓ نے ان کا نام اس شعر میں ظاہر کیا ہے:

امسیٰ الجلابیب قد عزوا و کثروا
و ابن الفریعة امسیٰ بیضه البلد[☆۳]

ولادت

حضرت حسانؓ کی ولادت ۵۶۳ء میں ہوئی۔[☆۴] ابن سعد کے مطابق ۵۹۰ء میں ہوئی۔[☆۵] یعنی ہجرت نبویؐ سے ساٹھ پینسٹھ برس پہلے یثرب میں پیدا ہوئے۔ اور ہجرت نبوی ﷺ کے موقع پر ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا جتنا عرصہ جاہلیت میں گزارا، قریب قریب اتنا ہی عرصہ وہ حالت اسلام میں جئے اور پہلی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے عمر میں تقریباً سات آٹھ برس بڑے تھے۔[☆۶]

حالات زندگی

ابوالولید حسان بن ثابت الانصاریؓ زمانۂ جاہلیت میں پرورش پا کر بڑے ہوئے۔ شاعری کو پیشہ بنایا اور اسی کے سہارے زندگی بسر کی۔ حضرت حسانؓ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ ممتاز حضری (شہری) شاعر تھے۔

حضرت حسانؓ بنونجار کے قبیلہ خزرج سے تعلق ہونے کے ناطے یمانی و قحطانی دونوں تھے۔ اس طرح ملوک شام کے آل جفنہ (غسانہ) اور عراق کے لخمیین سے قریبی رشتہ و تعلق تھا۔ یہاں پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ان سب کا مورث اعلیٰ عمرو بن عامر بن ماء السماء تھا۔ چوں کہ عرب مؤرخین انصار کو قحطان کی اولاد سمجھتے ہیں اس لیے ان کی تاریخ قحطان کے عہد سے شروع کرتے ہیں۔ قحطان کی اولاد میں عبدشمس نامی ایک شخص تھا جو سبا کے لقب سے مشہور ہے اور یمن کی سبائی سلطنت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے دو بیٹے حمیر اور کہلان تھے۔ علمائے انساب کا کہنا ہے کہ سرزمین یمن میں کہلان اور حمیر کے لوگ کثیر تعداد میں آباد تھے۔

ان دنوں عمرو بن ماء السماء اشراف قوم میں شمار ہوتا تھا۔ جب سیل عرم (مآرب بند کا ٹوٹنا) کا حادثہ پیش آیا تو خاندان کے بھائیوں میں اختلافات پیدا ہوگئے۔ مال و متاع، باغات و اراضی کی تقسیم میں شدید کش مکش پیدا ہوئی۔ اس تباہی و بربادی کا پیش خیمہ انھی کے خاندان کی ایک کاہنہ عورت طریفہ بنت جبر جو عمرو کی بیوی تھی، کی پیشین گوئی سے ثابت ہوا۔ اس خواب کے نتیجے میں پورے یمن کے اندر کھلبلی مچ گئی، بالآخر بعض روایتوں کے مطابق ایک تدبیر سوچی گئی کہ خاندانی بھائیوں کے اندر مخاصمت اور انتشار کی فضا پیدا کر دی جائے تاکہ اس مقام سے کوچ کر جانے کا موقع ہاتھ آ جائے۔ غرض اس بہانے سے عمرو نے اپنی تمام جائداد اچھے داموں میں فروخت کرنا شروع کر دی اور اپنے خاندان کے ہمراہ یمن سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کے بعد یمن میں عام تباہی آئی... ثعلبۃ عنقاء بن عمرو بن عامر سرزمین یثرب میں سکونت پذیر ہوا جو اوس اور خزرج کہلائے۔ دوسری طرف حارثہ بن عمرو بن عامر نے مکہ میں سکونت اختیار کی اور وہ خزاعی کہلائے۔ لیکن عمران بن عامر تنہا سرزمین عمان کی طرف روانہ ہوگئے اور وہ ازد کہلائے۔ شام میں آل جفنہ مستقر ہوگئے اور غساسنہ کہلائے۔ جن لوگوں نے عراق کی طرف رخ کیا ان میں آل بناذرہ اور لخمی بھی شامل تھے۔ اس طرح سبا اولیٰ کا خاتمہ ہوگیا۔ عرب میں یہ مثل ''تفرقوا ایدی سبا'' اسی وقت سے مستعمل ہوئی۔☆۷

یہاں حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ کے مختصر تاریخی شجرۂ نسب کے تذکرے سے صرف ان کی شخصیت کو اُجاگر کرنا مقصود ہے۔ اوس و خزرج سے رشتہ ہونے کی وجہ سے حضرت حسانؓ کو پورا موقع حاصل تھا کہ ان تمام بڑی جنگوں، مثلاً یوم بعاث، یوم السمیحہ، یوم الدرک، یوم الربیع، یوم البقیع اور دوسری طرف مدینہ کے یہود کی فتنہ انگیزیوں کا ذکر کریں۔ اس طرح کے اشارے ان کے اشعار میں کثرت سے ملتے ہیں۔ حضرت حسانؓ نے ان جنگوں میں وہی رول ادا کیا جو ایک بہترین شاعر سے متوقع ہے۔ اپنی قوم کی شجاعت ونخوت کا فخریہ تذکرہ کرتے نہیں تھکتے۔ وہ اپنی خاندانی نجابت کے گن گاتے اور قوم کو انتقامی کارروائی پر اُکساتے ہیں۔

اسلام کے دامن رحمت سے وابستہ ہونے سے قبل وہ پورے عرب میں اپنی شاعری کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ ہر خاص و عام انھیں ایک قادرالکلام شاعر کی حیثیت سے جانتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنی شرافت نسبی پر بڑا ناز تھا۔ ایک مرتبہ کسی شاعر نے ان کے سامنے اپنے

آبا و اجداد کی تعریف میں چند اشعار پڑھے جن میں خاندانی حسب و نسب کو دوسروں کے حسب و نسب پر فوقیت دی گئی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت حسانؓ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

(۱) اَلم ترنا اولاد عمرو بن عامر
لنا شرف یعلوا علی کل مر تقیٰ
کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم عمرو بن عامر کی اولاد میں سے ہیں؟ ہمیں ایسا نسبی شرف حاصل ہے جو ہر بلند مرتبہ شخص پر فوقیت رکھتا ہے۔

(۲) رسا فی قرار الارض ثم سمت
فروع تسامی کل نجم محلق
ہماری خاندانی جڑیں زمین کی تہ تک پہنچ گئی ہیں پھر اس سے ایسی شاخیں بلند و بالا ہوئیں جو ہر بلند ستارے کا مقابلہ کرتی ہیں۔

(۳) ملوک و ابناء الملوک کأننا
سواری نجوم طالعات بمشرق
ہمارے قبیلے کے اندر بادشاہ و شاہزادے جنم لیتے رہے ہیں، گویا ہم چمکتے ہوئے ستارے ہیں جو مشرق سے طلوع ہوتے رہے ہیں۔

(۴) اذا غاب منها کوکب لاح بعده
شهاب متی ما یبد للارض تشرق
جب ان کے اندر کوئی ستارہ غائب ہوا تو دوسرا نمودار ہوگیا، جو پوری سرزمین کو برابر روشن کرتا رہا ہے۔

دور جاہلیت میں عرب رسم و رواج کے مطابق حضرت حسانؓ بھی شراب کے رسیا تھے۔ ایک مرتبہ شام گئے وہاں بنی بکر بن وائل کے مشہور شاعر اعشیٰ سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں کسی مے فروش کی دکان پر گئے اور جی بھر کے شراب پی۔ اس کے بعد حسانؓ کو اس مقام پر نیند آگئی۔ آنکھ کھلی تو اعشیٰ، مے فروش سے کہہ رہا تھا کہ اسے قرض لینے کی ضرورت نہ ہوتی لیکن اس کے پاس سکے نہیں ہیں۔ یہ سنتے ہی انھوں نے آنکھ بند کرلی اور بہ ظاہر سو گئے۔ یہاں تک کہ اعشیٰ کی آنکھ لگ گئی۔ جب دیکھا وہ غافل سو گیا تو چپکے سے اٹھ کر مے فروش کی

دکان پر جتنی شراب تھی سب خرید لی اور اسے زمین پر بہانا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ بہتے بہتے اعشیٰ کے نیچے جا پہنچی۔ جب اس کے کپڑے بھیگ گئے تو چونک کر بیدار ہوگیا۔ حسانؓ کے اس عمل پر دیکھ کر سمجھ گیا کہ انھوں نے میری بات سن لی۔ اعشیٰ نے بہت خوشامد اور منت سماجت کی۔ اس حرکت پر حضرت حسانؓ کو جوش آ گیا اور انھوں نے برجستہ اشعار اپنی اولوالعزمی اور اعلیٰ ظرفی کی تعریف میں اعشیٰ کو کہہ سنائے۔ اعشیٰ ان کا قصیدہ سن کر دم بہ خود ہوکر رہ گیا۔

حضرت حسانؓ بہت حساس طبیعت کے مالک تھے۔ پوری زندگی حضارت میں گزری۔ فطری طور پر کم زور تھے۔ اس لیے جنگ و جدال سے دُور رہے۔ ضعف پیری کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر سارے مشرکین عرب و یہود نے متحد ہوکر مدینے پر چڑھائی کر دی۔ مدینے کے یہود (بنو قریظہ) نے غداری پر کمر باندھ رکھی تھی۔ مسلمانوں کے لیے ایک زبردست امتحان تھا۔ لیکن خدا کے برگزیدہ بندے اس ناگہانی مصیبت سے خائف نہیں ہوئے۔ وہ اعدائے اسلام سے سربکف ہوکر عظیم طوفان سے ٹکرا گئے۔ حضورؐ نے مسلمان خواتین بچوں کو یہودیوں کے فتنہ و شر سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت حسانؓ کے مضبوط قلعہ فارع میں منتقل کر دیا اور انھیں اس قلعے کا نگراں مقرر کر دیا۔ چوں کہ بنو قریظہ اور فارع حصار کے درمیان کا علاقہ غیر محفوظ تھا۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایام بہت سنگین اور نازک تھے۔ ایک دن ایک یہودی اس علاقے میں سیر کرتا ہوا نظر آیا۔ اور قلعے کے پاس سن گن لینے لگا۔ آنحضرتؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب بھی اس قلعے میں محصور تھیں۔ حضرت صفیہؓ کو اندیشہ ہو چلا کہ اگر یہودیوں کو ہماری اطلاع ہوگئی تو بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ کیوں کہ دوسری طرف آنحضورؐ اور صحابہ کرامؓ جہاد میں مشغول تھے۔ انھوں نے حضرت حسانؓ سے یہودی کو قتل کرنے پر اُکسایا اس پر حضرت حسانؓ نے اُن سے کہا، ''اے عبدالمطلب کی بیٹی! اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ خوب جانتی ہیں کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔'' حضرت صفیہؓ بہت دلیر خاتون تھیں۔ حضرت حسانؓ کا جواب سن کر خود ہی خیمے کی ایک چوب اُٹھا کر باہر نکل آئیں اور اس یہودی کے سر پر مردانہ وار حملہ کرکے وہیں ڈھیر کر دیا۔ واپس آ کر حضرت حسانؓ سے کہا، ''اب جا کر یہودی کا سامان اُتار لاؤ، اگر وہ مرد نہ ہوتا تو میں خود ہی سامان اُتار لاتی۔'' وہ بولے، ''مجھے اس کی ضرورت نہیں۔''☆[۸]

غزوہ مصطلق ۵ھ سے واپسی پر افک کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ منافقین نے

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول ان سب میں آگے آگے تھا۔ اس واقعے میں منافقین کے پروپیگنڈے کی وجہ سے چند صحابہ کرامؓ بھی شریک ہوگئے، جن میں حضرت حسان مسطح بن اثاثہؓ اور حمنہ بنت جحش بھی شامل تھیں۔ حضرت حسانؓ کے ساتھ دوسرے صحابہؓ سے لغزش ہوگئی اور منافقین کے فریب میں آگئے۔ جب حضرت عائشہؓ کی برأت میں آیتیں نازل ہوئیں تو آپؐ نے ان لوگوں کو اسی (۸۰) کوڑوں کی حد جاری کی۔[☆۹]

ایک مرتبہ حضرت حسانؓ، حضرت عائشہؓ کو معذرت خواہانہ انداز میں شعر سنا رہے تھے، ادھر مسروق بھی آگئے اور اعتراض کیا کہ آپ ان کو کیوں یہاں آنے دیتی ہیں۔ جب کہ خدا نے فرمایا ہے کہ افک میں جن لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان کے لیے عذاب ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ اندھے ہوگئے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہوسکتا ہے۔ مزید کہا یہ مشرکین کی ہجو کرکے رسول پاک ﷺ کی دفاع کرتے ہیں۔[☆۱۰]

آل غسانہ اور مناذرہ سے وابستگی

آل غسان اور آل منذر سے ان کے خاندانی روابط تھے۔ عہد جاہلیت میں ان دونوں شاہی درباروں میں جاتے اور نعمانی (غسانی) بادشاہوں کی تعریف وتوصیف میں معرکے کے قصیدے کہتے۔ اس کے عوض میں وہ بھی دل کھول کر انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔ حضرت حسانؓ درباری شاعر ہوگئے تھے۔ یہیں عرب کے مشہور شعرا نابغہ ذبیانی اور علقمہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان کی موجودگی میں عمرو کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھنے کے صلے میں پنشن مل گئی۔ تاہم یہ قدردانی انھیں حیرہ کے النعمان ابو قابوس کی ملاقات سے نہ روک سکی۔ اس ملاقات نے غسانی بادشاہ کے جذبۂ رقابت کو مشتعل کر دیا۔ لیکن حسانؓ نے اس کے شبہات کامیابی سے رفع کر دیے۔ چوں کہ یہ غسانی والیان ریاست بھی بڑے مہمان نواز، علم دوست اور شاعر و ادیب نواز تھے۔ ان کے دربار میں اس زمانے کے جلیل القدر اور نام ور شعرا آتے تھے اور انعام و اکرام سے مالامال ہوکر واپس جاتے تھے۔ ان میں قابل ذکر معلقات کے دو شاعر نابغہ ذبیانی اور الاعشیٰ ہیں۔ ان کے علاوہ جاہلی شعرا میں علقمہ الفحل اور مخضرم میں حسان بن ثابتؓ بھی ان کے دربار سے متعلق رہے تھے اور ان کی شان میں مدحیہ قصائد لکھ کر لے جاتے اور انعام و اکرام سے نوازے جاتے۔ نقادان سخن کی رائے ہے کہ حضرت حسانؓ کے سب سے زوردار اشعار وہ ہیں جن میں ملوک غسان کی ثناخوانی کی گئی ہے۔

علامہ ابن رشیق نے ''کتاب العمدہ'' کے اندر باب فی المدیح میں یہ بحث قائم کی ہے کہ مدح میں سے سب سے بہترین اور عمدہ شعر کون سا ہے۔ اس بحث میں مختلف ائمہ و فضلا کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ اسی سیاق میں حطیہ کا قول ہے کہ جب وہ مرنے لگا تو کہا، ''ابلغوا الانصار ان اخاهم امدح الناس حيث يقول'' یعنی میری طرف سے انصار تک یہ پیغام پہنچا دو کہ تمھارا بھائی حسان سب سے بڑا مدح گو ہے جو اس طرح کہتا ہے:

يغشون حتى ما تهر كلابهم
لايسئلون عن السواۀ المقبل

عربوں کے یہاں کتے پالنے کا عام رواج تھا، یعنی یہ کتے اجنبی آدمی کو دیکھ کر بھونکتے تھے۔ شاعر کہتا ہے کہ ملوک غسان کے پاس مہمان اتنی کثرت سے آتے ہیں کہ ان کے حفاظتی کتے کسی کو دیکھ کر بھونکتے نہیں، کیوں کہ آنے والوں سے مانوس ہوگئے ہیں اور وہ کسی آنے والے سے سوال نہیں کرتے وہ کون ہیں اور کس لیے آ رہے ہیں؟

عہد جاہلیت میں، آخری تاجدار غسانی فرماں روا جبلہ بن ایہم حضرت حسان بن ثابتؓ کا خاص ممدوح و مربی تھا۔ اور الطاف کریمانہ کا اسلام لانے کے بعد بھی سلسلہ چلتا رہا۔ چناں چہ حسانؓ اس کی تعریف میں پرزور قصائد کہا کرتے اور وہ سیم و زر کی بارش کرتا۔ اس سلسلے میں جبلہ بن ایہم کا بہت ہی دلچسپ واقعہ ملتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جبلہ بن ایہم غسانی بڑی شان و شوکت سے مدینہ وارد ہوا اور امیرالمومنین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ لیکن نخوت شاہی اس کے قلب و دماغ سے نہ گئی۔ ہوا یہ کہ حج میں کعبہ شریف کے طواف کے دوران اس کے ازار پر ایک بدوی کا پاؤں اچانک آ گیا۔ جبلہ اس پر شدید خفا ہوا۔ اور اس کے منھ پر زوردار تھپڑ رسید کیا کہ اس کی ناک کا بانسہ پھوٹ گیا۔ بدوی نے امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت کی۔ امیرالمومنین نے حکم صادر کیا کہ چاہو تو بدوی کو راضی و خوش کر لو ورنہ سنت کے مطابق تمھارے چہرے پر ویسا ہی تھپڑ رسید کر کے اپنا قصاص لے گا۔ اس نے حیلہ کر کے مہلت مانگ لی جو اسے مل گئی۔ ادھر عدل فاروقی کی تاب نہ لا کر عیسائیت قبول کر کے شاہ روم ہرقل (قسطنطنیہ) کے پاس جا پہنچا، وہاں اس کی خوب پذیرائی ہوئی... کچھ وقفے کے بعد حضرت عمرؓ نے جثامہ بن ساحق کنانی کو ہرقل کے پاس دعوت اسلام کا پیغام تحریری شکل میں دے کر بھیجا۔ ہرقل نے اسلام کی دعوت پر کوئی توجہ نہ دی، البتہ قاصد کی خوب

عزت وتکریم کی۔ قسطنطنیہ سے واپسی پر ہرقل نے ان سے کہا کہ ذرا اپنے عرب بھائی جبلہ بن ایہم سے ملتے جاؤ۔ جثامہ، جبلہ کے پاس پہنچے تو وہاں عجب شان وشوکت دیکھی۔ سونے چاندی کے برتن، زرّیں کرسیاں، مطلا قالین اور لباس فاخرہ کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ دوسری طرف لونڈیوں کی جماعت تھی۔ جبلہ نے جثامہ کے ساتھ عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ تعظیم و تکریم کے بعد کھانے پینے کا دور چلا۔ اس کے بعد نازک اندام لونڈیوں کو حکم دیا کہ مجھے کوئی نغمہ چھیڑ کر خوش کر دو۔ انھوں نے محفل رقص وسرود گرم کی۔ حضرت حسان کا مندرجہ ذیل قصیدہ نہایت خوش الحانی سے جو بنو غسان کی مدح میں کہا گیا تھا، پڑھا:

لله در عصابة نادِ متهم

یوما بجلق فی الزمان الاول

اللہ تعالیٰ اس انجمن یاراں کو سلامت رکھے جن کے ساتھ میں نے قصر جلق میں ابتدائی زمانے میں دن گزارے۔

یسقون من ورد البریص علیهم

بردیٰ یصفق بالرحیق السلسل

جو لوگ مقام بریص میں ان کے پاس آتے ہیں تو انھیں دریائے بردیٰ کا خالص شراب ملا پانی پلاتے ہیں۔

جبلہ نے بتایا کہ اشعار میں جن مقامات کا نام آیا ہے وہ شام کے سرسبز وشاداب علاقے ہیں جہاں آل غسان سکونت پذیر تھے۔ اس قصیدے میں آل غسان کی عظمت اور جود وسخا کی مدح تھی۔ جبلہ سن کر بے اختیار ہنس پڑا اور جثامہ سے پوچھنے لگا، ''یہ کس کے اشعار ہیں؟'' انھوں نے کہا، ''نہیں معلوم۔'' جبلہ نے کہا، ''یہ کلام حسان بن ثابت کا ہے۔'' جثامہ کہتے ہیں کہ ''میں نے اس کے چہرے پر بہت زیادہ مسرت وشادمانی دیکھی۔ اس کے بعد اس نے کچھ باندیوں کو حکم دیا کہ کوئی درد بھرا ساز چھیڑ کر محفل کو گرم کریں۔ انھوں نے فوراً ساز درست کیے۔ اور غم افزا اشعار گائے، جن کا مطلع یہ تھا:

لمن الدار اقفرت بمعان

بین شاطی الیرموک فالحمان

مقام معان پر تبوک کے اس طرف اور وادی حمان میں کس کا گھر ہے

جو ویران اور اُجڑ گیا ہے۔

یہ اشعار درحقیقت شاہان غسانسہ کے محلات و باغات کے اُجڑنے کا درد بھرا مرثیہ تھا۔ انھیں سن کر جبلہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ اس نے درد بھرے لہجے میں پوچھا، ''یہ کس کے اشعار ہیں؟'' جثامہ نے کہا، ''مجھے نہیں معلوم۔'' یہ ابن الفریعہ حسان بن ثابت کے اشعار ہیں۔ پھر جثامہ بول اٹھے حسان تو بوڑھے اور اندھے ہوگئے ہیں۔ جبلہ نے اسی لمحے ایک لونڈی سے پانچ ہزار دینار، پانچ ریشمی خلعت منگوا کر ان کے حوالے کیے اور کہا کہ ''حسان کو ہدیہ سلام کہنا اور یہ تحفہ دے دینا۔'' دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جبلہ کے غم و اندوہ کا یہ عالم تھا کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور حضرت حسانؓ کے مندرجہ ذیل اشعار زبان پر جاری تھے:

تنصرت الاشراف من عار لطمة وما كان فيها لو صبرت لها ضرر
تكنفني فيها لجاج و نخوة وبعت بهاالعين الصحيحة بالعور
فياليت ابى لم تلدنى و ليتنى رجعت الى العقول الذى قال لى عمر

مذکورہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ جبلہ اپنے مرتد ہونے پر بھی پشیمان تھا۔ دوران گفتگو اس نے رسول پاک ﷺ کا اسم گرامی بھی بڑے ادب و احترام سے لیا۔ اس سرزمین میں عیش و آرام کی زندگی حاصل تھی۔ اس لیے دوبارہ اسلام کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوئی۔

حضرت جثامہؓ نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کو اوّل تا آخر سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے جثامہ سے ہرقل اور جبلہ کے بارے میں دریافت کیا کہ ''جبلہ شراب پیتا تھا؟'' انھوں نے جواب دیا، ''ہاں۔'' حضرت عمرؓ نے کہا، ''خدا اسے غارت کرے۔ اس نے فانی شے کو دوام پر ترجیح دی۔ اس کا یہ سودا کبھی نفع بخش نہیں ہوگا۔'' تو کیا، تمھارے ساتھ اس نے کچھ بھیجا ہے؟ جثامہ نے کہا، ''ہاں۔'' حسانؓ کے لیے پانچ سو دینار اور پانچ ریشمی کپڑے تحفے کے طور پر بھجوائے ہیں۔ حضرت حسانؓ بلائے گئے۔ بینائی کم ہونے کی وجہ سے ساتھ میں قائد تھا۔ سلام و دعا کے بعد کہا، ''مجھے آل جفنہ کی روحوں کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔'' حضرت عمرؓ نے کہا، ''ہاں! اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے آپ کی مدد فرمائی ہے۔'' حضرت حسانؓ جب گھر روانہ ہونے لگے تو یہ اشعار گنگنا رہے تھے:

ان ابن جفنة من بقية معشر لم يغذهم آبائوهم باللوم
لم ينسنى بالشام اذهو ربها كلا ولا منتصرا بالروم
يعطى الجزيل ولا يراه عنده الا كبغض عطية المذموم ☆۱۱

آل حسان میں شاعری

مبرد نحوی کا قول ہے کہ حضرت حسانؓ کے خاندان میں کئی پشتوں تک شاعری کا پتا چلتا ہے اور اس امر میں وہ جاہلیت کے مشہور شاعر زہیر بن ابوسلمیٰ سے مشابہ ہیں۔ ان کے خاندان میں علی الترتیب چھ شعرا ہوئے:

سعید بن عبدالرحمٰن حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام... یعنی ایک طرف اگر ان کے پردادا شاعر تھے تو دوسری جانب پوتا بھی شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ شاعری ورثے کی چیز ہے مگر اتنا ضرور ہوتا ہے کہ ان کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ حضرت حسانؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن اگر ایک بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے معروف ہیں تو اس میں فی الجملہ ان کے والد کی شاعری کی شہادت موجود ہے۔ شارح حسان دیوان حسان برقوتی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابھی کم سن تھے کہ کسی بھڑ نے کاٹ لیا۔ اس کا نام وہ نہیں جانتے تھے۔ روتے پیٹتے باپ کے پاس پہنچے، حضرت حسانؓ نے پوچھا، ''کیا ہوا؟'' انھوں نے کہا، ''کسعنی طائر کانه ملتف فی بردی حبرة۔'' چناں چہ انھوں نے اس کا نقشہ یوں کھینچا کہ ''مجھے ایک اُڑتے ہوئے جانور نے کاٹ کھایا، وہ شکل و صورت سے ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ وہ حیرہ کی دو چادروں میں لپٹا ہو۔''... دراصل اس زمانے میں حیرہ کی چادریں نقش و نگار اور خوب صورتی میں بہت مشہور تھیں۔ موقع و محل کے لحاظ سے یہ انداز بیان اتنا خوب صورت اور دل نشین تھا کہ حیرت و استعجاب میں بے ساختہ کہہ اُٹھے، ''شعر و رب الکعبة۔''

اصمعی مشہور نقادِ سخن کہتے ہیں کہ بادل کی تعریف میں کسی عربی شاعر نے عبدالرحمٰن بن حسان سے بڑھ کر نہیں کہا اس کا مطلع یہ ہے:

اذا اللّٰه لم یسق الا الکرام
فاسقی وجوه بنی حنبل الخ

اور بہترین ہجویہ اشعار وہ ہیں جو عبدالرحمٰن نے مروان کے بھائی عبدالرحمٰن بن الحکم کے بارے میں کہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت حسانؓ نے یہ شعر پڑھا:

و ان امرأ یمسی و یصبح سالما
من الناس الا ما جنی لسعید

تو عبدالرحمٰن نے برجستہ کہا:

و ان امرأ نال الغنی ثم لم ینل
صدیقا ولا ذا حاجة لذهید

حضرت حسانؓ کے پوتے سعید عبدالرحمٰن نے فی الفور کہا:

و ان امرأ لاحی الرجال علی الغنی
و لم یسئال اللّٰہ الغنی [12☆]

حضرت حسان کی جاہلی شاعری

حضرت حسانؓ کو "فحول الشعرا" میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ بہت زیادہ اور عمدہ اشعار کہتے تھے۔ انھوں نے شاعری کے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ مزید یہ کہ جاہلی دور کی شاعری میں تو ان کا نمایاں حصہ ہے۔ چوں کہ قدیم واقعات و حادثات، خصوصاً اوس و خزرج کی معرکہ آرائی کا مشاہدہ کیا تھا اس لیے شاعری کی وافر مقدار ان کے حصے میں آئی۔

مدح اچھی لکھتے تھے۔ بنوغسان، نعمان بن منذر اور دیگر سادات عرب کی تعریف میں مدحیہ قصائد اپنی مثال آپ ہیں۔ فخریہ کلام بہت عمدہ اور دل کش ہوتا، جزالت، غرابت اور بلاغت کے لفظی آب و تاب سے پاک ہوتا۔ اپنی قوم کے مجد و شرف، حسب و نسب کی برتری کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ اہل عرب میں جاہ و مرتبت کے بہترین گیت گائے، اس طرح کی مثالیں اوپر گزر چکیں۔

بہ حیثیت ایک فطری شاعر کے ان کے کلام کا مطالعہ جس جہت سے بھی کیا جائے ہمیں وہ ایک انقلاب آفریں شاعر نظر آتے ہیں۔ ملوک و شاہان کا دربار ہو، قوم و قبیلے کی محفل ہو، ملکی و غیر ملکی سطح کی مقابلہ آرائی ہو... یا دین و سیاست کا میدان ہو، سفر یا حضر ہو، اسی طرح رسول پاکؐ یا صحابہ کرامؓ کی محفل ہو ہر جگہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ حضرت حسانؓ ایک عبقری شاعر تھے۔ شعر کو وہ گھلاتے اور شعر انھیں گھلاتا۔ فکر و خیال کو دعوت سخن دیتے اور خیال ان کی دعوت فکر پر لبیک کہتا۔ حسانؓ تلوار کے نہیں بلکہ جہاد باللسان کے شہسوار تھے۔ انھوں نے ہر موقع پر اپنی شاعری کے جوہر دکھلائے۔ جاہلی دور کی شاعری کا مقصد کسی کی مدح سرائی اور قبائلی ہجو کرنا ہوتا تھا۔ ان کی شاعری کا دوسرا حصہ مرثیہ، خمریہ، فخریہ، حماسیہ اور غزلیہ پر مشتمل ہے۔ چناں چہ وہ اپنی بیوی شعثاء جو بنت سلام بن مشکم یہودی تھی اور دوسری بیوی عمرۃ جو

صامت بن خالد کی بیٹی تھی، تشبیب کے اشعار کہے، لیکن اسلام میں آنے کے بعد دائرہ سمٹ کر مدح رسول ﷺ، ہجو کفار اور فخر اسلام تک محدود ہو کر رہ گیا۔

ایک دفعہ عکاظ شہر میں نابغہ ذبیانی سے ملاقات ہوگئی جو اس زمانے کا کہنہ مشق اور معروف شاعر سمجھا جاتا تھا۔ شعری مقابلے میں وہ حضرت خنساء کے شعر سن رہا تھا۔ واضح رہے کہ حضرت خنساء اپنے عہد کی عدیم المثال شاعرہ تھیں۔ مرثیہ گوئی میں کوئی جواب نہیں رکھتی تھیں۔ اس کے بعد حضرت حسانؓ کا نمبر تھا، انھوں نے اشعار سنانا شروع کیے انھیں سن کر نابغہ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آگئے، انک لشاعر۔ ''درحقیقت تم ہی شاعر ہو۔'' دوسری روایت کے مطابق انھوں نے یہ کہا، تم ہی شاعر ہو اور بنی سلیم کی بہن (خنساءؓ) جو ابھی گئی ہے، وہ مرثیہ گو ہے۔[۱۳]

جاہلیت میں ضرور شراب پیتے تھے، لیکن جب سے اسلام قبول کیا قطعی پرہیز کیا۔ ایک مرتبہ ان کے قبیلے کے چند نوجوان مے نوشی میں مصروف تھے۔ حسانؓ نے دیکھا تو بہت لعنت و ملامت کی۔ جواب ملا یہ سب آپ ہی کا فیض ہے، فرمایا:

و نشربها فتترکنا ملوکا

و اصدا ما ینهنهنا اللقاء

ہم اسی کے موجب پیتے ہیں، فرمایا یہ جاہلیت کا شعر ہے خدا کی قسم جب سے مسلمان ہوا شراب منھ کو نہیں لگائی۔[۱۴]

ایک مرتبہ حضرت حسانؓ دوستوں کو اپنے اشعار سنا رہے تھے کہ نام ور شاعر حطیہ کا پاس سے گزر ہوا، کھڑے ہو کر وہ بھی اشعار سننے لگا۔ حسانؓ ناآشنا تھے۔ خیال کیا کوئی دیہاتی بدو ہوگا، کہنے لگے، ''اے بدوی! تو کیا سن رہا ہے؟'' حطیہ نے کہا، ''اس میں تو کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا۔'' اس نے جواب کچھ اس بے اعتنائی سے دیا کہ حسانؓ خفا ہو گئے اور سخت لہجے میں کہا، ''اے اعرابی ذرا سن، تیری کنیت کیا ہے؟''

اس نے کہا، ''ابوالملیکہ۔'' حسانؓ بولے، ''میری سمجھ میں اس سے زیادہ ذلت تیری کیا ہو سکتی ہے کہ ایک عورت کے نام پر اپنی کنیت رکھی ہے۔''

پھر پوچھا، ''تیرا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا، ''حطیہ۔''

نام سنا تو پہچان گئے، مگر تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا، ''اب آپ جا سکتے

ہیں، خداحافظ۔''☆۱۵

حضرت حسان بن ثابتؓ دور جاہلیت میں عرب کے عظیم ترین شاعروں میں شمار ہونے لگے تھے۔ لیکن ان کا سرمایۂ افتخار صرف جاہلی دور کی شاعری نہیں بلکہ صدر اسلام کا وہ کلام ہے جو خاص طور سے نعتیہ اور ہجویہ پر مشتمل ہے، جس کی وجہ سے وہ شاعر رسولؐ کہلائے۔

شاعر رسول ﷺ

حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ شعر و ادب کی اصطلاح میں مخضرمی شاعر ہیں۔ یعنی جس نے زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا ہو۔ حضرت حسانؓ کی سیرت و کردار میں شاعری ایک مستقل عنوان ہے۔ شعر وسخن عربوں کا فطری ذوق و مذاق تھا۔ شاہ و گدا سے لے کر گلہ بان تک شاعر ہوتے تھے۔ صحرا نورد قوم کے افراد آغوش فطرت میں آنکھ کھولتے اور اسی آغوش میں پروان چڑھتے۔ صحرا کی بادصرصر، نشیلی صبح اور پرکیف شامیں ان کا سرمایۂ فکر و نظر تھیں۔ چناں چہ عربی اس فطری مناظر میں ڈوب کر اور متاثر ہوکر اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ قدرت کی طرف سے زبان اتنی شیریں اور پراثر ملی تھی کہ جب خیالات و احساسات الفاظ کی صورت اختیار کرتے تو جادو بن جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دور جاہلی کے شعر و شاعری کا جو سرمایہ ہم تک پہنچا وہ بہت ہی مؤثر، دل کش اور وقیع ہے۔

عرب میں چند قبائل تھے جو شاعروں کے معدن تھے، مثلاً قیس، ربیعہ، تمیم، مضر، یمن۔ مؤخرالذکر قبیلے میں اوس و خزرج کا بھی شمار تھا، جن سے حضرت حسانؓ کا آبائی سلسلہ ملتا ہے۔

حضرت حسانؓ عالم ضعیفی میں مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن ان کی شاعری ایک انداز میں جوان و توانا ہوگئی۔ ہر طرف سے کٹ کر نبی ﷺ کی صحبت سے قریب ہوگئے تو ان کی شاعری مدح رسول ﷺ اور ہجو کفار کے گرد گھومنے لگی۔ زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں انھوں نے بہترین قصائد پیش کیے۔ جس کی وجہ سے ان کا شمار ''اصحاب المذہبات'' میں ہوتا ہے۔ بعض شعرا کے منتخب کلام سونے کے پانی سے لکھے گئے تھے۔ اس لیے مذہبہ کہلاتے ہیں۔ بعد میں ہر شاعر کے سب سے بہتر شعر کو مذہبہ کہا جانے لگا۔ حضرت حسانؓ کے مذہبہ کا مطلع یہ ہے:☆۱۶

لعمرک ابیک الخیر حقا لما بنا
علی لسانی فی الخطوب وبلا یدمی

عہد رسالت ﷺ میں حضرت حسانؓ کی ساری تگ و دو مدح رسول ﷺ اور جہاد باللسان تھی۔ اعدائے اسلام کے پروپیگنڈے کی ایسی کاٹ کی کہ وہ اپنا منہ لے کر رہ گئے۔ دوسری طرف رسول ﷺ کی مدح و عظمت کا اظہار۔ اس شان و شوکت سے کیا کہ مدینے کی سرزمین جھوم اُٹھی۔

حضرت حسانؓ کا بڑا شرف یہی ہے کہ وہ شاعر رسول ﷺ تھے۔ عبیدہ ناقد نے حضرت حسانؓ کی تین حیثیتوں سے فضیلت قرار دی:

کان شاعر الانصار فی الجاھلیة عہد جاہلیت میں شاعر انصار تھے

و شاعر النبی فی النبوة اور عہد نبوت میں شاعر رسول ﷺ تھے

و شاعر الیمن کلھا فی الاسلام[☆۱۷] اور عہد اشاعت اسلام میں شاعر یمن تھے

نعتیہ شاعری

حضرت حسانؓ کے دل میں حضور پاکؐ کی عظمت و بڑائی کا نقش راسخ ہوگیا تھا۔ اس لیے وہ عشق رسول ﷺ سے سرشار رہتے۔ ہجرت کے وقت نبی ﷺ کی زیارت کے لیے مشتاق تھے۔ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو پورے شہر نے ہمہ تن جھوم جھوم کر استقبال کیا۔ ہر خاص و عام کی زبان پر طلع البدر علینا.... کا ترانہ جاری تھی۔ عقیدت و احترام سے پورا مدینہ دم بہ خود تھا۔ وفود کی شکل میں لوگ بیعت کے لیے آنے لگے۔ اس کارواں میں حضرت حسان بن ثابتؓ بھی والہانہ ذوق و شوق سے آپ ﷺ کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ جب جمال خَلق و جمال خُلق کے پیکر سارے عیوب و نقوص سے پاک انسان کامل پر نظر پڑی تو اپنی تمام شاعرانہ صلاحیتیں اپنے آقا ﷺ کی مدح و دفاع کے لیے وقف کر دیں۔ اس جوش اخلاص کی زندہ جاوید مثال ان کے یہ دو شعر ہیں:

و احسن منک لم ترقط عینی (اے نبیؐ) آپؐ سے زیادہ حسین و جمیل میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ

و اجمل منک لم تلد النساء آپؐ سے زیادہ خوبرو کسی عورت نے کوئی بچہ نہ جنا

خلقت مبرا من کل عیب آپ ہر عیب سے پاک و صاف پیدا کیے گئے

کانک قد خلقت کما تشاء گویا کہ آپؐ جیسا پسند فرماتے تھے ویسے پیدا ہوئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نعتیہ قصائد میں سب سے مشہور قصیدہ وہ ہے جو انھوں نے فتح مکہ سے قبل ابوسفیان کی ہجو کے جواب میں کہا تھا، جس کا مطلع یہ ہے:

عفت ذات الاصابع فالجواء

الی عذراء منزلها اخلاء

اس قصیدے کا آغاز بھی حضرت حسانؓ نے حسب دستور آثار حبیب اور دیار محبوبہ سے کیا ہے۔ شراب کا تذکرہ، گھوڑوں اور شہسواروں کے مضمون سے گریز شروع ہوجاتا ہے۔ پھر اصل موضوع پر کلام شروع ہوتا ہے۔ رسول پاک ﷺ کی ذات اور مسلمانوں کی جماعت پر فخریہ کلام اور ان کی ذات و صفات کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

و قال الله: قد ارسلت عبدا بقول الحق ان نفع البلاء	اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم نے ایک بندے کو بھیجا جو حق بات کہتا ہے، اگر آزمائش نفع بخش ہو تو اس کی صداقت کو آزمالو
شهدت به فقوموا صدقوا فقلتم، لانقوم ولاتشاء	تم نے اس کی صداقت پر گواہی دی، تم بھی کھڑے ہوجاؤ اور اس کی صداقت پر گواہی دو۔ مگر تم نے یہی کہا ہم ایسا کریں گے نہ یہ چاہتے ہیں۔

نعت رسول مقبول ﷺ میں حضرت حسانؓ نے اپنی صلاحیت و جوہر کا بھرپور کمال دکھایا۔ مخضرمی شاعر ہونے کی وجہ سے ان کے سامنے جزیرۂ عرب اور اسلام کی پوری تاریخ موجود تھی۔ اسلام کی تعلیم نے ان کی زندگی میں روح پھونک دی جس کی وجہ سے جذبات ہمہ دم مشتعل رہا کرتے تھے۔ ذات اقدس ﷺ کی نعت و صفات جذبۂ ایمان سے سرشار ہوکر کہتے تھے، ان کے نعتیہ قصائد بہت ہی جان دار اور معنی دار ہونے کے ساتھ لفظی نکتہ آفرینی کے حامل بھی ہوتے تھے۔

انھوں نے اپنے دوسرے قصیدے میں رشد و ہدایت اور نعمت خداوندی پر بڑے اچھے انداز میں سپاس نامہ پیش کیا ہے، ملاحظہ کیجیے:

اغر علیه للنبوة خاتم	آپؐ کی ذات پر مہر نبوت درخشاں ہے، اللہ کی طرف سے گواہ ہے، وہ
من الله مشهود یلوح و یشهد	مہر نبوتؐ چمکتی اور گواہی دیتی ہے

و ضم الالہ اسم النبی الی اسمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبیؐ کا نام اپنے نام سے لازم ملزوم کرلیا۔

اذا قال فی الخمس الموذن اشھد اس لیے مؤذن پانچوں وقت کی اذان میں ''اشہد'' کہتا ہے۔

حضرت حسانؓ نے محسن انسانیت کی بعثت کی منظرکشی منفرد انداز سے کی۔ زمانۂ جاہلیت کی مدح سرائی تحفہ تحائف والی ہوا کرتی تھی، جو طریقہ نابغہ، اعشیٰ اور حطیہ کے یہاں ملتا ہے اور نہ ہی متنبّی کا انداز تھا جو کافور اخشیدی کی شان میں قصائد کہا کرتے تھے۔ مزید برآں یہاں پر کوئی دنیاوی غرض وجاہت نہیں بلکہ صرف عشق رسولؐ اور دفاع اسلام کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ نعت رسول ﷺ میں ایک نیا اسلوب، اچھوتا اور پاکیزہ خیال ملتا ہے۔ الفاظ کی شان وشوکت میں ندرت ہے۔ اس فن میں دیگر شعرا کے مذہب سے ہٹ کر ایک نئی راہ کی پیروی کی ہے۔ نہایت سادہ اور نئے الفاظ کا استعمال، تعبیر وتوضیح، اشارات و کنایات میں جدت و ندرت ہوا کرتی تھی جس کی وجہ سے شعر کا ظاہری و باطنی حسن دوبالا ہوجاتا تھا۔ عقیدے کی پختگی نے باطل خیالات و افکار کو قریب نہ آنے دیا، گویا تبلیغ و اشاعت کے فریضے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دوش بدوش تھے۔

شاعرانہ تخیلات اور باریک بینی پر زیادہ زور نہیں دیا بلکہ توحید، اسلامی تعلیمات اور مقام رسالتؐ کا خاص طور سے ذکر ہے۔ اسی انداز کا تیسرا ایک اور نعتیہ قصیدہ چھ اشعار کا ہے۔ بعض نسخوں میں یہ قصیدہ سترہ شعروں کا ہے، ملاحظہ کیجیے:

والله ربی لانفارق ماجدا
عفت الخلیقة ماجد الا جداد

بخدا ہم اس ذات گرامی پر روگردانی نہیں کریں گے جو تمام مخلوقات میں پاکباز، اجداد کے لیے قابل فخر ہے۔

مذکورہ قصائد کے علاوہ دو اور نعتیہ کلام ہیں۔ ذیل کا نعتیہ کلام تاریخی نوعیت کا ہے۔ اس میں حضور پاک ﷺ کی مختصر سیرت اور اہل قریش کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کے دوران پیش آمدہ حالات و کوائف کا بہترین ذکر ہے:

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة
یذکر لو یلقی صدیقا مواتیا
فلم یرمن یودی و لو برداعیا...

دوسرا نعتیہ قصیدہ بہت ہی سادہ اور عام فہم ہے، جس کے اندر تاریخی گوشے ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ذات گرامی کی بزرگی، احسانات، ساتھ ہی سابقہ انبیائے کرام کا ذکر شامل ہے۔ تمام قصائد کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حسانؓ کا قلب جذبۂ فدویت و فنائیت سے کس قدر معمور رہتا تھا۔ ذات اقدس سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے اپنا قلبی لگاؤ اور رجحان ظاہر کیا۔ آپؓ کے نعتیہ کلام میں جس قدر سوز و گداز اور شدت کا اظہار ہے وہ کسی دوسرے شعرا کے یہاں شاذ و نادر ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس صنف سخن میں منفرد مقام پیدا کیا، قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

مشھدت باذن اللّٰہ ان محمدا رسول اللّٰہ فوق السمٰوات من عل
و ان ابا یحییٰ و یحییٰ کلا ھما لہ عمل و فی دینہ متقبل

اسد الغابہ کے حوالے سے حضرت حسانؓ کے دیوان میں دو مدحیہ شعر منقول ہیں، جن کے بارے میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے حضور پاک ﷺ کے بارے میں یہ دریافت کیا کہ آپ ﷺ کیسے تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا بخدا حسانؓ نے جیسا کہا ہے:

متی یبد فی الداجی البیھم جبینۃ	جب رات کی تاریکی میں آپؐ کا رخ انور ظاہر ہوتا ہے تو
یلیح مثل مصباح الدجیٰ المتوقد	ایک چمک پیدا ہوتی ہے جس طرح تاریکی میں کوئی شمع روشن ہو
فمن کان او من یکون کاحمد	کون احمد کی مانند ہے یا ہوگا، وہ تو نظام حق کے نگہبان اور
نظام الحق او نکال لملحد	ملحد (حق کا منکر) کے لیے دردناک سزا سے دوچار کرنے والے ہیں

اسلام اور عشق رسول ﷺ کی وجہ سے فکر وفن میں یکسر تبدیلی آ گئی۔ البتہ قصیدے کا وہی ڈھانچا برقرار رہا جو جاہلی دور میں تھا۔ اسلام کی آمد نے شعر و شاعری کی مرکزیت کو ختم کر کے "ان الدین عند اللّٰہ الاسلام" کا معیار قائم کیا تو ساری تگ و دو اور چلت پھرت اسلام کے لیے ہو کر رہ گئی۔ اور اس کی زندہ مثال حضرت حسانؓ کی شاعری میں بہ کثرت ملتی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی ابتدا میں ان کی شاعری میں کچھ ملی جلی چیزیں نظر آتی ہیں۔ لیکن بعد میں خصوصاً فتح مکہ سے قبل حسانؓ کی شاعری بہت قوی اور فصیح ہوگئی تھی اور اس دوران اسی جوش و جذبے سے شاعری کی جس طرح زمانۂ جاہلیت میں کرتے تھے۔

حضرت حسانؓ نے دفاع اسلام اور شاعر رسول ﷺ ہونے کے ساتھ اسلامی ادب و روایات کا بھی دفاع کیا۔ سیاسی شاعری کو جس سے ادب عربی اس سے قبل نامانوس تھا، حضرت حسانؓ نے متعارف کرایا۔ عہد جاہلیت میں نسلی منافرت، قبائلی خصومت اور عداوت پر مشتمل شاعری ہوا کرتی تھی اور اس کے اندر عقائد کی چھاپ ہرگز نہیں ہوتی تھی۔ جیسا کہ تاریخ عرب میں بکر و تغلب کی جنگ اس کی واضح مثال ہے۔ لیکن صدر اسلام میں دینی اور سیاسی کش مکش کی اس نوع کی شاعری نے محفلوں، بازاروں اور خاص طور سے میدان جنگ میں خوب خوب جوہر دکھائے۔ عقائد اور مذہب کی کش مکش سے متاثر ہوکر مسلم شعرا نے بڑھ چڑھ کر طبع آزمائی کی۔

زمانۂ اسلام میں حضرت حسانؓ کی شاعری تجوید و تہذیب میں مبالغہ اور تکلف سے پاک ہے، لیکن اسلوب بیان اور ضخامت الفاظ میں شعرائے جاہلیت کی مانند ہے۔ تعقید معنوی و لفظی سے بڑی حد تک پاک ہے۔ اشعار اُبلتے تھے، تہذیب و تخلیق کی ضرورت نہیں پڑتی، ایک فطری شاعر کا خاصہ یہی ہوا کرتا ہے۔

صدر اسلام میں حسانؓ کی شاعری میں اسلامی روح اور قرآنی مبادیات اور رسول پاک ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی اثر پذیری نظر آتی ہے۔ اشعار میں نئے نئے اسلامی الفاظ جو مستعمل تھے یا قرآن کریم میں وارد ہوئے تھے، بہ کثرت ملتے ہیں، مثلاً ایمان، حج، صوم و صلوٰۃ، زکوٰۃ، جنت و جہنم کی پوری منظرکشی وغیرہ۔

حضرت حسانؓ کے کلام پر تنقید کرنے والوں کا کہنا ہے کہ ان کے اشعار زمانۂ جاہلیت میں پرزور تھے اور اسلام میں وہ آب و تاب نہ رہی۔ اس مسئلے پر تفصیل سے آگے بحث آئے گی۔ یہاں پر اصمعی کا قول نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

الشعر نکد یقوی فی الشر و یسھل فاذا
دخل فی الخیر ضعف و لان... ھذا حسان
فحل من فحول الشعراء، فلما جاء الاسلام سقط شعرہ[۲۱]

ایک مرتبہ حضرت حسانؓ سے کہا گیا کہ:

لان شعرک او ھرم فی الاسلام یا ابوالحسام،

یعنی اے ابوالحسام اسلام لانے کے بعد آپ کی شاعری کم زور اور بوڑھی ہوگئی ہے۔

تو انھوں نے جواب دیا:

ان الشعر یزینه الکذب والاسلام یمنع الکذب

اسلام کذب بیانی سے منع کرتا ہے اور شعر و شاعری میں جان تو جھوٹ ہی سے پڑتی ہے۔

اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شاعر جو آفاق کی سیر کرتا اور خیالی تصورات میں منہمک رہا کرتا تھا، اب صرف حقائق کا مصور اور واقعات کا مؤرخ نظر آتا ہے۔ اور شاید انھی خصوصیات کی وجہ سے حضرت حسانؓ شاعر رسول ﷺ بنے۔

ہجویہ شاعری

ابتدا میں کفار و مشرکین نے شعر و شاعری کے ذریعے نبیؐ اور اصحاب نبیؐ کا بھرپور مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ معاملہ روز افزوں بڑھتا گیا تو صحابہ کرام میں بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ جواب میں شعرائے رسولؐ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نبی پاکؐ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور اس طرح ذات اقدس ﷺ کے زیرنگرانی شعرا کی ایک جماعت قائم ہوگئی۔ حق و باطل کی اس معرکہ آرائی کے احوال کا تذکرہ حضرت حسانؓ نے یوں کیا ہے:

لنا فی کل یوم من معر
سباب، او قتال، او هجاد
فنحکم بالقوافی من هجانا
و نضرب حین نختلط الدماء

یہ سب کچھ اس وجہ سے کہا تھا کہ شعرائے کرام مسلمانوں کی عزت و مفاد کی حفاظت پر مجتمع ہوگئے۔ کچھ لوگوں نے زبان سے اس مخاصمت میں حصہ لیا اور کچھ لوگوں نے تیر و سنان سے۔ اس دینی اور سیاسی معرکے میں تلواروں کے شانہ بشانہ لسانی قوت بھی آگے آگے تھی۔ جس طرح عہد جدید میں صحافت کے میدان میں سیاسی معرکہ آرائی گرم ہوا کرتی ہے۔ وہی کیفیت اُس دور میں اشعار کی تھی۔ ایک موقع پر مشرکین، نبیؐ اصحاب نبیؐ پر ہرزہ سرائی کرنے لگے تھے۔ اس وجہ سے بعض ہجوگو مشرک شعرا کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ کعب بن اشرف کو ایک صحابی محمد بن مسلمہ نے آپؐ کے حکم پر قتل کر دیا۔

دور اسلام کے معاصرین میں حضرت حسان بن ثابتؓ اسلام کی مذہبی شاعری کے

بانی مبانی تھے۔ ان کے اشعار قرآنی معانی و مفاہیم سے مستفاد ہوتے۔ مدح رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ کفار کی ہجو وقدح میں بھی دفتر کے دفتر کہہ ڈالے جس سے مشرک شعرا سر پیٹ کر رہ گئے۔ انھیں ہجو و قدح میں خاص ملکہ حاصل ہوگیا تھا۔ اس لیے ان کی ہجوؤں میں بلا کی تیزی، گرمی، شدت اور فصاحت و بلاغت ہوتی کہ کفار عرب پناہ مانگتے تھے۔

حضرت حسانؓ کی اسلامی شاعری کا موضوع مدافعت دین یا ہجو کفار ہے۔ انھوں نے بہت سے کفار کی ہجو لکھی لیکن فحاشی سے ان کا کلام بالکل پاک ہے۔ عربوں کے نزدیک ہجو کی غرض و غایت محض اپنے قبیلے کی مدافعت اور نسلی تفاخر ہوتی تھی۔ اس بنا پر وہ اپنے اشعار میں صحیح واقعات نہایت موزوں اور مناسب پیرایہ میں نظم کرتے تھے۔ چناں چہ زہیرؔ نے تجاہل عارفانہ کے طور پر اشعار لکھے:☆[۲۱]

وما ادری و سوف اخال ادری
اقوم ال حصن ام نساء

مجھے معلوم نہیں اور عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ آل حصن مرد ہیں یا عورت؟

فان تکن النساء مخبات
فحق لکل محصنة هداء

اگر عورتیں ہیں تو مناسب یہی ہے کہ ان کو ہدیہ کرنا چاہیے۔

حضرت حسانؓ کی ہجو سب وشتم پر مشتمل نہ تھی بلکہ مدافعت دینی تھی اور وہ بھی بہ طریق احسن و پرایۂ مناسب۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں:

کان حسان و کعب یعار منهم مثل قولهم فی الوقائع والایام والمآثر و یذکرون مثالبهم☆[۲۲]

یعنی حضرت حسانؓ اور کعب بن مالکؓ مشرکین کو رزمیہ اور فخریہ نظموں کا جواب دیتے تھے اور ان کے کارناموں کا تذکرہ کرتے تھے۔

حضرت حسانؓ کے بیان دینی ہجاء کی تمثیل میں جاہلی اور اسلامی دونوں عہد کی کچھ ملی جلی چیزیں نظر آتی ہیں۔ چوں کہ وہ جاہلی عہد کے پروردہ تھے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے بہت قلیل عرصہ گزرا تھا، اس لیے ابتدائی کلام میں فخر و حماسہ اور ایام کا تذکرہ زیادہ

ملتا ہے۔ لیکن انھوں نے بہت جلد اپنے اشعار کو اسلامی رنگ میں رنگ لیا۔ مخالفین کو ایسے اسلوب سے تکلیف پہنچائی جس میں ہدایت غالب تھی۔ لیکن فحش کلام یا سب وشتم کا عنصر نہیں تھا۔ اس کے باوجود ان کے دیوان کے اندر بعد میں کچھ رطب و یابس شامل ہوگئے۔ اور غلط کاروں نے ان کی طرف فحش کلام منسوب کر دیے۔

قدما کا ایک بڑا گروہ حضرت حسانؓ کی طرف منسوب فحش کلام کی سختی سے تردید کرتا ہے۔ اصمعی کا کہنا ہے کہ حسانؓ کی جانب ایسے اشعار منسوب ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔[☆۲۳] ابن اسلام نے ''طبقات فحول الشعراء'' میں تحریر کیا ہے:

> **اشعرهم حسان بن ثابت و هو كثير الشعر جيده و قد حمل عليه مالم يحمل على احد لما تعاضهت قريش، واستبّت و صغر عليه اشعارا كثيرة لاتنقى۔[☆۲۴]**
>
> حضرت حسانؓ مذکورہ طبقات میں سب سے مشہور شاعر ہیں۔ وہ کثیر اور عمدہ گو شاعر ہیں۔ لیکن ان کی طرف وہ باتیں منسوب کی گئی ہیں، جو کسی اور کی طرف نہیں منسوب ہوئیں۔ چوں کہ اہل قریش نے بے بنیاد الزام، بہتان عائد کیے، انھوں نے بہت سارے اشعار وضع کر کے ان کی طرف منسوب کر دیے جن کی ہنوز تنقیح نہ ہو سکی۔

قبیلہ قریش میں جب باہمی سب وشتم کا سلسلہ شروع ہوا تو بہت زیادہ اشعار حسانؓ کی طرف منسوب کر دیے گئے۔ اس لیے کہ وہ اسلامی دور کے اوّل شاعر تھے۔ اور کفار کے لیے ان کی ہجو بہت شاق تھی، اس طرح بدنام کرنے کی ایک سازش کی گئی۔ مزید یہ کہ ان کی شاعری میں جگہ جگہ رکاکت یا جھول کا عنصر نظر آتا ہے، وہ بھی اس دور کی شاعری میں الحاق ہیں۔ عہد بنوامیہ میں حضرت حسانؓ کی شاعری میں بہت زیادہ خلط ملط سے کام لیا گیا۔ چناں چہ انھوں نے اپنے عار اور عیوب پر پردہ پوشی کی خاطر یہ حرکت کی۔

مذکورہ روایات اور شواہد سے یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ صدر اسلام کے شعرا کا کلام اسلامی رنگ اور قرآنی تعلیمات سے بھرپور مزین اور آراستہ تھا۔ مستشرقین اور معترضین کے اقوال و خیالات کی سختی سے تردید ہوجاتی ہے کہ مخضرم شعرا کے کلام پر اسلام کے نمایاں اثرات نہیں ملتے۔

عہد رسالت ﷺ میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن مالک انصاریؓ اور حضرت حسان بن ثابت شہرۂ آفاق مخضرمی شعرا تھے۔ جنھوں نے مشرکین کی ہجوؤں کا جواب نہایت مؤثر اور دل نشیں انداز میں دیا، لیکن حضرت حسانؓ کی خدمت آنحضور ﷺ کے لیے اس وجہ سے بیش قیمت تھی کہ وہ کفار کی یاوہ گوئی کا مقابلہ بڑی دل جمعی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ روح القدس اس سلسلے میں مدد فرمایا کرتے تھے... مسند احمد کی روایت ہے کہ شعرائے قریش کی ہجوؤں کا جواب دینے کا معاملہ طے ہوا تو حضور پاکؐ نے حضرت کعب بن مالکؓ کو کہلا بھیجا کہ قریش کی ہجو اور لغو کا جواب دو۔ انھوں نے حکم بجا لایا۔ لیکن حضورؐ کو ان کا جوابی شعر پسند نہیں آیا۔ پھر آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کو یہ کام تفویض کیا۔ انھوں نے بھی جوابی ہجو کہی۔ لیکن اس مرتبہ بھی حضور ﷺ کو پسند نہ آئی۔ اس کے بعد حضرت حسانؓ کو پیغام ارسال کیا کہ تم یہ کام کرو۔ لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کا پیغام سنایا تو انھوں نے بے ساختہ کہا، ''اب اس شیر کو بلانے کا وقت آ گیا ہے، جو اپنی دُم ہلا رہا ہے۔'' حضرت حسانؓ نے بڑے پرعزم لہجے میں کہا، ''میں انھیں اپنی زبان سے ٹھیک کر دوں گا۔ اور واقعی انھوں نے وہی کر دکھایا جو کہا تھا۔☆[۲۵]

مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی مشرکین کا دل نہیں بھرا تھا۔ آئے دن مسلمانوں کے خلاف فتنہ اور ریشہ دوانیوں کا بازار گرم رکھتے۔ قریش کے شعرا جنھیں عبداللہ زبعریٰ، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عمرو بن العاص خاص طور سے رسول پاکؐ اور صحابہ کرامؓ کو لعنت و ملامت کا ہدف بنایا کرتے۔ ان کے ہجویہ اشعار پورے عرب کے اندر پھیلا دیے جاتے۔ یہ اشعار چند روز کے اندر سارے عرب میں پھیل جاتے۔ مدینہ منورہ، مکے سے صرف تین سو میل دُور تھا۔ جب یہ دل آزار اور تکلیف دہ اشعار مسلمانوں تک پہنچنے لگے تو صحابہؓ کے اندر ایک ہیجان برپا ہوگا۔ حضرت علیؓ نے درخواست کی کہ وہ شعرائے مکہ کی کاٹ کریں۔ چناں چہ انھوں نے کہا میں اس کام کے لیے تیار ہوں۔ بشرطے کہ رسول پاکؐ اس کی اجازت دیں۔ ان کا جواب سن کر صحابہ کرامؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی:

یارسول ﷺ اللہ! ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، شعرائے کفار آپ ﷺ کی اور صحابہ کرامؓ کی ہجو میں اشعار کہہ کہہ کر پورے عرب کے اندر پھیلا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کا حکم ہو تو (حضرت) علیؓ اس یاوہ گوئی کا جواب دیں۔ حضورؐ نے فرمایا، (حضرت) علیؓ اس کام

کے لیے موزوں نہیں۔'' پھر انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، ''جن لوگوں نے میری تلوار سے مدد کی ہے وہ اپنی زبان سے کیوں نہیں مدافعت کرتے؟'' حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت حسانؓ کھڑے ہوگئے، اپنی زبان باہر نکال کر حضور ﷺ کو دکھائی، پھر بڑے پرجوش انداز میں کہا، ''یارسول ﷺ اللہ! میں حاضر ہوں... خدا کی قسم مجھے بصرا و شام اور صنعا و یمن کے درمیان اس کلام سے زیادہ کوئی کلام پسند نہیں ہوگا۔ جو دشمن رسالت کا جواب ہوگا۔''

سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''تم ان لوگوں کی ہجو کیسے کروگے جب کہ میں خود انھی کا ایک فرد ہوں تو انھوں نے جواب دیا، ''**فقال : انی اسلک منهم کما تسل الشعرة العجین۔**'' یعنی میں آپ ﷺ کو ان میں سے اس طرح نکال لوں گا جس طرح آٹے کی خمیر سے بال کھینچ لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا، ''انصار کے تین اشخاص مشرکین کی ہجو کریں گے، حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ... حسان بن ثابت اور کعب بن مالکؓ یہ دونوں حضرات مشرکین کے جواب میں جنگ و جدال اور موروثی عیوب کو ظاہر کریں گے اور حسب و نسب کے ذریعے عار دلائیں گے۔ دوسری طرف عبداللہ بن رواحہؓ انھیں بت پرستی اور کفر پر لعنت و ملامت کریں گے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

معاصرین میں حسانؓ و کعبؓ کی زبان آوری مشرکین پر سخت گراں ہوا کرتی تھی اور عبداللہ بن رواحہؓ کا جواب قدرے سہل اور نرم ہوگا۔ لیکن اسلام لانے کے کچھ دنوں کے بعد جب ان کے اندر اسلام کی گہری بصیرت آ گئی تو ان کی ہجو بھی بڑی سخت ثابت ہوگی۔☆۲۶

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: امرت عبداللّٰه بن رواحة فقال و احسن وامرت و کعب بن مالک فقال و احسن، و امرت حسان بن ثابت فشفیٰ و اشتفیٰ۔☆۲۷

میں نے عبداللہ بن رواحہ کو قریش کی ہجو کا حکم دیا تو انھوں نے بہ حسن و خوبی انجام دیا، پھر کعب بن مالک کو حکم دیا تو انھوں نے بھی اچھے طریقے سے نبھایا، پھر جب حسان بن ثابت کو حکم دیا تو انھوں نے حجت پوری کر دی۔

حضرت حسانؓ کا کلام یہود و نصاریٰ پر زیادہ شاق اس وجہ سے تھا کہ وہ اوثان پرستی کے اعتقادی امراض و مصائب کا تذکرہ کرنے کے بجائے قریش کی ناکامیوں، موروثی و خاندانی کم زوریوں کو اُجاگر کرتے تھے، جس سے قریش تکلیف و خفت سے پانی پانی ہوجاتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت حسانؓ کو جو خدمت تفویض فرمائی اسے بہ حسن و خوبی اور عقیدت کے ساتھ ادا کیا۔ حضور پاکؐ اس مدافعت سے نہایت خوش ہوتے تھے۔ ابن حجر عسقلانی نے ''اصابہ''[☆۲۸] میں ابوداؤد شریف کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، ''نبی ﷺ حضرت حسانؓ کے لیے مسجد نبویؐ میں منبر بچھواتے تھے جس پر کھڑے ہوکر وہ کفار عرب کی ہجوؤں کا جواب دیتے اور اپنے آقا مصطفیٰ ﷺ کی مدح میں نغمہ سرا ہوتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ یہ حسانؓ کے ہجویہ اشعار کفار کے لیے اندھیرے میں چلنے والے تیروں سے بھی زیادہ کارگر ہیں۔

دوسری روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ نے حسانؓ سے خطاب کر کے اشارہ کیا:

یا حسان اجب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم ایدہ بروح القدس۔[☆۲۹]

اے حسان میری طرف سے جواب دو، اے خدا! روح القدس کے ذریعے اس کی مدد کر۔

ایک دفعہ یوں ارشاد فرمایا:

یقول الحسان بن ثابت اھجھم اوطا جھم و جبرئیل معک۔ اے حسان! مشرکین کی ہجو کر، جبرئیل امین تیرے ساتھ معاونت کریں گے۔ مشرکین عرب پر ان کے کلام کا جو اثر پڑتا تھا اس کا اظہار آپؐ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ایک مرتبہ دوران سفر رات ہوگئی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، ''حسان کہاں ہیں؟'' حضرت حسان نے کہا، ''لبیک و سعدیک۔'' آپ نے فرمایا، ''حسانؓ ذرا حدی کے گیت گاؤ۔'' پس وہ نغمہ سرا ہوگئے۔ اور نبی ﷺ سراپا متوجہ ہوکر سننے لگے۔ قافلہ رواں دواں تھا۔ یہاں تک کہ امیر سفر نے انھیں شاباشی دی اور پڑھنا ختم کر دیا، اس کے بعد فرمایا، ''لھذا اشد علیھم من وقع النبیل۔''[☆۳۰]

درحقیقت حضور پاک ﷺ نے متعدد مواقع پر حضرت حسانؓ کی شاعری کی تحسین فرمائی اور اُن کی ہر طرح سے استعانت فرمائی۔ ان کے پرجوش اشعار نے حضورؐ کو بہت زیادہ گرویدہ بنا دیا تھا۔ ذرا ان کی گرمی حرارت اور تندی مزاج کا مطالعہ کیجیے:

لسانی صارم لا عیب فیہ و یجری لا تکدی الدلاء

میری زبان قاطع تلوار کی طرح تیز ہے جس میں کوئی عیب نہیں۔
میرے کلام کا بحرِ بے کراں ایسا صاف ستھرا ہے جو ڈول کے ڈالنے سے گدلا نہیں ہوتا۔

حضور ﷺ نے حضرت حسانؓ کو شعرائے مشرکین سے دفاع کی خدمت پر مامور فرمایا تو انھیں ہدایت کی کہ تم نسب ناموں میں ابوبکر سے مدد لینا، کیوں کہ وہ قریش کے نسب ناموں کے علامہ ہیں۔ حضرت حسانؓ، ابوبکرؓ کے پاس جاتے اور ان سے انساب کی معلومات حاصل کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ انھیں بتلاتے کہ فلاں فلاں کو چھوڑ دینا یہ رسولؐ کی دادیاں ہیں باقی فلاں فلاں عورتوں کا تذکرہ کرنا۔ ابوسفیان بن حارث کی ہجو میں یہ اشعار کہے:

و ان سنام المجد من آل هاشم　　بنو بنت مخدوم و والدک العبد
و من ولدت ابناء زهرة منهم　　کرام و لم یقرب عجائزک المجد

حضرت حسانؓ نے فتح مکہ سے قبل ابوسفیان کی ہجو کے جواب میں اس طرح مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

هجوت محمدا فا جبت عنه　　و عندالله فی ذال الجزاء
اتهجوه و لست له بکف　　فشرکما لخیر کما فداء
هجوت مبارکا براً حنیفا　　امین الله شیمة الوفاء

تو نے محمدؐ کی ہجو کی، تو میں نے اس کا جواب دے دیا۔ اور اس کا بدلہ خدا کے یہاں ملے گا۔ کیا تو ان کی ہجو کرتا ہے حالاں کہ تو ان کے برابر کا نہیں، پس تم دونوں کا برا دونوں میں کا اچھے پر قربان ہے۔ تو نے ایک مبارک شخص کی ہجو کی، جو نیک ہے اور دین حنیف کا علم بردار ہے، اللہ کا امین اور وفا شعار ہے۔

رسول پاک ﷺ حضرت حسانؓ کی اس مدافعت اور منھ توڑ جواب سے بہت خوش ہوتے اس لیے کہ مشرکین پر یہ شعر تیر و نشتر کا کام کرتے تھے، مشرکین مکہ میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، عبداللہ بن زبعریٰ، عمرو بن عاص، ضرار بن خطاب وغیرہم آنحضرت ﷺ کی ہجو کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ابوسفیان قبول اسلام سے پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے۔ انھوں نے حضور ﷺ کی ہجو کہنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ حضرت

حسانؓ نے ان کی ایک مرتبہ اچھی طرح خبر لی:

لعمرک ان الک من قریش
کال السقب من رال النعام
فانک ان تحت الی قریش
کذات البر جائلة المرام

ترجمہ: تیری جان کی قسم! تیرا رشتہ قریش سے ایسا ہی ہے جیسا اونٹ کے بچے کا رشتہ شتر مرغ کے بچے سے ہو۔

حضرت حسانؓ کے کلام کی ظاہری و باطنی معنی اور فکر میں گہری تاثیر ہوتی تھی، جس میں اہل قریش کی ایسی چوٹ ہوتی کہ وہ تلملا اٹھتے اور کوئی جواب نہ بن پڑتا۔ ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا۔ لیکن اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ حضرت حسانؓ اس کی ہجو اس طرح کرتے تھے:

ابالهب ابلغ فان محمدا
سیعلمون بما ادی و ان کنت را غما
و ان کنت قد کذبته و خزلته
وحیدا و طاوعت الهجین الضراغما

ترجمہ: ابولہب کو یہ بات پہنچا دو کہ محمد ﷺ نے فریضۂ رسالت ادا کرنے کی وجہ سے بلند درجات حاصل کیے خواہ یہ بات تیری خواہش کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اگرچہ تو نے آپ ﷺ کی ذات کی تکذیب کی اور تنہا رسوا کرنے کی کوشش کی اور بزدل کمینوں کی پیروی کی۔

رؤسائے قریش میں ابوجہل اسلام کی مخالفت اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب میں پیش پیش رہتا تھا۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کو اس نے مجتمع کر کے مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار کیا۔ اس موقع پر حضرت حسانؓ نے اس کی بڑی مذمت کی۔ ہجو کا انداز بہت سادہ لیکن بلا کی تاثیر سموئے ہوئے ہے، ساتھ ہی اسلام اور حضور پاک ﷺ کے دفاع کا بھی عنصر شامل ہے:

لقد لعن الرحمن جمعا یقودهم
و عی، بنی شجع لحرب محمد
مشوم لعین کان قدما مبغضا
یبین فیه اللؤم من کان یهتد

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ٹولی پر لعنت فرمائی ہے جس نے محمد ﷺ کے مقابلے میں شجاعت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ وہ خبیث اور بڑا دشمن ہے پہلے بھی اسے مبغوض سمجھا جاتا تھا۔ ہدایت یافتہ شخص کی لعنت و ملامت کرتا پھرتا ہے۔

حضرت حسانؓ، کفار قریش کا جواب دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ عبداللہ بن زبعریٰ اسلام سے پہلے قریش کے سربرآوردہ شاعر تھے۔ غزوۂ احد کے موقع پر اتفاقی حادثے کی بنا پر مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ دوسری طرف مشرکین بدر کا بدلہ اور فتح سے تعبیر کر رہے تھے۔ اس موقع پر زبعریٰ نے فخریہ اشعار کہے۔ حضرت حسانؓ کو خطاب کر کے صحابہ کرامؓ کو لعنت ملامت کا نشانہ بنایا۔ چناں چہ حضرت حسانؓ نے اس کا منہ توڑ جواب دیا اور ایسی ہجو کی کہ جواب نہ بن پڑا۔ اس میں غزوۂ احد کی حقیقی نوعیت واضح کی۔ اور ساتھ ہی غزوۂ بدر میں کفار کو شرم ناک شکست یاد دلا کر ابن زبعریٰ کو غیرت دلائی۔ ان کے جوابی ہجویہ قصیدہ کے منتخب اشعار ملاحظہ کیجیے:

ذهبت بابن الزبعریٰ وقعه　　کان منا الفضل فیها لو عدل
و لقد نلتم و نلنا منکم　　و کذا الحرب احیانا دُول
اذ شددنا شدة صادقة　　فاجاناکم الی مسفح الجبل

ترجمہ: ابن زبعریٰ کو اس جنگ کا حال معلوم ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتے تو ضرور اقرار کرتے، کیوں کہ اس جنگ میں فضیلت ہماری ہی تھی۔ بے شک تم نے ہم سے اور ہم نے تم سے خوب انتقام لیا اور اس طرح کبھی کبھی جنگ پلٹا کھایا کرتی ہے۔

حضرت حسانؓ کی شاعری واقعاتی اور حقیقت پر مبنی ہوا کرتی تھی۔ ان کی ہجو و قدح میں جہاں داستان کا عنصر ہوتا تھا وہیں رسول پاکؐ اور صحابہ کرامؓ کا دفاع بھی شامل ہوتا۔ واقعہ ہے کہ جب بھی اسلامی حمیت و غیرت پر آنچ آتی تو ان کے جذبات اس طرح برانگیختہ اور موجزن ہوتے جس طرح دیگچی کا پانی جوش کھاتا ہے۔ دین حق کی راہ میں کوئی سنگین مسئلہ درپیش ہوتا تو اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے اور مشرکین پر بھرپور وار کرتے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ سردار حارث بن عوف دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض

کی، کسی صاحب کو میرے ہمراہ کر دیجیے تا کہ وہ میرے قبیلے والوں کو دین اسلام کی تعلیم دے اور میں اس کا محافظ ہوں۔ حضور ﷺ نے ایک انصاری صحابی کو حارث بن عوف کے ہمراہ کر دیا۔ جب وہ دونوں قبیلے میں پہنچے تو حارث کے قبیلے والوں نے غداری کی اور انصاری صحابی کو شہید کر ڈالا۔ کچھ روز بعد حارث نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی، حضور پاک ﷺ کو اس واقعے سے بڑا دکھ ہوا۔ آپؐ حارث بن عوف کی لجاجت دیکھ کر خاموش رہے۔ چہرے کی افسردگی دیکھ کر لعنت و ملامت نہ کی۔ آپؐ نے فرمایا، ''حسان کو بلاؤ۔'' چناں چہ حسان حاضر ہوئے۔ جب انھوں نے حارث کو دیکھا تو اس کے قبیلے والوں کی غداری پر دو شعر کہے:

یا حار من یغدر بذمة جاره
منکم فان محمدا لم یغدر
ان تغدوا فالغدر منکم شیمة
و الغدر ینبت فی اصول السنجر

ترجمہ: اے پڑوسی! جو شخص تم میں سے ہمسائے سے غداری کرتا ہے تو بگوش ہوش سن لے، محمدؐ غداری نہیں کرتے۔ اگر تم دھوکا دہی کرتے ہو تو یہ تمھارا وتیرہ ہے۔ جان لو! دھوکا سنجر کی جڑ سے نکلتا ہے۔

مذکورہ اشعار سن کر حارث گھبرا اٹھا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، ''اے محمدؐ! میری مذمت و ہجو سے باز رکھیے۔ کیوں کہ میں اس بدعہدی کی دیت ادا کرتا ہوں۔'' چناں چہ انھوں نے نبی ﷺ کے پاس ستر دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بہ طور دیت ادا کیں اور گڑگڑا کر عرض کی، ''اے محمدؐ! میں اس شخص کی ہجو کے لیے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس لیے کہ یہ وہ شخص ہے کہ اپنی زبان کی تلخی اگر سمندر میں ملا دے تو سارا پانی کڑوا ہو جائے۔''[☆۳۱]

تبلیغ و اشاعت کے ہر موڑ پر حضرت حسانؓ کی شخصیت ہمہ تن مصروف نظر آتی ہے۔ ایام شباب ہوں یا ایام پیری، ہر عہد میں جذبات و خیالات توانا اور مشتعل رہا کرتے تھے۔ دشمنوں کی ہجو اور بدکلامی کا جواب جس حسن و خوبی سے ادا کیا، رہتی دنیا تک آپ کی ذات سرمایۂ افتخار بنی رہے گی۔ اپنی خداداد اور تخلیقی صلاحیت کو بروئے کار لا کر جہاد باللسان کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ اسلامی عہد کے انقلاب آفریں شاعر ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ نے اس

خدمت پر مامور کر رکھا تھا، اس کی بہترین مثال ذیل کے واقعے سے ملتی ہے:

۹ھ میں بنو تمیم کا ایک وفد تقریباً ستر، اسّی افراد پر مشتمل مدینہ منورہ آیا۔ قبیلے کے بڑے بڑے سردار اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عطارد بن حاجب، قیس بن عاصم، عمرو بن الدھتم اور عیینہ بن حصن شریک وفد تھے... یہ وفد جب مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا تو اس کے ارکان نے رسول پاک ﷺ کو حجرۂ مبارکہ کے پیچھے سے بڑے اکھڑ طریقے سے آواز دی، ''محمدؐ، اے محمدؐ! باہر نکلو، ہم تمھارے ساتھ مقابلے کی نیت سے آئے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے شاعر و خطیب بلائیے تاکہ ہمارے شاعر و خطیب کا مقابلہ کرے۔'' اس بدویانہ حرکت سے آپ ﷺ کی ذات کو ناگواری ہوئی۔ لیکن آپؐ قبائل کی نفسیات و حالات سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ یہ لوگ کس طرح حلقۂ اسلام میں داخل ہوسکتے ہیں۔ آپؐ باہر تشریف لے آئے اور اس مبارزت طلبی کو بہ حسن و خوبی قبول کر لیا اور اجازت دی کہ وہ اپنے شاعر و خطیب کو پہلے پیش کریں۔ چناں چہ عطارد بن حاجب نے جو معروف ترین خطیب تھا اور نوشیرواں کے دربار سے حسن تقریر کے صلے میں کمخواب کی خلعت حاصل کی تھی، کھڑے ہوکر پرزور تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حمد و ثنا کے بعد کہا:

> اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں بادشاہوں اور ملوک میں پیدا کیا، ہمیں مال و دولت عطا کی، جس کے ذریعے ہم بھلائی کرتے ہیں۔ خدا نے ہمیں پورے اہل شرق و غرب میں غالب اور باعزت بنایا۔ عددی اکثریت اور سب سے زیادہ قوت عطا کی۔ آج ہمارا مدمقابل کون ہوسکتا ہے؟ کیا ہمارے اندر بڑے سردار اور صاحب فضیلت نہیں ہیں۔ جو شخص ہم سے فخر و مباہات میں مقابلہ آرائی کرنا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمارے ہی طرح کی چیزوں کا شمار کرائے۔ اگر ہم کثرت کلام پسند کرتے تو ہم ایسا ضرور کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو بھی لسانی قوت کی فراوانی سے نوازا ہے ہم اس سے شرم و حیا محسوس کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ہم اسی حیا سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ میں نے اپنے خطبے میں جو کچھ بھی پیش کیا اس مقصد سے کہ تم بھی میری ہی جیسی باتیں پیش کرو، جو موزوں ترین

ہوں اور معاملہ واضح تر ہو۔

اپنے خطبے کے بعد عطارد بیٹھ گیا۔

نبی اکرم ﷺ کے اشارے پر تحریک اسلامی کے نام ور خطیب ثابت بن قیسؓ نے اس کا جواب دیا:

> ساری حمد وثنا اس خدا کے لیے ہے جس کی مخلوق ارض و سما ہے اور اس کا حکم اس میں جاری ہے۔ اس کا علم بحرِ بے کراں اور اس کا عرش بلند وارفع ہے۔ اسی کے فضل سے ہر شے عدم سے ہوئی۔ اپنی قدرت سے اس نے ہمیں باعزت لوگوں میں پیدا کیا اور فرماں روا بنایا اور اپنی بہترین مخلوق سے رسول ﷺ منتخب کیا۔ چناں چہ انھوں نے پوری انسانیت کو ایمان باللہ کی دعوت دی۔ آغاز میں ان کی قوم کے مہاجرین، اعزا و اقربا نے آپ ﷺ پر ایمان قبول کیا، جو اپنی شرافت نسبی، وجاہت عامہ، حسن کرداری میں بہترین صفات کے حامل ہیں۔ دعوت حق کی اجابت میں سابقون الاوّلون تھے۔ پھر اہل عرب میں جس جس نے آپ ﷺ کی پیروی اور دعوت قبول کی وہ ہم انصار ہیں۔ ہم اللہ کے انصار اور اس کے رسول کے وزیر ہیں۔ ہم حق کے دشمن سے جنگ کرتے ہیں۔ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اس طرح جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آتا ہے اس کی جان و مال ہمارے اوپر محفوظ ہوجاتا ہے اور جو کفر و انکار کی روش اختیار کرتا ہے ہم برابر اس سے جہاد کرتے ہیں اور اس کا قتل ہمارے لیے بہت آسان ہوجاتا ہے۔ اقول قولی هذا استغفراللّٰه لی و للمومنین والمومنات، والسلام علیکم۔

تقریری مقابلے کے بعد شعر و شاعری کا بازار گرم ہوا۔ بنو تمیم کے ارکان نے کہا، ''اب ہمارے شاعر کو نظم سنانے کی اجازت ہو'' آپ ﷺ نے فرمایا، ''بہت اچھا۔'' زبرقان

بن بدر التمیمی نے کھڑے ہوکر اپنا قصیدہ سنایا جس کا مطلع یہ ہے:

نحن الکرم فلاحی یعاد لنا
☆۳۲
لنا الملوک و فینا یقسم الربع
وکم قسرنا من الاحیاء کلھم
عندالنھاب و فضل العز یتبع

ترجمہ: ہم باعزت لوگ ہیں، کوئی قبیلہ ہماری برابری نہیں کرسکتا ہے۔ ہم میں سے بادشاہ پیدا ہوتے رہے اور ہمارے درمیان مال غنیمت کا چوتھائی حصہ تقسیم ہوتا ہے۔ ہم نے کتنی ہی جنگ و جدال میں تمام قبائل کو زیر اور مغلوب کیا۔ اور ہمیشہ صاحب فضل و کمال کی اتباع کی جاتی ہے۔

اس وقت حضرت حسانؓ نبی کریم ﷺ کے پاس موجود نہ تھے۔ آپؐ نے بلوا بھیجا۔ حضرت حسانؓ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے پاس میری طلبی کے لیے پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے مجھے بنی تمیم کے شاعر کا جواب دینے کے لیے طلب کیا ہے۔ میں حضور ﷺ کے پاس روانہ ہوا تو اس وقت زبان پر یہ شعر جاری تھا:

منعنا رسول اللہ اذحل اللہ وسطنا
☆۳۳
علی انف ارض من معد وارغم
منعنا لما حل بیوتنا
باسیافنا من کل باغ و ظالم

ترجمہ: جب رسول ﷺ ہمارے درمیان آ کر اقامت گزین ہوئے تو ہم نے قبیلہ معد کے خلاف ان کی حفاظت و حمایت کی۔ جب آپ ﷺ ہمارے دیار میں قیام پذیر ہوئے تو ہم نے اپنی تلواروں سے ہر باغی و ظالم سے آپ ﷺ کی ذات کی حفاظت کی۔

حضرت حسانؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ بنوتمیم کا شاعر کھڑے ہوکر فخریہ اشعار سنا رہا تھا۔ انھوں نے اسی انداز کا برجستہ قصیدہ تیار کرلیا۔ جب زبرقان اپنے قصیدے سے فارغ ہوا تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''اے حسان! کھڑے ہوکر اس شخص کا جواب دو۔''

چناں چہ انھوں نے یہ معرکتہ الآرا قصیدہ اسی ردیف و قافیے میں برجستہ کہا:

ان الذوائب من فھر و اخوتھم قد بینوا سنۃ للناس تتبع
و یرضیٰ بھم کل من کانت سرومۃ تقوی الالہ و کل الخیر یصطنع
قوم، اذا حاربوا ضروا عددھم او حاولوا النفع فی اشیاعھم نفعوا

ترجمہ: بنو فہر کے سردار و رؤسا اور ان کے بھائیوں نے تمام لوگوں کے لیے ایک کھلی شاہراہ کھول دی، جس پر لوگ چلتے ہیں۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں خوف خدا ہو ان سرداروں سے خوش ہوکر ہر بھلائی کا کام کرنے کو تیار رہتا ہے۔ بنو فہر ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جب وہ برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو دشمن کو زک پہنچا کر چھوڑ جاتے ہیں اور جب نفع پہنچانے کا ارادہ کرتے ہیں تو انس نیک کام سے اعراض نہیں کرتے ہیں۔

زبرقان کا قصیدہ آٹھ شعر کا تھا لیکن حضرت حسانؓ کا قصدہ بائیس اشعار پر مشتمل ہے۔ جو برجستگی، اسلوب بیان، معنی و مفہوم اور ادبی لحاظ سے بہت شاہکار ہے۔ حسان بن ثابتؓ جب اشعار پڑھ چکے تو اقرع بن حابس نے کہا:

و ابی ان ھذا الرجل لمؤتی لہ، میرے باپ کی قسم! اس شخص کو توفیق الٰہی حاصل ہے۔
لخطیبہ اخطب من خطیبنا، و ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ بہتر ہے، ان کا
لشاعرہ اشعر من شاعرنا ولاً شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ کامیاب اور ان کی
صواتھم اعلیٰ من اصواتنا آوازیں ہماری آوازوں سے بلند و شیریں ہیں۔

واضح رہے کہ ارکان سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حکم تھا۔ یعنی مقدمات کا مرافعہ اس کے پاس جاتا تھا اور اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا۔ اس کو یہ دعویٰ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالت میں آیا تو آنحضرت ﷺ سے کہا، ''ان حمدی لزین، و ان ذمی لشین۔''[☆۳۴] یعنی میں جس کی تعریف کروں وہ چمک جاتا ہے اور جس کو برا کہہ دوں اس کو داغ لگ جاتا ہے۔

نظم و نثر کی مقابلہ آرائی ہو چکی تو پورا قافلہ شرف اسلام سے فیض یاب ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے پورے وفد کو تالیف قلب کی خاطر عطیات دے دلا کر رخصت فرمایا۔[☆۳۵]

ابی بن خلف بدباطن اور رذیل ترین شخص تھا۔ اسلام کی مخالفت میں پیش پیش رہتا۔ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے کہ دربار رسالت میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر شرارت کی نیت سے حاضر ہوا اور کہنے لگا، ''اے محمدؐ! تم کہتے ہو کہ اللہ تو دوبارہ مردوں کو زندہ کرے گا۔ تو بتاؤ اس ہڈی کو کون زندہ کرسکتا ہے...'' جب حضرت حسانؓ کو معلوم ہوا تو اس واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے ابی بن خلف عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابوجہل کی سخت ترین مذمت کی اور مشرکین کا ناطقہ بند کر دیا۔ ہجویہ کلام کی تیزی، گرمی اور انداز ملاحظہ فرمائیے:

لقد ورث الضلالة عن ابيه
ابی یوم فارقه الرسول
اجئت محمدا عظما رميما
لتكذبه و انت به جهول

ترجمہ: بے شک ابی بن خلف اپنے باپ کی گم راہی کا وارث ہوا۔ جب کہ اس نے رسول پاک ﷺ سے جدائی اختیار کرلی۔ کیا تو محمد ﷺ کے پاس سوکھی ہڈی لے کر آیا ہے تاکہ انھیں جھٹلا سکے۔ تو بڑا نادان ہے اور اس کی حقیقت سے ناآشنا۔

فخریہ شاعری

حضرت حسانؓ کا فخریہ کلام دو حصوں پر مشتمل ہے:

زمانۂ جاہلی کے فخریہ کلام میں خاص طور سے شجاعت، جود و کرم اور حسب و نسب کی برتری کا تقلیدی انداز ملتا ہے... اور زمانۂ اسلام کا فخریہ کلام دین جدید۔ رسول پاک ﷺ کی مدح و نعت، دفاع اسلام اور مخاصمت کے رد پر مشتمل ہے۔ دونوں قسموں کی بحث بڑی تفصیل سے گزشتہ صفحات میں گزر چکی۔

حضرت حسان بن ثابتؓ نے فخریہ شاعری میں بھرپور طبع آزمائی کی۔ ایک نادر الکلام شاعر ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں اس نوع کی شاعری بہ کثرت ملتی ہے۔ چوں کہ عہد جاہلیت میں قبائلی عزت و نخوت، مجد و شرف اور جاہلی رسم و رواج کی عصبیت ہی شعر و شاعری کا مرکز ہوا کرتی تھی بلکہ قصائد میں اس کا عنصر بہ کثرت ملتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ صنف سخن قصائد کا ایک بڑا حصہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن اسلام نے جاہلیت کے تمام بتوں کو پاش پاش کرکے

رکھ دیا، اسی طرح فکر وفن اور موضوع کے اعتبار سے نسلی و خاندانی تفاخر یک لخت ختم ہوکر رہ گئے تھے۔ اس جہت سے حضرت حسانؓ کی شاعری میں بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ البتہ دوسرے انداز سے ہلکے پھلکے طور پر اس نوع کی شاعری نمایاں طور پر ملتی ہے۔ ایک مرتبہ حضور پاکؐ کے سامنے افتخار باللسانی کا مظاہرہ یوں کیا کہ اپنی زبان نکال کر حضورؐ کو دکھائی اور جوش بھرے لہجے میں عرض کی، ''یارسولؐ اللہ! اس کام کے لیے میں حاضر ہوں مجھے خوشی ہوتی ہے کہ بصرا و شام اور صنعاء یمن کے درمیان تک تیز دھار دار تلواروں کی طرح زبان ہو۔'' پھر فرمایا:

لسانی مقول لاعیب فیه

و بحری ما تکدره الدلاء ☆۳۶

ترجمہ: میری قوت گویائی تیز دھار دار تلوار کی طرح ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔

حسب ذیل اشعار فخریہ ہیں جن سے حضرت حسانؓ کی شاعری کا ذوق و مذاق اور بلند معنی کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اهدی لهم مدحاً قلب موازره

فیما احب لسان حائک صنع

ترجمہ: میں ممدوح کی ایسی تعریف کرتا ہوں جس میں قلب کی اعانت شامل ہوتی ہے اور جس کو شعر کی درست کرنے والی ماہر زبان پسند کرتی ہے۔

الیک ارحنا عازب الشعر بعدما

تمهل فی روض المعانی العجائب

ترجمہ: ممدوح کے پاس وہ شعر بھیجے ہیں جو نہایت بعیدالمعنی ہیں اور معانی کے گلشن میں قیام کر چکے تھے۔

غرائب لاقت فی فنائک انسها

من المجد فهی الاف غیر غرائب

ترجمہ: جو نوادر تھے تمھارے ہاں، عزت سے ایسے مانوس ہوئے کہ اب اجنبی نہیں رہے ہیں۔

مقصد یہ کہ میرے اشعار نہایت بلند معنی رکھتے ہیں اور ان کو اکابر شعرا کے علاوہ دوسرا شخص نہیں باندھ سکتا ہے۔ یہ ممدوح کی قدردانی ہے جو اس کی مدح میں شعر نکلتے ہیں، ورنہ وہ تو گلستان معانی میں مقیم ہوگئے ہیں، کیوں کہ کسی کو اپنا اہل نہیں پاتے۔☆۳۷

تاریخی وثائق

حضرت حسانؓ کی شاعری میں ایک جدید صنف کی صورت گری نظر آتی ہے۔ وہ ہے دستاویزی شاعری جس کی اس سے پہلے کسی اور کے یہاں نظیر نہیں ملتی ہے۔ انھوں نے عہد نبوی ﷺ کے فرمودات اور دیگر اہم واقعات کی تاریخ کو بڑے اچھے انداز سے پیش کیا جو آگے چل کر مؤرخین اور نقاد کے لیے مرجع ثابت ہوئی۔ حضرت حسانؓ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے جنگ بدر کے بڑی تفصیل سے تاریخی زاویے پیش کیے۔ جنگ بدر جمعہ ۱۷ر رمضان المبارک میں ہوئی اور مسلمانوں کو اسلامی تاریخ میں عظیم فتح و نصرت حاصل ہوئی تھی۔ اور مشرکین مکہ کو زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ اس تاریخی معرکے میں قریش کے نامی گرامی سردار اور اہل ثروت قتل کیے گئے تھے۔ ان کے لیے یہ گھڑی بڑی ہی سنگین اور نازک تھی۔ حضرت حسانؓ نے اس کرب و الم کی منظرکشی بڑے اچھے انداز میں کی ہے:

البیت شعری ھل أتی مکة ابارتنا الکفار فی ساعة العسر
قتلنا سراة القدم عند ر حالھم فلم یرجعوا الا بعا صمة الظھر

ترجمہ: کیا ایسا نہیں ہوا؟ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ سنگین وقت میں کفار کو ہمارے برباد کرنے کی خبر اہل مکہ کو پہنچی ہے یا نہیں؟ ہم نے اثنائے جنگ قریش کے سربرآوردہ لوگوں کو قتل کیا، وہ سب کے سب زخم خوردہ اور کمر ٹوٹی ہوئی حالت میں واپس ہوئے۔

حضرت حسانؓ نے اس جنگ کی پوری روداد اپنی شاعری میں جمع کر دی۔ مقتولین کی تعداد، مشرکین کے حال زار اور دعوت اسلام کے خلاف عسکری چالیں جو یکسر ناکام ہوئیں، ان سارے احوال و کوائف کا بڑے ہی لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔

قتلنا أبا جھل و عتبة قبله و شیبة یکبو للید بن و للخمر
و کم قتلنا من کریم مرزا له حسب نی قومه نابه الذکر

ترجمہ: ہم نے ابوجہل اور اس سے پہلے عتبہ کو قتل کر دیا، شیبہ کا تو بہت برا حال تھا، دونوں ہاتھوں اور سینے کے بل اوندھا گرا پڑا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ہم نے کتنے ہی مصیبت کے مارے بڑے کریم اور صاحب مرتبت کو قتل کر دیا، جن کے کارنامے کی وجہ سے ان کی قوم کے اندر ذکر خیر تھا۔

جنگ بدر کی طرح جنگ احد کی بھی روداد اپنے اشعار میں پیش کی ہے۔ جنگ احد تاریخ اسلام کی اہم ترین جنگ تھی اور مشرکین کو بدر کے موقعے پر شکست و ریخت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ حضرت حسانؓ نے اپنے دیوان میں دوسرا قصیدہ قلم بند فرمایا۔ اس دستاویزی نظم میں مسلمانوں کی تعداد، شہدا اور مقتولین کی تعداد، عسکری و حربی احوال و کیفیات کی بڑی دل نشیں انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان ابیات میں تاریخی زاویے کا ایک نیا رخ ملتا ہے۔

مشرکین مکہ ایک سال کی مجموعی تیاری کے ساتھ پورے لاؤ لشکر کے ہمراہ آمادۂ جنگ ہونے والے تھے۔ اس میں مادّی حربی وسائل کے ساتھ رجز خواں مرد اور بہادری دلانے والی عورتیں بھی ساتھ لی گئیں۔ شعرا بھی ساتھ تھے، تاکہ وہ اپنے اشعار سنا سنا کر بہادروں کے دلوں میں لڑائی کا جوش و شوق پیدا کرتے رہیں... دوسری طرف مسلمانوں کے قافلے میں بھی زور آزما اور قادرالکلام شعرا شامل تھے۔ حضرت حسانؓ نے اس موقعے پر اہل قریش کو مخاطب کر کے انھیں تنبیہ کی اور گزشتہ جنگ سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔

و قل ان یکن یوم باحد یعدہ
سفیہ فان الحق سوف یشیع

ترجمہ: اور اسے اچھی طرح بتا دو کہ اگر کوئی بیوقوف یوم احد شمار کرتا ہے، تو کیا کرے، اس لیے کہ دین حق تو عنقریب چہار جانب پھیل کر رہے گا۔

دوران جنگ جب دونوں طرف سے سخت مڈبھیڑ ہوئی تو کچھ وقفے کے لیے مسلمانوں کے اندر انتشار اور سراسیمگی پھیل گئی۔ اور میدان جنگ میں وقتی طور پر کفار مکہ کا پلہ بھاری دکھائی دینے لگا تھا۔ رسول پاکؐ کی ذات دوسرے محاذ پر صرف چند اصحاب کے ہمراہ اوروں سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ اس وقت کا منظر بڑا دل دوز اور بھیانک تھا۔ یہ شور ہوگیا کہ (نعوذ باللہ) محمد ﷺ شہید کر دیے گئے۔ اس نازک گھڑی میں صحابہ کرامؓ بڑی پامردی سے دل و جان پر کھیل کر کفار پر پل پڑے اور اس عہد و پاس داری کا ثبوت دیا جو انھوں نے بیعت

عقبہ میں کیا تھا۔ اس دل دوز منظر کی تصویر کشی ملاحظہ کیجیے:

امام رسول اللّٰہ لایخذلونہ لھم ناصر من ربھم و شفیع
و نوا اذا کفرتم یاسخین بربکم ولایستوی عبر غصا و مطیع

ترجمہ: بنو الاوس آپ ﷺ کو یوں ہی بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی ذات تو خدا کی طرف سے ان کے لیے مددگار اور شفیع بن کر آئی تھی۔ اے قریشیو! جب تم نے خدا کا انکار کیا تو انھوں نے ایفائے عہد کا مظاہرہ کیا۔ ایک دغاباز بندہ جس نے بدعہدی کی ہو، ایک وفاشعار بندے کے برابر نہیں ہوسکتا ہے۔

حضرت حسانؓ نے جنگ بدر، جنگ احد اور دیگر غزوات و واقعات کو شاعری کی شکل میں ایک نیا رنگ و روپ دیا، جس میں سچائی، غیر جانب داری اور حقیقت پسندی کا عنصر غالب ہے۔ ساتھ ہی اسلوب اور فکر وفن میں ایک جدت طرازی بھی۔ ان کی شاعری کے دو اہم عنصر تھے جس کی وجہ سے اسلامی عہد میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ ایک قوت تذکار... دوم سرعت تاثر۔ قوت حافظہ اور قوت لسانی کا مظاہرہ جاہلی شاعری میں بدرجۂ اتم ملتا ہے۔ اسی طرح ذکاوت حس یا انفعالی کیفیت اسلام کی شاعری میں بہ کثرت ملتی ہے۔ جس کی وجہ سے جدید معانی و مفاہیم اور حقیقت پسندی کے تصرف کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ مبالغہ آرائی سے یکسر پاک اور دینی رنگ و روح کارفرما ہوتی ہے۔ دیگر فنی خامیوں، کم زوریوں کے باوجود ایک منفرد اسلوب نگارش ملتی ہے اور یہ سب کچھ قرآن پاک کی اثرپذیری کا نتیجہ تھا۔ اس لیے انھیں اسلام کی تاریخی شاعری کا بانی مبانی سمجھا جاتا ہے۔

ان کی شاعری کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس صنف سخن میں ایک نیا رخ پیش کیا۔ مختلف غزوات اور اہم واقعات کا مکمل خاکہ پیش کیا۔ تاریخی و دینی اقدار سے اپنے اشعار کو آراستہ و پیراستہ کیا۔ اسلامی ریاست میں حضرت حسانؓ کی شخصیت نہ صرف ایک شاعر کی سی تھی بلکہ ایک مؤرخ کی سی نظر آتی ہے جو ساری چیزوں کو اپنے اشعار میں قلم بند کیا کرتے تھے۔ اور انھوں نے اپنے شعری کلام میں تاریخ کے ساتھ ساتھ دین و سیاست کو بھی جمع کیا۔ ان صفات اور خوبیوں کی وجہ سے عربی ادب خصوصاً تاریخ اسلام میں معروف ہوئے اور اشعر المدر کا اعزاز حاصل کیا۔☆[۳۸]

خمریہ شاعری

حضرت حسانؓ زمانۂ جاہلیت میں شراب کے عادی تھے۔ لیکن قبول اسلام کے بعد یک لخت ترک کر دی۔[٣٩] ان کے بارے میں مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ قبیلے کے چند نوجوان مے نوشی میں مصروف تھے۔ اتفاق سے حضرت حسانؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ دیکھا تو بہت لعنت و ملامت کی، جواب ملا یہ سب کچھ آپ ہی کا فیض ہے۔ پھر یہ شعر سنایا:

و نشر بها فتتر كنا ملوكاً
و اسدا ما ينهنهنا اللقاء

ترجمہ: ہم اسی سبب سے پیتے ہیں چناں چہ ہم نے ملوک و اسد کو چھوڑ دیا جو جنگ کے وقت پکڑے رکھتے ہیں۔

اس واقعے سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حسانؓ نے اس صنف پر بھی اپنی صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا اور عرب کے جاہل دستور کے مطابق خمریات کے گیت الاپے۔ ذیل کے قصیدے میں اس طرح کے اشعار بہ کثرت ملتے ہیں، جس کا مطلع یہ ہے:

ماهاج حسان رسوم المقام
و نطعف الحى و مبنى الخيام

ایک جگہ فخریہ انداز میں کہتے ہیں ہم اس اس طرح کی شراب پیتے ہیں، پھر نغمہ سرا ہوتے ہیں۔ اس کی تعریف و توصیف مختلف انداز سے کرتے ہیں:

نشربها صرفا و ممزوجة　　ثم تغنى فى بيوت الرخام
تدب فى الجسم دبيبا كما　　دب دبى وسط وقاق هيام

خمر و فخر کا بیان بڑی عمدگی سے کرتے۔ انداز بیاں نہایت سادہ اور دل کش ہوتا۔ کسی قصیدے میں زندگی کی سرمستیوں، موت و حیات کے درمیان کش مکش اور عیش و عشرت کے بارے میں ان جذبات کا اظہار کرتے ہیں:

و ممسک بصداع الراس من سکر　　نادیته و هو مغلوب فغدانی
لما صحا و تراخى العيش قلت له　　ان الحياة و ان الموت مثلان
فاشرب من الخمر ما آتاک شربه　　وأعلم بان كل عيش صالح فان[٤٠]

مرثیہ گوئی

مرثیہ گوئی عربی شاعری کی ایک نمایاں اور ممتاز صنف ہے۔ مرثیہ ایک قدیم ترین

فن ہے۔ عربی ادب میں جو نمونہ ملتا ہے وہ کلیب کا مرثیہ ہے۔ شعر و شاعری کی دنیا میں مرثیے کو ''احسن مناطق الشعر'' کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ یعنی سب سے اچھا کلام کون سا ہے؟ جواب دیا گیا وہ کلام جس میں اپنے آبا و اجداد کے بارے میں شدید جذبات و احساسات کا اظہار ہو۔ عہد جاہلی میں اس فن پر مستقل شاعری ہوئی۔

مرثیہ گوئی میں حضرت حسانؓ دیگر شعرائے عرب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن حضرت حسانؓ نے جو مرثیے کہے ان میں ان کے کلام کی تمام تر خصوصیات موجود ہیں۔ حضرت حسانؓ کے مرثیے کا ہر ہر شعر سوز و گداز ہے۔ بالخصوص ان کے وہ مرثیے جو انھوں نے سرور عالم ﷺ کے سانحۂ ارتحال پر کہے وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ اس عظیم سانحے پر ملت اسلامیہ کے شعر وجدان کے واضح احوال بیان کیے اور گہری تصویر پیش کی۔

حضرت حسانؓ نے اپنے قصیدے میں پہلی مرتبہ مدینہ منورہ کو نئے لفظ ''طیبہ'' سے یاد کیا جسے رسول پاک ﷺ نے موسوم کیا تھا۔ مقام طیبہ جو آپ ﷺ کا مسکن اور معہد تھا۔ وہ مقدس حصہ جہاں مسجد اور آپؐ کی سجدہ گاہ تھی۔ اس طیبہ کے پہلو میں حجرۂ مبارکہ تھا، جہاں انوار و اکرام کی بارش ہوتی تھی۔ اور اسی مقدس مقام سے نور الٰہی پھوٹا اور ظلمت و تاریکی کو چھانٹتے ہوئے پورے اُفق پر چھا گیا۔

حضرت حسانؓ نے رثائی قصیدے کا آغاز طلول و آثار کے بجائے مدینہ منورہ کے ذکر خیر سے کیا ہے۔ اس قصیدے کا اسلوب اور انداز زیادہ معیاری تو نہیں البتہ فکر و فن کا انداز بہت ہی اونچا اور ارفع ہے۔ اس میں رقت انگیزی اور اثرپذیری کا عنصر بہت ہے:

بطیبة رسم للرسول و معهد　　منیر و قد تعفر الرسوم و تهمد
ولا تنمحی الایات من دار حرمة　　بها منبر الهادی الذی کان یصعد
و واضح آیات و باقی معالم　　و ربع له فیه مصلی و مسجد

ترجمہ: طیبہ (مدینہ منورہ) میں رسول پاک ﷺ کے روشن مسکن و گھر کے آثار ہنوز باقی ہیں، جب کہ گردش روزگاران رسوم کو مٹا دیتے اور بوسیدہ کر دیتے ہیں۔ دار حرم کے نام و نشانات بوسیدہ ہو کر مٹ نہیں سکتیں۔ جس میں ہادئ برحق کا وہ مبارک منبر جس پر آپ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس محترم گھر میں واضح نشانات اور باقی

رہنے والی یادگاریں ہیں اور اس احاطے میں نماز پڑھنے کی جگہ اور سجدہ گاہ ہے۔

حضرت حسانؓ گویا قبر کے سامنے کھڑے ہو کر طیبہ کی تصویر کشی بڑے ہی دل کش انداز میں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیار حبیب ﷺ کے آثار و رسوم معدوم ہونے والے نہیں اور نہ ہی گردش روزگار اور مرور ایام کبھی مٹا سکتے ہیں بلکہ ہر لحہ تازہ اور منور رہنے والے ہیں۔ یہ قبر بڑی ہی بابرکت اور مقدس ہے۔ زائرین حجاج یہاں تبرک اور شفا حاصل کرتے ہیں۔

قصیدے کا اسلوب بیاں بہت ہی سادہ اور عام فہم ہے۔ فکر و فن میں انفرادیت ہونے کی وجہ سے خیالات میں سادگی اور جاذبیت ہے جس کا محور و مرکز اسلام ہے۔ اور یہ ساری خصوصیات قرآن پاکؐ اور نبی اکرم ﷺ کی ذات کی مرہون منت ہیں۔ حزن و ملال کے یہ آنسو عشق رسول ﷺ کی علامت تھے۔ یہ ایک فطری اور قلبی لگاؤ تھا جس کا اظہار بڑے پردرد انداز میں شاعری کے روپ میں ہمارے سامنے ہے:

ظللت بها أبكى الرسول فاسعدت عيون و مثلاها من الجفن تسعد
تذكروا آلاء الرسول وما ارىٰ لها محصيا نفس فنفسى قبلد
مفجعة قد شفها فقد احمد فظللت لآ لاء الرسول تعدد

ترجمہ: اس مقام پر رسول پاکؐ کی ذات پر آہ و بکا کرنے والا ہو کر رہ گیا اور آنکھیں اس غم میں برابر کی شریک ہیں۔ اور آنکھوں کی دو پلکیں بھی اعانت کر رہی ہیں۔ میرا دل حضور پاک ﷺ کی نعمتوں اور برکتوں کو بار بار یاد کر رہا ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میری ذات آپ ﷺ کی نعمتوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے، اس لیے میں بالکل حیران و ششدر ہو رہا ہوں۔

اس عظیم مصیبت نے مجھے زخم خوردہ بنا دیا۔ آپ ﷺ کی جدائی ایک جان لیوا مصیبت بن کر آئی اور اس نے اور زیادہ بوسیدہ کر دیا ہے اور میں رسول اللہ ﷺ کی نعمتوں اور خصوصیات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

حضرت حسان ؓ نے اس قصیدے میں ''مقام طیبہ سے لے کر مقام لحد'' تک حضور ﷺ کے سانحۂ ارتحال سے پیدا شدہ حالات و واقعات اور کیفیات کو بڑے ہی دل دوز

انداز میں پیش کیا ہے۔ عشق رسول ﷺ سے سرشار، جذبات و خیالات کا ایک سیلاب ہے۔ عقیدت و محبت کا بصیرت افروز نذرانہ ہے۔ فکر و خیال میں گہرائی و گیرائی ہے۔ مزید برآں فکر وفن کے لحاظ سے مرثیہ گوئی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ یہ سب کچھ شاعر رسول ﷺ کی طبعی اور قادر الکلامی ہونے کے واضح ثبوت ہیں۔ آخر میں یہ تعزیتی قصیدہ اس دعا پر ختم ہوتا ہے:

مع المصطفیٰ أرجو بذاک جواره
و فی منیل ذاک الیوم أسعی واجهد

ترجمہ: میں اپنی اس مدح و عقیدت کی وجہ سے جوار مصطفیٰ ﷺ میں رہنے کی سعادت کا متمنی ہوں اور اس کے حصول میں برابر سرگرداں اور کوشاں رہتا ہوں۔

دوسرے قصیدے میں حضرت حسانؓ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے وصال پر کس طرح خون کے آنسو روتے ہیں۔ اس مرثیے میں بھی سارے احوال و کوائف کو بڑے ہی حسن وخوبی اور تاریخی انداز میں بیان کیا ہے۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے:

ما بال عینی لاتنام کانما کحلت ما قیها بکحل الا رمد
جزعا علی المهدی اصح ثاویا باخیر من وطی الحصی لاتبعد

ترجمہ: میری آنکھوں کو کیا ہوگیا ہے کہ نیند نہیں آتی ہے۔ گویا کہ دونوں آنکھوں کے کناروں میں تنکو کا سرمہ لگا دیا گیا ہو۔ اس ہادیٔ برحق پر جزع فزع کرنے کی وجہ سے، جو سکونت پذیر ہوگیا۔ اے خیر البشر! جس نے اس زمیں کو بار بار روندا ہے، وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا نہ ہو۔

تیسرے قصیدے میں بھی کچھ اس طرح کے جذبات و احساسات کا اظہار ہے:

الیت ما فی جمیع الناس مجتهدا منی أ لیة بر غیر افناد
تالله ماحملت انثی ولا وضعت مثل الرسول نبیی الامة الهادی

ترجمہ: میں نے، عامۃ الناس میں جو چیزیں ہوتی ہیں، اپنی طرف سے سچی قسم کھا رکھی ہے جو جھوٹوں کی طرح نہیں، جسے میں نے بغیر کسی کوتاہی کے پورا کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ بخدا! رسول پاک ﷺ اُمت

کے نبی اور ہادی کی طرح آج تک کوئی عورت حاملہ ہوئی اور نہ بچہ جنا ہے۔

چوتھے قصیدے کا اسلوب و انداز کچھ بدلا ہوا ہے۔ لیکن معنی و مفہوم کا رنگ ویسا ہی غالب ہے، ملاحظہ کیجیے:

نب المساکین ان الخیرنا رمتهم　　مع النبی تولی عنهم مسحرا

من ذالذی عنده رحلی براحلتی　　و رزق اهلی اذا لم یؤنسو المطرا[۴۱]

نعتوں کے ساتھ یقیناً ان مرثیوں کا بھی شعر و ادب کی دنیا میں ایک منفرد مقام ہے۔ ان مرثیوں کی تعداد چار ہے۔ ان کے علاوہ بعض نسخوں میں دو شعر اور بھی نقل کیے گئے ہیں۔ جو قلبی تاثرات کے لحاظ سے تمام مراثی کا نچوڑ ہے، فرماتے ہیں:[۴۲]

کنت السواد لناظری　　فعمی علیک الناظر

من شاء بعدک فلیث　　فعلیک کنت احاذر

ترجمہ: آپ ﷺ میری نگاہ کی بینائی تھے۔ اب میری نگاہ دیکھنے کے لیے کور ہوگئی۔ آپ ﷺ کے بعد جو چاہے مرے جیے، مجھے تو صرف آپ ﷺ ہی کی جدائی کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔

دوسری طرف حضرت حسانؓ نے صحابہ کرامؓ کے انتقال پر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا اور بڑے ہی پر درد مرثیے کہے ہیں۔ زبان و بیان اور فکر و خیال ہر لحاظ سے پراثر اور تاریخی نوعیت کے ہیں۔ حضرت حسانؓ کے سارے مرثیے صحابہ کرامؓ سے گہرے لگاؤ۔ محبت و عظمت اور ان کے فراق پر قلبی جذبات کے اظہار کے جیتے جاگتے نمونے ہیں۔ اصحاب الرجیع[۴۳] کے بارے میں یوں نوحہ خواں ہوتے ہیں:

صلی اله علی الذین فتابعوا　　یوم الرجیع فاکرموا و اثیبوا

رأس الکتیبة مرثد و امیر هم　　و ابن البکیر امامهم و خبیب

و ابن لطارق و ابن اوثنة منهم　　و افاه ثم حمامه المکتوب

منع المقادة ان ینالوا ظهره　　حتی یجالد انه لنجیب

العاصم المقتول عند رجیعهم　　کسب المعالی انه لکسوب

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں پر اپنی رحمت فرمائے، جو میدان رجیع

میں یکے بعد دیگرے قتل کر دیے گئے، اس وجہ سے تمام لوگ معزز و مکرم ہوگئے اور ثواب و اجر کے حق دار ہوئے۔ ان شہدا میں سریہ کے بڑے امیر مرثد تھے، ابن البکیر اور خبیب امام تھے۔ اس قافلے میں ابن طارق اور ابن اوشنہ بھی تھے۔ دونوں نے بڑی پامردی اور پاس داری کا ثبوت دیا، پھر نوشتے کے مطابق جام شہادت نوش فرمایا۔ انھوں نے ذلت و فرار کو اپنے پاس آنے نہیں دیا اور یہ بھی پسند نہیں کیا کہ بغیر مقابلے کے دشمن پر قابو پالیں، وہ نہایت شریف اور اچھے آدمی تھے۔ انھی میں عاصم بھی تھے جنھیں قتل کیا گیا۔ انھوں نے عالی مرتبت حاصل کی اور اس میں وہ سبقت کر گئے۔

۱۳ھ میں جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو بہت سارے شعرا نے ان کا مرثیہ کہا، لیکن ان میں حضرت حسانؓ کا درد بھرا مرثیہ سب سے بہتر تسلیم کیا گیا، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

اذا تذکرت شجوا من فی ثقة فاذکر اخاک ابابکر بما فعل
التالی الثانی المحمود سیرته و اوّل الناس منهم صدق الرسلا
و ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو اذ صعد الجبلا
و کان حب رسول الله قد علموا خیرالبریه لم یعدل به رجلا

ترجمہ: اگر کسی قابل اعتماد شخص کا غم کرنا ہے تو اپنے بھائی ابوبکرؓ کے کارنامے کو یاد کرو۔ جو قابل تعریف سیرت و صفات والے ہیں اور رسول صادق پر سب سے پہلے ایمان قبول کرنے والے تھے۔ تنگ غار میں آپ ﷺ کے دوسرے ساتھی تھے۔ جب کہ دشمن آپ ﷺ دونوں کی تلاش میں سرگرداں پھر رہے تھے۔ رسول پاک ﷺ کے محبوب اور دوست تھے۔ مخلوق کے اندر سراپا خیر اور امت کے اندر آپؐ کے برابر دوسرا نہ تھا۔

جب حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو اس موقع پر بھی حضرت حسانؓ نے رقت انگیز مرثیہ کہا، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

و فجعنا فیروز لا درّ درّہ بابیض قیلو المحکمات ینسب

رؤف علی الادنی غلیظ علی العدا		اخی ثقة فی النائبات نجیب

حکمت و موعظت

حضرت حسانؓ کے مجموعۂ کلام میں پند و نصائح اور حکمت پر مبنی بہت سی ابیات اور اشعار موجود ہیں۔ ایک کہنہ مشق معمر اور تجربہ کار شاعر اور پھر جلیل القدر صحابی کی حیثیت سے حضرت حسانؓ کا دیوان اس قسم کی شاعری سے خالی نہیں ہے۔ انھوں نے حکیمانہ اور اعلیٰ اخلاق کا درس بڑے اچھے انداز میں دیا ہے۔ یہ سارے اشعار نہایت پراثر اور حکمت و دانش کا بیش بہا خزینہ ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے دعوت اسلامی میں انہماک نے اس موضوع پر کچھ زیادہ اظہار خیال کا موقع نہیں دیا۔ پورے دیوان میں تقریباً دو قصائد ''الحکم المواعظ'' اور ''الاصدقاء'' کے عنوان سے اور کچھ متفرق اشعار ملتے ہیں۔ حضرت حسانؓ کے مذکورہ ابیات فکر و خیال اور موضوعات کے لحاظ سے طرفہ بن العبد اور زہیر بن ابی سلمیٰ کے مقابلے میں کم اہمیت کے حامل ہیں۔[☆۴۴] اور ان ابیات میں حکمت و موعظت کی وہ گہرائی اور گیرائی نہیں ملتی جو مذکورہ سابقہ شعرا کے یہاں ملتی ہے۔ اس کی واحد وجہ قرآن پاک کا اثر اور اسلامی ماحول کی تاثیر ہے، جس سے اثرپذیر نہ ہونا حضرت حسانؓ کے بس کا روگ نہ تھا۔

دونوں قصائد میں الفاظ سہل، عام فہم، انداز بیاں سادہ، اور ضخامت اسلوب سے پاک ہے۔ حکمت و دانائی سے پر اور عمدہ اشعار کے نمونے ہیں۔ دونوں قصائد کے مطالعے ملاحظہ کیجیے:

اعرض عن العوراء ان اسمعتها		واقعد کانک غافل، لاتسمع
ودع السوال عن الأمور و بحثها		فلرب حافر حفرة هو یصرع
و الزم مجالسة الکرام و فعلهم		و اذا اتبعت فابصرن من تتبع

ترجمہ: بری سن کر اعراض کیا کرو، گویا تم نے لغویات سنی ہی نہیں۔ یعنی سن کر ان سنی کر دو اسی میں عافیت ہے۔ کسی امور یا بحث کی کرید میں نہ پڑا کرو۔ کیوں کہ گڑھا کھودنے والا انسان بسا اوقات اسی میں پچھاڑا جاتا ہے۔ نیک اور شریف لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کرو اور ان کے افعال کی نقل کرو، جب کسی کی پیروی کرو تو اس پر اچھی طرح غور و فکر کیا کرو۔

دوسرا قصیدہ ''الاصدقاء'' میں اخلاقیات کا بہترین درس ہے:

اخلاء الرخاد هم كثير و لكن فی البلاء هم قليل
فلا يغررک خلة من توانی فمالک عنه نائبة خليل
و كل اخ يقول أنا وفی و لكن ليس يفعل مايقول
سوی خل له حسب و دين فذاک لما يقول هوالفعول

ترجمہ: فراخی میں دوست و احباب کی کثرت ہوتی ہے، لیکن ابتلا و مصیبت میں بہت کم رہ جاتے ہیں۔ غم گسار کی صداقت تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے اس لیے کہ مصیبت کے وقت کوئی دوست نہ ہوتا ہے۔ ہر دوست اپنے کو باوفا کہتا ہے، لیکن ایسا نہیں، اس لیے کہ جو کچھ کہتا ہے وقت آنے پر اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا، علاوہ اس دوست کے جو شریف اور دین دار ہوتا ہے، وہ وہی کچھ کہے گا جو کرے گا۔

دیوان

حضرت حسانؓ کی شاعری اتنی مستند اور ٹکسالی تصور کی گئی کہ اہل لغت نے ان کے کلام سے استشہاد کیا ہے۔ ابن منظور صاحب لسان العرب نے ان کو جمع کر کے ان کی تشریح کی ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں متعدد طباعتیں منظرعام پر آچکی تھیں۔ ان کا دیوان تیونس سے ۱۸۶۴ء میں، بمبئی سے ۱۸۶۵ء میں اور لاہور سے ۱۸۷۸ء میں اور مصر سے ۱۹۰۴ء میں محمد شکری المکی کے زیراہتمام پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ لیکن دوسری مرتبہ محمد العنان کی شرح کے ساتھ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں لندن کے مشہور ادارے ''گب میموریل سیریز'' نے لندن، برلن، پیرس اور سینٹ پیٹرسبرگ کے متعدد قلمی نسخوں، نیز مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر کے بڑے اہتمام سے اس کو شائع کیا ہے۔ لیکن اس نسخے کے فہارس خاص طور سے مزید تدقیق کے محتاج ہیں۔ اس نسخے کے ناشر نے مخطوطات، صحت دیوان، قرآن پاک سے ان کے قصائد کا تعلق، معاصرین کے اشعار اور حضرت حسانؓ کی شعری خصوصیات جیسے امور سے شروع میں بحث کی ہے۔☆۴۵

دیوان حسانؓ کی کئی شروح لکھی گئیں۔ دیوان کی بعض شروح کی مختلف طباعتیں موجود ہیں۔ عصر حاضر میں عبدالرحمٰن برقوقی کی شرح خاص مقبول اور متداول ہے۔ اس کے علاوہ بمبئی

اور لاہور سے طبع شدہ شرح ''فیض الخاطر'' بھی قابل ذکر ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت حسانؓ کے دیوان میں تقریباً دو سو اُنتیس (۲۲۹) قصائد اور مقطوعات ہیں۔ ان ہی کا بیش تر حصہ اہل قریش اور بعض یہودی قبائل سے متعلق ہجویہ قصائد پر مشتمل ہے۔ بسااوقات حضرت حسانؓ صرف انھی شعرا کی اچھی طرح خبر لیتے جو ان کی ہجو کرتے۔ باقی انصار سے متعلق فخریہ قصائد، علاوہ ازیں مدح رسول ﷺ، دفاع اسلام، مدح غسانسہ، مجالس لہو ولعب کے وصفیہ کلام، خمریات اور غزلیہ شاعری پر مشتمل دیوان ہے۔

حضرت حسانؓ کے دیوان کی صحت کے متعلق قدیم و جدید ادبا و نقاد کے یہاں شدید اختلاف رائے ہے۔ بیش تر متقدمین خصوصاً مستشرقین اور مصری و شامی تاریخ نویسوں نے کافی کتر بیونت اور غلط بیانی سے کام لیا ہے، جس طرح ان کے کلام کی فنی امور پر تنقید کی گئی تھی۔

اس اختلاف کی روشنی میں کہ اس دیوان حضرت حسانؓ کی کتنی قطعات ثابت ہیں؟ اور وہ کون کون سی؟ اور پھر کتنے ابیات و قصائد صدر اسلام میں منحولہ قرار پائے؟... کچھ اس طرح کے سوالات ہنوز قابل تحقیق و توجہ طلب بنے ہوئے ہیں۔ اور آئندہ بھی رہیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابن سلام کے قول کے مطابق انیسویں صدی کے نصف اوّل میں ایک قدیم مسئلہ ہے۔ دیوان حسانؓ کی صحت کے متعلق قطعی رائے نہیں دی جاسکتی ہے۔ احادیث، لغت اور نقد و ادب کی کتابوں میں جو اشعار منقول ہیں وہ بلاشبہ صحیح ہیں۔ اور باقی اشعار کے متعلق قدرے اطمینان مشکل ہے۔

جس طرح ہر مقبول اور مشہور صاحب فن کے ساتھ ہوتا آیا ہے کہ اس کے کلام میں بعد کے لوگ اضافہ کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے کھوٹے سکوں کو اصل سکوں کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں تاکہ دونوں بازار میں یکساں طور پر قبول کر لیے جائیں۔ اسی طرح بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر اگر حضرت حسانؓ کے کلام میں اس طرح کے اضافے ہوگئے ہیں اور ان کا غلط انتساب ہوگیا ہے تو تعجب کی بات نہیں ہے۔ خاص طور سے اس وقت کا کلام جب کہ تدوین و کتابت کا عام مذاق نہیں تھا۔ صرف حافظوں پر سارا دار و مدار تھا۔ اس لیے بلاقصد بھی چند اشعار کا غلط انتساب ہوگیا ہو تو اس کو اتنی اہمیت نہیں دی جاسکتی کہ سارے مجموعے کو مشتبہ قرار دیا جائے جیسا کہ بعض تجدد نواز مصنفین کا رجحان ہے۔ قدما نے یہ ضرور کہا ہے کہ ان کے کلام

میں اضافے کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ''طبقات فحول الشعرا'' کے مصنف لکھتے ہیں:

و ھو کثیر الشعر جیدہ و قد حمل علیہ مالم یحمل علیٰ احد لما تعاضھت قریش و انتسب و صنعوا علیہ اشعار کثیر لاتنقی	حضرت حسان قادرالکلام اور پاکیزہ شعر کہنے والے تھے۔ ان پر جس قدر اہل قریش نے اتہام لگائے اور ان کی دشمنی کی اس قدر کسی کی نہ کی ہوگی۔ ان کے کلام میں غیر منتخب اشعار غلط طور پر منسوب کرکے بڑھا دیے گئے ہیں۔

لیکن اس کا کہاں یہ مطلب نکلتا ہے کہ پورا مجموعۂ کلام ہی مشکوک قرار دیا جائے۔

حواشی

☆۱۔ ''جمہرۃ انساب العرب''، از ابن حزم، ص۳۴۷۔ ''شرح دیوان حسان بن ثابتؓ''، از عبدالرحمٰن برقوتی، ''کتاب الاغانی'' از ابوالفرج الاصفہانی، ص۱۳۳۸، ''شاعرالنبی: دراسہ ونقد ومنتخبات''، از عبداللہ انیس الطباع ص۸۔

☆۲۔ ج ۲/۳۴، ''الحیاۃ الادبیۃ''، از محمد عبدالمنعم خفاجی، ص۲۴۶۔

☆۳۔ ''ابن سعد'' ج ۸/۲۷۱

☆۴۔ ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ''، از ابن حجر، ج ۸/۱۶۶

☆۵۔ بہ حوالہ دائرہ المعارف اسلامیہ (لاہور، اردو)، ج ۸

☆۶۔ ''طبقات ابن سعد''، ج ۸/۲۷۱

☆۷۔ آنحضرتﷺ کی ولادت باسعادت باتفاق مؤرخین، ۲۲ر اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی، دیکھیے تفصیل ''رحمۃ للعالمین''، از قاضی محمد سلیمان منصورپوری، ج ۱/۴۳

☆۸۔ ''شاعرالنبی حسان بن ثابتؓ: دراسۃ ونقد، ص۹۰۸

☆۹۔ ''استیعاب''، ج ۱/۱۲۹، ''کتاب الاغانی''، ج ۴

☆۱۰۔ ''اسدالغابہ''، ج ۲/۶، ''کتاب الاغانی''، ج ۴/۱۶۴

☆۱۱۔ ''اسدالغابہ''، ج ۲/۶

☆۱۲۔ صحیح بخاری

☆۱۳۔ ''شرح دیوان حسان''، از برقوتی، ص۲۵، ۲۶

☆۱۴۔ ''شرح دیوان حسان''، از برقوتی

☆۱۵۔ ''کتاب الاغانی''، ج ۴/

☆۱۶۔ ''سیرالانصار''، از مولوی سعیدالانصاری، ج ۱/۲۸۰

☆۱۷۔ ''کتاب الاغانی''، ج ۴

☆۱۸۔ ''کتاب العمدہ''، ابن رشیق، ج ۲/۲۳۵، ''جمہرۃ اشعار العرب'' ابو زید القرشی، ص۸۰

☆۱۹۔ ''اسد الغابہ''، ج ۲/ ۶۰

☆۲۰۔ ''کتاب الاغانی''، ج ۴/ ۱۶۴

☆۲۱۔ ''کتاب العمدہ''، ابن رشیق، ج ۲/ ۱۳۹

☆۲۲۔ ''اسد الغابہ''، ابن اثیر، ج ۲/ ۵، کتاب الاغانی، ج ۴/ ۱۳۵، کتاب الاستیعاب از ابن عبد البر ۱/ ۳۴۴

☆۲۳۔ استیعاب، ص ۱۳۰

☆۲۴۔ ''طبقات ابن سلام''، ص ۱۷۹

☆۲۵۔ مسند احمد، حاشیہ ۱۶۷

☆۲۶۔ ''کتاب الاغانی''، ج ۴/ ۱۳۸

☆۲۷۔ ''کتاب الاغانی''، ج ۴/ ۱۴۳، العصر الاسلامی، شوقی ضیف، ج ۲/ ۷۷

☆۲۸۔ ''کتاب الاصابہ''، ج ۱/ ۳۲۵

☆۲۹۔ ''صحیح مسلم'' ج ۲/ ۳۰۰ میں مختلف طرق سے منقول ہے۔ اسی طرح ''کتاب الاغانی''، ج ۴/ ۱۴۳ اور ''استیعاب'' ج ۱/ ۱۲۹ میں بھی اختلاف متن کے ساتھ روایت ملتی ہے۔

☆۳۰۔ ''کتاب الاغانی''، ج ۴/ ۱۴۳

☆۳۱۔ ''کتاب الاغانی''، ج ۴

☆۳۲۔ یقسم الربع: بیت کے دوسرے مصرعے میں اختلاف روایت ہے۔ بعض نسخوں میں ''وفینا نصب البیع'' ہے جس کا مطلب ہے ''عبادت گاہیں ہمارے اندر قائم کی کی جاتی ہیں۔'' لیکن صحیح مذکورہ روایت ہے۔

☆۳۳۔ ''کتاب الاصول'' میں ''علی رغم انف'' کی روایت ہے۔ دیوان برقوتی اور طبری کی روایت مختلف ہے۔ ان کی روایت میں علی کل باغ ہے۔ تیسری روایت کے مطابق، ''نصرنا و آوینا النبی محمداً علیٰ انف راض من معد راغم'' ہے۔

☆۳۴۔ بہ حوالہ ''سیرت النبی'' از سلیمان ندوی، ج ۱/ ۳۸، کتاب الاغانی'' ج ۴

☆۳۵۔ دیکھیے، ''سیرت ابن ہشام''، ج ۴/ ۲۲۲، تاریخ طبری، اردو ایڈیشن، ج ۳/ ۳۹۹، ''کتاب الاغانی''، ج ۴/ ۱۳۶، ''استیعاب''، ج ۱/ ۳۵۰

☆۳۶۔ ''کتاب الاغانی''، ج ۴

☆۳۷۔ ''سیر انصار''، مولوی سعید، ج ۱/ ۲۹۰

☆۳۸۔ الروائع، ص ۱۵۰

☆۳۹۔ ''استیعاب''، ج ۱/ ۱۲۹

☆۴۰۔ الروائع

☆۴۱۔ ''شرح دیوان حسان'' از برقوتی، ص ۲۲۰

☆۴۲۔ ''عربی میں نعتیہ کلام''، از عبداللہ عباس، ص ۷۰

☆۴۳۔ جنگ احد کے دو تین ہفتوں کے بعد ماہ صفر کے آغاز میں قبیلہ عضل و قارہ کا ایک گروہ حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا، ''یارسول اللہ! ہم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب میں سے کچھ آدمیوں کو ساتھ روانہ کر دیجیے تاکہ وہ ہمیں دین اسلام کی تعلیم دیں اور قرآن پاک پڑھنا سکھا سکیں۔'' آپ ﷺ نے درخواست قبول کرلی اور صحابہ کرامؓ میں سے ۶ یا ۷ اصحاب کو منتخب کر کے جماعت کی شکل میں روانہ کر دی۔ (تعداد میں اختلاف ہے، صحیح بخاری کے بہ موجب دس افراد تھے) ان میں مرثد بن ابوالمرثد غنوی، خالد بن بکیر لیثی، عاصم بن ثابت بن ابو قلح، خبیب بن عدی اور عبداللہ بن طارق تھے۔ آپ ﷺ نے مرثد بن ابوالمرثد کو امیر سفر مقرر کیا۔ جب پورا قافلہ مقام رجیع (مکہ اور

عسفان کے درمیان حزیل کے پانی کا علاقہ ہے) پر پہنچا تو قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کے لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی اور باہم مقابلہ آرائی کے بعد سازشیوں نے بجز خبیب اور زید کے سب کو شہید کر دیا۔ اور باقی دو کو محبوس کر لیا۔ ان اشعار میں حضرت حسانؓ نے اس دردناک واقعے سے متاثر ہو کر خراج عقیدت پیش کیا۔ بہ حوالہ ''سیرت ابن ہشام''، ج ۱۷۲/۲/۲، ''استیعاب''، ج ۱۳۸۴/۳، ''محسن انسانیت''، از نعیم صدیقی، ص ۴۵۲۔

☆۴۴۔ شاعر النبی، دراسۃ ونقد، ص ۱۰۸

☆۴۵۔ روائع، حسان بن ثابت از نو ادبستان، ص ۱۴۶

☆۴۶۔ ''عربی میں نعتیہ کلام''، از عبداللہ عباس، ص ۷۰

☆

ڈاکٹر اسلوب احمد انصاری (بھارت)

اقبالؔ کی رُباعیات میں نعت

اقبالؔ کے آخری مجموعۂ کلام ''ارمغان حجاز'' میں جو رباعیاں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں، ان کا موضوع کم و بیش وہی ہے جو بال جبریل، میں مشہور نظم ''ذوق و شوق'' کا ہے۔

''ذوق و شوق'' کے بارے میں یہ امر متعین ہے کہ وہ سفر حجاز کے بدل کے طور پر لکھی گئی تھی اور یہ ایک عظیم نظم ہے۔ اس میں متنوع موضوعات برتے گئے ہیں۔ شعری نقطۂ نظر بھی بدلتا رہتا ہے اور نظم کا سارا تار و پود اور در و بست موضوع کے اعتبار سے بھی اور فنی اہتمام و انصرام، کے لحاظ سے بھی اپنے اندر ایک طرح کی ندرت اور پیچیدگی رکھتا ہے۔ اقبالؔ دیار حبیب ﷺ کی زیارت کا شوق اور ولولہ عرصے سے اپنے دل کی گہرائیوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ مگر انھیں حاضری کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ فرط شوق اور عقیدت سے چھلکتے ہوئے اپنے مضطرب اور ناصبور قلب کا مرقع انھوں نے رباعیوں میں اتارا ہے اور ایک تخیلی سفرنامۂ حج کی تصویر جذبات کے اتار چڑھاؤ کے آئینے میں جڑ کر پیش کی ہے۔ یہاں تمام تر معاملہ جذباتی پیش کش اور جذباتی رویے کا ہے۔ یہاں ظن و تخمین، شعوری ارادے اور منصوبہ بندی کا گزر نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس سے شاعر کو جو بے پایاں عقیدت اور گرویدگی ہے، وہی سب سے بڑا محرک اس سفر حج کا ہے اور یہاں جو عنصر سب سے زیادہ اہم ہے، وہ سپردگی اور سپراندازی کا داعیہ ہے جس کا اظہار شروع ہی میں بہ ایں طور کیا گیا ہے:

خرد از راندن محمل فرد ماند
زمام خویش دارم در کف دل

یہی وہ دل ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے:

نصیب او قرار یک نفس نیست

یہ رباعیاں عمر کے اس حصے میں لکھی گئیں، جسے موسم سرما سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ دونوں آنکھوں کی بینائی تقریباً زائل ہوچکی تھی، جسمانی سفر کے لیے تاب وتوانائی باقی نہ رہی تھی دل میں شوق و اضطراب کی آگ اسی طرح فروزاں تھی، قلب اسی طرح سیماب آسا تھا۔ اس لیے شروع ہی کی رباعیوں میں سے ایک میں تخاطب کا یہ انداز اختیار کیا گیا ہے:

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نواخواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ

ان رباعیوں میں دشت، صحرا، راکب، ساربان، خرام، موج، منزل اور لالہ کے فنی پیکر تواتر کے ساتھ مستعمل ہوئے ہیں۔ یہ پیکر کچھ تو صحرائے عرب کے سفر کی مناسبت سے لائے گئے ہیں اور کسی حد تک ان کا تعلق عربی شاعری کی اس فضا سے بھی ہے جو بال جبریل، کی بعض نظموں میں تہ نشین ہے۔ گمان غالب ہے کہ اس خاص دوران اندلس کے عربی شاعروں کا کلام اقبالؔ کے لاشعور میں جاگزیں رہا ہوگا۔ اس کا اظہار ایک رباعی میں یوں کیا گیا ہے:

چہ خوش صحرا کہ شامش صبح خند است
شبش کوتاہ و روز او بلند است
قدم اے راہرو آہستہ تر نہ
چو ما ہر ذرۂ او درد مند است

اس شوق اور عقیدت کی ثمر رسیدگی کے لیے تنہائی ایک لازمی شرط ہے۔ ''لالہ'' کی علامت سے اقبالؔ کی وابستگی اور اس کے مضمرات سے کسب فیض مختلف سیاق وسباق میں نمایاں ہے۔ یہاں اس نے یہ روپ دھارا ہے:

بہ راغاں لالہ رست از نو بہاراں
بصحرا خیمہ گستر دند یاراں
مرا تنہا نشستن خوشتر آید
کنار آبجوئے کوہساراں

تنہائی کی کیفیت مراقبے یعنی Meditation اور حضوریٔ قلب کے حصول کے لیے اقبال کے ہاں، اور دوسرے شعرا کے مثل ایک تخلیقی بعد رکھتی ہے۔ سفر حجاز کے تصور سے اپنی خوش نصیبی پر طرح طرح سے فرحت و انبساط کا اظہار کیا ہے:

چہ خوش بختے، چہ خرم روزگارے
در سلطاں بہ درویشے کشادند

اس حالت اضطراب میں اور اس سرخوشی میں ان کا ذہن رہ رہ کر اپنی قوم کی طرف مراجعت کرتا ہے اور وہ بے اختیار یہ کہتے سنائی دیتے ہیں:

ہنوز ایں چرخ نیلی کج خرام است
ہنوز ایں کارواں دور از مقام است
زکار بے نظام اوچہ گویم
تو می دانی کہ ملت بے امام است

اس سلسلے میں ایک اور شعر کی معنویت بھی قابل غور ہے۔ رباعی کے پہلے شعر میں مسلمانوں کی خواری، تنزلی اور پستی کے براے میں استفسار کیا گیا ہے۔ یہاں انداز بیاں براہ راست بلکہ بڑی حد تک سپاٹ ہے البتہ دوسرے شعر میں جہاں اس کا سبب نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس سے ان کی محبت اور عقیدت میں کمی بتائی گئی ہے، وہاں تعلیل کا انداز بڑا انوکھا اور نرالا ہے:

ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

اقبال کی شاعری میں جن موضوعات کی تکرار مسلسل ملتی ہے، ان میں یقین محکم، دل روشن و بیدار اور ضمیر آتشیں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں چناں چہ ان کے اظہار کے لیے یہ پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے:

ز سوز ایں فقیر رہ نشینے
بدہ اور اضمیر آتشینے
دلش را روشن و پائندہ گرداں
زامیدے کہ زاید از یقینے

یہاں یہ جتانے کی ضرورت نہیں کہ 'او' کی ضمیر اپنی ملت اور قوم کی طرف راجع ہے۔
جیسا کہ اس سے پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے، اقبالؔ اس تخیلی سفرِ حج میں تنہائی اور عزلت گزینی کے جویا اور مشتاق تھے کیوں کہ یہ غالباً ان کے ذہن کو اس کے مقصد پر مرتکز رکھنے کے لیے ضروری تھا۔ چناں چہ ایک جگہ اس کا اظہار اس طرح کیا ہے:

مرا تنہائی و آہ و فغاں بہ
سوئے یثرب سفر بے کارواں بہ
کجا مکتب، کجا مے خانۂ شوق
تو خود فرما مرا ایں بہ کہ آں بہ

لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ اس سفر کے لیے ان کی اپنی پونجی اتنی کم اور ہیچ مقدار ہے یعنی دودِ نفس سے زیادہ نہیں ہے اور یہ ان کے سفر کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ لیکن سینے کے اندر اپنے محبوب سے قربت اور یکجائی کا سودا سمایا ہوا ہے:

درونِ ما بجز دودِ نفس نیست
بجز دستِ تو مارا دسترس نیست
دگر افسانۂ غم با کہ گویم!
کہ اندر سینہ ہا غیر از تو کس نیست

اس کے بعد کی رباعی میں بڑے اندازِ سرمستی کے ساتھ اپنے اندرونی سوز و گداز کی حالت کو واضح کیا ہے۔ دل کی اصلی حالت تو صرف نبی کریمؐ ہی پر منکشف ہو سکتی ہے کہ کوئی دوسرا اس کا رازداں نہیں۔ اپنے مدعا کو زبان پر لانے یعنی اسے حرف و صوت کے وسیلۂ ابلاغ کی مدد سے ظاہر کرنا ممکن نہیں:

غریبے، درد مندے، نے نوازے
ز سوزِ نغمۂ خود در گدازے
تو می دانی چہ می جوید، چہ خواہد
دلے از ہر دو عالم بے نیازے

آرزو تمام تر صرف درِ محبوب تک رسائی کی ہے۔ دل اسی درد سے مضطرب اور روح اہتزاز میں اسی تصور کی بنا پر ہے اور اس معاملے میں صبر کرنا اور جذبات کو قابو میں رکھنا

غیر ضروری اور غیر فطری سی شے ہے۔ اس لیے کہ جانِ مدعا تو یہی ہے۔ درد کی انتہائی شدت اور فرطِ شوق کا منتہا حضور کا حصول ہے:

مراں از در کہ مشتاقِ حضوریم
از آں دردے کہ دادی ناصبوریم
بفرما ہر چہ می خواہی بجز صبر
کہ ما از دے دو صد فرسنگ دوریم

اس جذبے کو ذرا زیادہ دل نشین انداز میں اور شعری کنائے کا سہارا لے کر اس طرح بیان کیا ہے اور اس طرح شعری تشدید پوری طرح وجود میں آگئی ہے:

فقیرم از تو خواہم ہر چہ خواہم
دل کو ہے خراش از برگ کاہم
مرا درسِ حکیماں دردِ سر داد
کہ من پروردۂ فیضِ نگاہم!

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں دل کوہ پر برگ کاہ کی خراش ایک لطیف اشارہ ہے، اس تاثیر کے جذب و نفوذ کا، جو شاعر کے دل پر محبوب کی فرقت سے پیدا ہوسکتی ہے۔ دوسرے شعر میں تضاد ہے عقل و حکمت اور فیضِ نگاہ، دو مختلف محرکات کے درمیان اور مؤخر الذکر کو اوّل الذکر پر ترجیح حاصل ہے کہ اس کے ذریعے دل کے معاملات کا کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچنا ممکن ہے۔ اسی سے منسلک دو اور رباعیاں ہیں۔ افزونیٔ عمر کے باوجود دل حرارت اور شدت سے لبریز ہے۔ ان معنوں میں کہ اس میں محبوب سے قربت طلب کرنے کا ولولہ توانا اور بیدار ہے۔ اسی لیے پوری شخصیت اپنی تمام تر قوتوں کی یک جائی کے ساتھ روضۂ پاک کی زیارت کے تصور سرشار ہے:

ہماں سوزِ جنوں اندر سرِ من
ہماں ہنگامہ ہا اندر برِ من
ہنوز از جوشِ طوفانے کہ بگذشت
نیا سود است موجِ گوہرِ من

دوسرے ہی لمحے میں لہجے اور پیکر کی کسی قدر تبدیلی کے ساتھ یوں نوا سنج ہیں:

هنوز این خاک دارائے شرر هست
هنوز این سینه را آه سحر هست
تجلی ریز بر چشمم که بینی!
باین پیری مرا تاب نظر هست

منزل جتنی قریب آتی جاتی ہے، شوق و آرزو کے برومند ہونے کے امکانات روشن ہونے لگتے ہیں۔ اس فضا میں پہنچ کر یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ جہان عشق و مستی کے دروازے کھل رہے ہیں اور دیار حبیب ﷺ سے مستفیض ہونے پر ایک جہان نو میں داخل ہونے کا احساس تازہ ہونے لگتا ہے:

چو خود را درکنار خود کشیدم
به نور تو مقام خویش دیدم
درین دیر از نوائے صبح گاهی
جهان عشق و مستی آفریدم

اس دوران اقبال اپنے محبوب موضوع کی طرف لوٹتے نظر آتے ہیں یعنی کائنات کی تکوین اور تقویم میں عشق کا مقام اور مرتبہ، قلب کا عشق نبی ﷺ کی آماجگاہ ہونا اور خود شاعر کے عشق کے جذبے سے سرشار ہونے کے باعث نبی کریم ﷺ سے قربت کی خواہش اور جستجو۔ یہاں جبریل دراصل اس نقطۂ اتصال کا اعلامیہ ہے جو الوہی اور انسانی خودی کے درمیان موجود ہے:

جهاں از عشق و عشق از سینۂ تست
سرورش از مۓ دیرینۂ تست
جز این چیزے نمی دانم ز جبریل
که او یک جوهر از آئینۂ تست

اس منزل پر پہنچ کر اب یہ فکر سر پر سوار ہوتی ہے کہ دل کی یہ سوغات قبول ہو تو کیوں کر ہو۔ پس ایک دل ہی ہے جو کبھی لالہ بن کر اگتا اور دمکتا ہے اور کبھی قطرۂ خون کی صورت اس کی تراوش ہوتی ہے دراصل دل، جذبات کی کشید سے عبارت ہے، اور یہی وہ

پیش کش ہے جسے وہ نبی کریم ﷺ کے قدموں میں ڈالنا چاہتے ہیں:

دمید آں لالہ از مشت غبارم
کہ خونش می تراود از کنارم
قبولش کن ز راہ دل نوازی!
کہ من غیر از دلے چیزے ندارم

ملت بیضا سے اقبال کا جو معاملہ رہا ہے، اسے دل ناصبور کی نسبت سے نوائے دل گداز، بلند کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اپنی ساری کدو کاوش اور جستجو کو مختصر طور سے تین افعال کے ذریعے اس طرح ظاہر کیا ہے: "تپیدم، آفریدم آرمیدم۔" آغاز گفتگو میں کہا گیا تھا کہ "زمام خویش دادم در کف دل" اور بعد کی ایک رباعی میں اس کا اعادہ اس طرح کیا ہے، "بہ باد دشت وا کردم در دل۔" دشت ایک طرح سے فیضان کا اشارہ ہے۔ آخری رباعیوں میں سے ایک میں پھر اسی کو دہرایا ہے اور اس کے پہلو بہ پہلو اپنی تنہائی کے شدید احساس کو بھی، کہ یہ تنہائی اکتساب فیض کے لیے ایک غیر معمولی شرط ہے:

دلے برکف نہادم، دلبرے نیست
متاعے داشتم غارت گرے نیست
درون سینۂ من منزلے گیر
مسلمانے زمن تنہا ترے نیست

اس میں یہ اشارہ بھی پوشیدہ ہے کہ محبوب سے اتصال کا جذبہ ابھی کامرانی کی منزل تک نہیں پہنچا۔ یہ ابھی ناتمام بھی ہے اور ناآسودہ بھی۔ گو تگ و تاز کا عمل عرصے سے جاری ہے۔ یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ جلوت اور خلوت دونوں حالتوں میں نبی کریم ﷺ سے وابستگی اور پیوستگی کا یہ جذبہ تند و تیز اور تازہ و توانا رہا ہے۔ اس فقر کی دولت کی بنا پر جو شاعر اقبال کو اپنے روحانی پیش رووں سے حاصل ہوئی ہے ان میں سے رومی سے اپنا سلسلہ یوں ملایا ہے:

بہ دور فتنۂ عصر کہن او
بہ دور فتنۂ عصر رواں من

یہاں یہ اشارہ شاید غیرضروری نہ سمجھا جائے کہ اقبال کے اشارتی نظام میں فقر اور عشق ہم معنی اصطلاحات ہیں اور ان کے تضادات خرد اور سلطانی ہیں۔ چناں چہ اس طرف

اشارہ یہ کہہ کر کیا ہے:

بہ جلوت نے نوازی ہائے من بین
بہ خلوت خود گدازی ہائے من بین
گرفتم نکتۂ فقر از نیاگاں
ز سلطان بے نیازی ہائے من بین

ایک اور رُباعی میں لالہ کا استعارہ، جو اندرون کی زندگی کا استعارہ ہے، بڑی خوبی سے مستعمل ہوا ہے۔ لیکن یہاں بھی لالہ کی نسبت سے اپنی داخلی اور تخیلی زندگی کی تنہائی پر زور دیا ہے جو اس امر پر پوری طرح دلالت کرتا ہے کہ نکتۂ شوق کو سننے اور اس پر جوابی ردِّ عمل یا تاثر ظاہر کرنے والا کوئی دوسرا موجود نہیں ہے:

شریک درد و سوز و ساز لالہ بودم
ضمیر زندگی را وا نمودم!
ندانم بہ کہ گفتم نکتۂ شوق
کہ تنہا بودم و تنہا سرودم

نبی کریمؐ سے قربت حاصل کرنے کے تصور سے شاعر کو وہ نور بصیرت حاصل ہوا ہے، جو مہر و ماہ کے بطون تک رسائی حاصل کرنے اور اسرار زندگی کو بہ تمام و کمال فاش کرنے کی استعداد بخشتا ہے اور اس کے یہ انکشاف بھی کہ مشکلات ''لا الہ'' کے شعور سے پوری شخصیت میں ایک اضطراب کی کیفیت نمودار ہو جاتی ہے:

بنور تو بر افروزم نگہ را!
کہ بینم اندرون مہر و مہ را
چوی گویم مسلمانم، بلرزم!
کہ دانم مشکلات لا الہ را

آخری شعر کا آخری مصرعہ ''بال جبریل'' کے اس شعر کی یاد تازہ کرتا ہے:

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

اس شعر میں مولوی حسین احمد مدنی اور ڈاکٹر اقبالؔ کے مابین گرم و تند بحث و تمحیص

کی طرف اشارہ مخفی ہے۔ ایک آخری اہم رباعی سے اس پیچ و تاب اور جذباتی وفور اور شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جو اس تخیلی سفرِ حج کی زبردست اور قوی محرک رہی ہے اور جس نے اس سفر کے لیے اقبالؔ کو آمادہ بھی کیا اور انھیں سہارا بھی دیا، یہ وہ جذبۂ شوق ہے، جس کا ہر تخلیقی کارنامے اور عظیم کام کے پس پشت موجود ہونا ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس کی تکمیل ممکن نہیں۔ اس رُباعی کا شعری آہنگ حافظؔ کے رنگ کی یاد دلاتا ہے:

بیابا ہم در آویزیم و رقصیم
زگیتی دل برانگیزیم و رقصیم
یکے اندر حریم کوچۂ دوست
ز چشماں اشک خوں ریزیم و رقصیم

ان رباعیوں کا مطالعہ کرتے وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی شاعرانہ قدر و قیمت کیا ہے؟ کیا مذہبی شعور اور جذبے کی شاعری اچھی شاعری ہوسکتی ہے؟ کیا یہ شاعری ایسی وابستگی یعنی Commitment کا مطالبہ کرتی ہے جو آزادانہ اظہار رائے میں رکاوٹ بنے؟ یعنی کیا یہ تجربے کی بھرپور تجسیم پر کسی طرح کی پابندی عائد کرتی ہے؟ کیا اچھی شاعری کے لیے محض جذبے کی تندی اور اس کا اخلاص اور کھرا پن یعنی Genuineness کافی ہے؟ کیا فنی تزئین اور آراستگی اس جذبے کے اظہار کی ضد ہے؟ دو اصناف جن کے مابین فرق کرنا ضروری ہے، وہ ہیں Devotional شاعری اور مذہبی شعور کی گہرائیوں سے برآمد ہونے والی شاعری۔ یہ رُباعیاں ان معنوں میں نعتیہ کلام نہیں ہیں، جو ہماری زبان کے بعض معروف شاعروں کے قلم سے وجود میں آیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان رباعیوں کی بساط وسیع ہے، یہاں کلام کا وہ مروجہ ڈھانچہ بھی استعمال نہیں کیا گیا، جو نعتیہ کلام کے لیے متعین شدہ ہے۔ یہاں دو امور غور طلب ہیں۔ اوّل شاعر اور اس تجربے کے درمیان کامل جذباتی ہم آہنگی اور ارتباط جس کا ابلاغ اس کا اصل مقصد ہے، اور دوسرے اس خاص تجربے کا حد درجے کا ارتکاز اور موضوعاتی انداز۔ ان رُباعیوں میں جس طرح کے پیکر استعمال کیے گئے ہیں، ان کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے جو جذبہ اس سفرِ حج کا محرک ہے وہ انتہائی شغف اور شوق و اضطراب کا جذبہ ہے اور نفس سے ماورا ہونے کا مطالبہ کرتا ہے۔ مذہبی جذبے کی شاعری ناکام اس وقت ہوتی ہے جب جذبے اور تخیل کے درمیان مکمل ارتباط نہ پایا جائے اور یہ ارتباط تجربے کے شعری پیکر میں ڈھلنے کی

بجائے محض رسمی اور مقرر شدہ خیالات و احساسات اور لفظیات کے سانچوں میں ادا ہو کر رہ جائے۔ یہی صورت حال نامذہبی یعنی Secular شاعری کے سلسلے میں بھی پیش آسکتی ہے اور اس کی ساکھ کو گھٹا سکتی ہے۔ نعتیہ کلام کے پس پشت جذبہ چاہے جتنا بھی حقیقی اور بے میل کیوں نہ ہو، لیکن وہ اکثر و بیش تر بندھے ٹکے سانچوں میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ خود شاعر کی جانب سے کسی انکشاف قدر کی غمازی نہیں کرتا۔ معروف نعتیہ نظموں میں نبی کریمؐ سے عقیدت اور آپ کے محاسن اعلیٰ پر اظہار رائے تو ہوتا ہے، لیکن ایک تیسرا عنصر اور بھی ہے اور وہ ہے شاعر کی شخصیت اور نبی کریمؐ کی شخصیت میں اندرونی جذباتی سطح پر ادغام اور انضمام۔ اس کے ساتھ ہی جذبے اور فارم کی مقتضیات کے درمیان مؤثر اور معنی خیز ردّعمل۔ ان سب کی غیرموجودگی منتج ہوتی ہے۔ داخلیت کی کمی اور انداز بیان کے محدود اور مروّجہ ہونے کے تاثر پر۔

اقبالؔ کی ان رُباعیوں میں صورت حال مختلف ہے۔ ایلیٹ نے مذہبی شاعری کو Minor Poetry کی ایک نوع قرار دیا ہے۔ شاید اس کا اشارہ Hymns اور Carols کی طرف ہو۔ لیکن اعلیٰ درجے کی مذہبی شاعری بھی حقیقت مطلقہ کے ادراک ہی کی پیداوار ہوتی ہے اور وہ نامذہبی سیاق و سباق میں بھی پائی جاسکتی ہے اقبالؔ کی ان رباعیوں میں والہانہ پن بھی ہے، فنی پختگی اور ثمر رسیدگی بھی اور موضوع اور اس کے خارجی اظہار کے درمیان ایک ناگزیر مناسبت اور تعلق بھی۔ یہاں جذبے کی کشید کے ساتھ خارجی عوامل بھی جھلکتے نظر آتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جو روح ان رباعیوں میں نغمہ سنج ہے وہ ایک عظیم ترین روح کے حضور ہمہ تن اضطراب ہی نہیں، بلکہ ہمہ تن عاجزی اور فروتنی بھی ہے اور محبت کے اتھاہ جذبے سے سرتا سر لبریز اور سرشار بھی۔ یہ بیک وقت ایک نذرانۂ عقیدت بھی ہے اور ایک نجی اور شخصی معاملہ بھی، جس میں دوسروں کو بھی شرکت کی دعوت دی جارہی ہے۔

☆

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
(مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ)

شوقی اور ان کا نعتیہ قصیدہ

''الهمزية النبوية''

امیر الشعرا اور شاعر النیل احمد شوقی بک (۱۸۶۸ تا ۱۹۳۲ء) کی شخصیت جدید عربی شاعری کی نمائندہ شخصیت شمار کی جاتی ہے، ان کی شاعری میں جس طرح قدیم شاعری کے رنگ و آہنگ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جدید شاعری کے نقوش بہت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ مصر ہی چوں کہ ان کا مولد و مرقد رہا ہے، اس لیے علم وفضل اور تہذیب و ثقافت میں ان کی شخصیت رچی بسی ہوئی تھی۔ بعض سرکاری مدارس میں تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے بعد دو سال مدرسۃ الحقوق کے شعبۂ ترجمہ میں بھی گزارے۔ اسی طرح ۱۸۸۷ء میں خدیو توفیق نے انھیں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے فرانس بھیجا۔ جہاں دو سال تک قانون کی تعلیم میں مشغول رہے، اسی دوران انگلینڈ اور پیرس کی بھی سیر کی۔ اس طرح دیکھا جائے تو ایک طرف وہ فرانسیسی ادب سے جہاں باخبر ہوئے وہیں مغربی ثقافت کا بڑے قریب سے مشاہدہ کیا۔ ۱۸۹۱ء میں ترکی ہوتے ہوئے مصر واپس آئے۔

۱۸۹۶ء میں شہر جنیوا کے اندر جو مستشرقین کانفرنس ہوئی اس میں حکومت مصر کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ نے شرکت کی۔ کچھ دنوں بعد حکومت میں تبدیلی کی وجہ سے شوقی کو اسپین میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ اس جلاوطنی کا ذکر بھی ان کی شاعری میں پایا جاتا ہے۔ ۱۹۱۹ء میں واپس آنے کے بعد آخری وقت تک ایوان بالا کے ممبر رہے۔

شوقی نے اپنی پوری زندگی عربی شاعری کے کاکل و گیسو کے سنوارنے میں گزار دی۔ انھیں عربی شاعری کا علامہ اقبال کہا جاتا ہے۔ بہت سے مقالات لکھے گئے ہیں جن میں دونوں شعرا کے افکار و نظریات کا موازنہ پیش کیا گیا۔ شوقی کی شاعری میں ملی احساسات، سیاسی

مشاہدات، معاشرتی حالات، بلادشرقیہ کے کوائف اور عالم اسلام کے حوادث و واقعات کے تذکرے بڑے اچھے انداز میں ملتے ہیں۔ شوقی اپنی شاعری کے آئنہ میں آفاقی نظر آتے ہیں۔ ۱۸۹۱ء سے 1915ء تک کی شاعری میں شوقی چھوٹے نظر آتے ہیں۔ جلاوطنی کے دور کی شاعری میں اُبھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انھیں اپنے غم کے ساتھ ساتھ دنیائے انسانیت کا سوکھا ہوا چہرہ بھی نظر آیا۔ جلاوطنی کے ختم ہونے کے بعد جو انھوں نے شاعری شروع کی ہے اس کے مطالعہ سے نکھر کر یہ چیز سامنے آئی کہ انھیں اپنی قوم سے بڑا گہرا رشتہ تھا وہ وطن کے مسائل سے متفکر نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کو توانا و تندرست دیکھنا پسند کرتے تھے، شوقی عربی کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے قصوں کو تمثیلی انداز میں پیش کیا۔

شوقی کے دیوان ''الشوقیات'' کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ وہ تراکیب اور لفظیات کی ایجاد کے ماہر ہیں۔ ان کی شاعری میں زبردست غنائیت اور موسیقی ہے۔ جس طرح انھیں ملی اور قومی شاعر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح انھیں فکری اور اسلامی شاعر بھی مانا گیا ہے۔ اپنی مصریت کے ساتھ ساتھ وہ اپنی اسلامیت کا لبادہ ترک نہیں کرتے۔ شوقی کے مدحیہ قصائد کو جب پڑھا جائے تو ان کی عظمت پر حرف آنے لگتا ہے۔ اسی لیے عقاد نے انھیں امیرالشعرا قرار دینے سے انکار کیا ہے اور ان کی بہت سی شعری خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن ''الشوقیات'' کو دیکھنے کے بعد شوقی کی شعری وقعت سے انکار کرنا آسان نہیں۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری تخلیقات اس طرح ہیں۔ (۱) دول العرب (۲) مصرع کلو باطرۃ (۳) مجنوں لیلیٰ (۴) قمبیز (۵) علی بک (۶) علی بک الکبیر (۷) عذرا والہند وغیرہ۔

شوقی کی شخصیت اور شاعری پر بہت سی تصانیف منظرعام پر آچکی ہیں۔ شکیب ارسلان کی ''شوقی اوصداقۃ اربعین سنۃ''، احمد عبدالوہاب ابی العز کی ''اثنا عشر عاما فی صحبۃ امیر الشعرا''، انطون جمیل کی ''شوقی'' اسعاف نشاشتی کی ''العربیۃ و شاعرھا الاکبر''، محمد خورشید کی ''امیر الشعرا، بین العاطفۃ والتاریخ''، عمر مزوخ کی ''احمد شوقی امیر الشعراء فی العصرالحدیث'' احمد عبید کی ''ذکری الشاعرین شوقی و حافظ''، محمد متدور کی ''محاضرات عن حسر حیات شوقی، حیاتہ و شعرہ''، عبداللطیف شرارہ کی ''شوقی''، شوقی صنیف کی ''شوقی، شاعر العصر الحدیث''، طاہر طناجی کی ''شوقی و حافظ''، اور سید فرج کی ''شوقی والمتنبی'' وغیرہ دیکھی جاسکتی ہیں۔ مذکورہ تصانیف میں شوقی کی زندگی اور شاعری کے تمام پہلوؤں کو سمیٹا گیا ہے۔ مذکورہ تصانیف کی روشنی میں شوق کو

امیر الشعرا ماننے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ عقاد اور مازنی کے ''الدیوان'' میں شوقی کے سلسلے میں منفی طرز اپنایا گیا ہے۔

یہاں تک شوقی کے کوائف اور اس کی شاعری پر نہایت اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی۔ اصلاً شوقی کے مشہور نعتیہ قصیدہ ''الھمزیۃ النبویۃ'' کا ترجمہ اردو قارئین کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے۔ اس قصیدے سے پوری طرح عیاں ہے کہ شوقی کو اللہ، اس کے رسول، اس کے دین اور اس کی کتاب سے بڑا گہرا تعلق ہے، بار بار رسول اللہ ﷺ کی عظمت و رفعت کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے اور بتایا کہ آپ ﷺ کی آمد سے دنیا کی تمام جہالتیں، تمام فتنے، تمام تعصبات، تمام باہمی منافرتیں اور تمام ایسی کدورتیں دُور ہوگئیں۔ تمام آسمانی کتابیں، تمام فلسفے، تمام مذاہب اور تمام مکاتب فکر کالعدم قرار پاگئے۔ شوقی نے اس نعتیہ قصیدہ میں آپ ﷺ کی دعوتی حکمتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ آپ کی پیش کردہ توحید کے حقائق پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ فلاسفہ دعوت و توحید کے سامنے بے زبان ہوگئے۔ قرآن کریم کی معجزانہ شان کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے، صحابہ کرامؓ کی جاں فشانیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی آمد سے پورا عرب جگمگا اُٹھا، کفر و شرک میں ڈوبا ہوا عرب مؤحد بن گیا۔ سوق عکاظ کی تمام سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔ آپ ﷺ نے ایسے اخلاق کریمانہ کا اظہار کیا کہ سارے قبائل آپ ﷺ کے عاشق بن گئے۔ شوق نے آپ ﷺ کی خطابت، سخاوت، نجابت اور عفو و درگزر کا بھی نقشہ اس نعتیہ قصیدہ میں پیش کیا ہے۔ آپ ﷺ کو بہ حیثیت عادل، باپ، شوہر اور مصلح کے بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں اور جاہلوں کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔ آپ ﷺ کی پرحکمت باتوں کے سامنے بڑے سے بڑے فصحا اور بلغا گونگے بن گئے، سادات کے علم برداروں کے سارے دعوے کھوکھلے دکھائی دینے لگے۔ غرض یہ کہ آپ ﷺ نے ایک ایسا انقلاب برپا کیا جو عرب سے نکل کر پوری دنیا پر چھا گیا اور تا قیامت اس کی صالحیت کو محسوس کیا جائے گا اور یہی انقلاب دکھی انسانیت کا حقیقی مرہم ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی تناظر میں شوقی کا یہ نعتیہ قصیدہ ملاحظہ کریں۔ اس قصیدہ میں شوقی اقبالؔ کی طرح ایک سچا عاشق رسول ﷺ نظر آئے گا۔

ولد الهدى، فالكائنات ضياء
وفم الزمان تبسم وثناء

(ہدایت (رسول اللہ ﷺ) کی ولات ہوتے ہی کائنات روشن ہوگئی اور زمانے کے ہونٹوں پر مسکان اور (سرکار کائنات ﷺ کے لیے) ثناخوانی تھی)

الروح والملأ الملائك حوله
للدين والدنيا به بشراء

(روح القدس اور بڑے بڑے رتبے والے فرشتے آپ ﷺ کے اردگرد جمع ہیں اور آپ ﷺ کے توسط سے دین و دنیا کو بشارت دے رہے ہیں)

والعرش يزهو، والحظيرة تزدهى
والمنتهى، والسدرة العصماء

(اور آسمان روشن ہورہا ہے اور جنت فرحاں و نازاں ہے اور سدرۃ المنتہیٰ (عرش پر ایک درخت کا نام ہے) پر جوبن چڑھا ہوا ہے)

و حديقة الفرقان ضاحكة الربا
بالترجمان، شذية، غناء

(اور سرور کائنات ﷺ کی وجہ سے چمنستان قرآن ٹیلے کے مانند ہنس رہا ہے، اور خوش بودار اور گھنا ہے)

والوحى يقطر سلسلا من سلسل
واللوح والقلم البديع رواء

(اور پے بہ پے وحی کا نزول ہورہا تھا اور لوح و قلم ایک حسین منظر پیش کررہے تھے)

نظمت اسامى الرسل فهى صحيفة
فى اللوح، و اسم محمد طغراء

(لوح محفوظ میں رسولوں کے نام بالترتیب لکھے ہوئے تھے اور اسم محمد ﷺ (ان ناموں میں) طغرا تھا)

اسم الجلالة فى بديع حروفه
الف هنا لك، واسم (طه) الباء

(خداوند قدوس کا نام وہاں پر اپنے حروف کی بناوٹ کے اعتبار سے ''الف'' کا قائم مقام ہے اور اسم طہٰ (رسول اللہ ﷺ) کا مقام ''ب'' کا قائم مقام ہے (یعنی لوح محفوظ میں پہلے اللہ کا نام اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نام اقدس کے بعد دیگر انبیا کے نام)

یا خیر من جاء الوجود، تحیة
من مرسلین الی الهدی بك جاء

(اے وہ بابرکت عظیم ہستی تمہاری آمد پر تمام رسل مبارک باد پیش کرتے ہیں جو تمہاری ہی وجہ سے اس دنیا میں مبعوث کیے گئے)

بیت النبیین الذی لا یلتقی
الا الحنائف فیه والحنفاء

(انبیا کا گھر وہ ہے جس میں دین کے سچے پرستار حضرات اور خواتین ہی تک کی رسائی ممکن ہے)

خیر الابوة حازهم لك ''آدم''
دون الانام، و اخرزت حواء

(پدریت میں آپ سب سے برتر تھے، اور یہ چیز حضرت آدمؑ اور حضرت حوا نے تمام مخلوق میں سے صرف آپ ﷺ کے لیے پسند کی)

هم أدر کوا عز النبوة وانتهت
فیها الیك العزة القعساء

(اہل عرب رتبۂ نبوت سے باخبر ہیں اور یہ بلند مرتبت آپ ﷺ کی رسالت میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے)

خلقت لبیتك، وهو مخلوق لها
ان العظائم کفوها المعظاء

(عزت و مرتبت آپ ﷺ کے لیے پیدا کی گئی اور گھر اسی کے لیے تعمیر کیا گیا، کیوں کہ عظیم کارنامے عظیم لوگوں کے لیے ہی ہوا کرتے ہیں)

بك بشر الله السماء فزینت
و تضوعت مسکا بك الغبراء

(آپ ﷺ کے حوالے سے آسمان کو بشارت دی گئی اور دنیا آپ ﷺ ہی کے سبب سنور گئی اور مشک کی خوش بو میں بس گئی)

وبدا محياك الذى قسماته
حق، و غرته هدى و حياء

(اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا ظہور ہوا، جس کے خدوخال برحق ہیں اور جس کی آب و تاب سے ہدایت اور شرم و حیا مربوط ہے)

و عليه من نور النبوة رونق
و من الخليل وهديه سيماء

(نور نبوت کی وجہ سے آپ ﷺ کی ذات گرامی بارونق ہے اور ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی ہدایت کے آثار بھی آپ ﷺ کی شخصیت میں ظاہر ہیں)

اثنى (المسيح) عليه خلف سمائه
و تهللت واهتزت ''العذراء''

(حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے کی مدح سرائی کی اور اسی طرح حضرت مریم علیہ السلام نے بھی آپ ﷺ کی آمد کو سن کر) کھل اٹھیں اور اندر سے خوش ہوئیں)

يوم يتيه على الزمان صباحه
و مساءه (بمحمد) وضاء

(اس دن کی صبح زمانے پر نازاں ہے اور اس دن کی شام محمد ﷺ کی وجہ سے روشن ہے)

الحق عالى الركن فيه، مظفر
فى الملك لا يعلو عليه لواء

(حق بالا ستون کے مانند ہے۔ اسی سے کامرانی عبارت ہے، دنیا میں حق سے بلندتر کوئی جھنڈا نہیں ہے)

ذعرت عروش الظالمين، فزلزلت
وعلت على تيجانهم اصداء

(ظالموں کے آسمان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ لرزہ براندام ہو گئے اور ان کے تاج زنگ آلود ہو گئے)

والنار خاویة الجوانب حولهم
خمدت ذوائبها، وغاض الماء

(اور آتش پرستوں کے اردگرد کی آگ سرد پڑ گئی۔ ان کے شعلے بجھ گئے اور پانی سوکھ گیا)

والآی تترىٰ، والخوارق جمة
(جبریل) رواح بها غداء

(اور آیات پیہم نازل ہو رہی ہیں اور بے شمار معجزے منظر عام آ رہے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام صبح و شام اسے لے کر آتے ہیں)

نعم اليتيم بدت مخايل فضله
واليتم رزق بعضه وذكاء

(یہ یتیم کس قدر خوش اخلاق ہے، اس کی عظمت و تقدس کے آثار نمایاں ہیں۔ اور (اس کی یتیمی ہی اس کے کچھ لوگوں کے لیے رزق ہے اور یہ یتیمی صبح کے مانند روشن ہے)

فی المهد يستسقی الحيا برجائه
و بقصده تستدفع الباساء

(جس وقت آپ ﷺ گود میں تھے اس وقت بھی آپ ﷺ ہی سے آس لگائے پانی کی دعا مانگی جاتی تھی اور آپ ﷺ ہی کے طفیل سے آلام و مصائب سے نجات حاصل کرنے کی آرزو کی جاتی)

بسوى الامانة فی الصبا والصدق لم
يعرفه اهل الصدق والامناء

(اہل صدق اور امانت دار حضرات آپ ﷺ کو بچپن ہی سے ایک امین اور صادق کی حیثیت سے جانتے تھے)

يا من له الاخلاق ما تهوى العلا
منها وما يتعشق الكبراء

(وہ ایسے اخلاق عالیہ کی حامل شخصیت ہے جس کی گراں قدر شخصیات آرزو کرتی ہیں اور جس سے عظیم لوگ عشق کرتے ہیں)

لو لم تقم دينا، لقامت وحدها
دينا تضيئ بنوره الاناء

(اگر آپ ﷺ کسی دین کو لے کر اس دنیا میں تشریف نہ لاتے تو خود آپ ﷺ کے اخلاق دین کی حیثیت اختیار کر لیتے)

ذانتك فى الخلق العظيم شمائل
يغرى بهن ويولع الكرماء

(آپ ﷺ کی خصلتوں نے آپ ﷺ کو ایک عظیم فطرت میں مقید کر دیا ہے۔ یہ وہ عادات ہیں جن میں شرفا کے لیے کشش اور دل بستگی کا سامان ہے)

اصا الجمال، فأنت شمس سمائه
و ملاحة الصديق منك آياء

(آپ ﷺ آسمان حسن و جمال کے آفتاب ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چہرے کا بھولا پن آپ ﷺ کے ہی نور سے عبارت ہے)

و الحسن من كرم الوجوه وخيره
ما اوتى القواد والزعماء

(اور حسن کا تعلق خوش اخلاقیات سے ہے اور آپ ﷺ کی اچھائیاں وہ ہیں جو کہ قائدین اور عمائدین کو بھی عطا کی گئیں)

فاذا سخوت بلغت بالجود المدى
و فعلت ما لا تفعل الأنواء

(اور جب آپ ﷺ نے سخاوت کی تو اس کی انتہا کو پہنچ گئے اور آپ ﷺ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو بارشیں بھی دینے سے قاصر ہیں)

و اذا عفوت فقادراً، ومقدراً
لا يستهين بعفوك الجهلاء

(اور جب آپ ﷺ نے درگزر فرمایا تو اس پر پوری طرح قادر تھے اور عفو و درگزر آپ ﷺ کی فطرت ثانیہ ہے، آپؐ کی عفو کو جہلا معمولی نہیں سمجھتے تھے)

و اذا رحمت فأنت ام، او اب
هذان فی الدنیا هما الرحماء

(اور آپ ﷺ اپنے رحم وکرم کے وقت والدین کے مانند ہوجاتے، دُنیا میں والدین ہی رحم وکرم کی سب سے انتہائی اور سچی تصویر ہیں)

و اذا غضبت فانما هی غضبة
فی الحق لا ضغن و لابغضاء

(اور جب آپ ﷺ غیظ وغضب میں آتے تو یہ غضب حق پر مبنی ہوتا، آپ ﷺ کا غصہ بغض وکینہ سے پاک تھا)

و اذا خطبت فللمنا بر هزة
تعرو الندی، و للقلوب بکاء

(اور جب آپ ﷺ خطاب فرماتے تو چیزوں پہ لرزہ طاری ہوجاتا تا اور یہی حالت مجلسوں کی بھی ہوجاتی اور دلوں پر رقت چھا جاتی)

و اذا رضیت فذاك فی مرضاته
و رضی الکثیر تحلم و ریاء

(اور جب آپ ﷺ خوش ہوئے تو یہ آپ ﷺ کی رضا میں شامل تھی اور بہت سے لوگوں کی رضا ریاکاری اور تصنع پر مشتمل تھی)

واذا قضیت فلا ارتیاب، کأنما
جاء الخصوم من السماء قضاء

(اور جب آپ ﷺ کوئی فیصلہ صادر فرماتے تو وہ غیر مشکوک ہوتا اور ایسا محسوس ہوتا کہ اس عداوت میں آسمانی فیصلہ ہوا ہے)

و اذا حمیت الماء لم یورد، ولو
ان القیاصر والملوك ظماء

(اور جب آپ ﷺ پانی کے محافظ بن جاتے تو پھر (کوئی اس گھاٹ پر) نہ لایا جاتا، گرچہ کتنے ہی قیصر و سلاطین پیاسے ہوں)

واذا اجرت فانت بيت الله، لم
يدخل عليه المستجير عداء

(اور جب آپ ﷺ نے (کسی کو) پناہ دے دی تو گویا آپ ﷺ بیت اللہ ہیں، اس بیت اللہ میں پناہ یافتہ شخص پر دشمن چڑھائی نہیں کر سکتے)

و اذا ملكت النفس قمت ببرها
ولو أن ما ملكت يداك الشاء

(اور جب آپ ﷺ نفوس انسانی پر فرماں روائی کرنے لگے تو یہ اقتدار آپ ﷺ کو حسن کردار سے حاصل ہوا۔ جب کہ آپ ﷺ کے دسترس میں بکریاں بھی نہ تھیں)

و اذا بنيت فخير زوج عشرة
و اذا ابتنيت فدونك الآباء

(اور جب آپ ﷺ کی شادی ہوئی تو تعلقات کے نقطۂ نظر آپ ﷺ سب سے بہتر شوہر ثابت ہوئے اور جب آپ ﷺ صاحب اولاد ہوئے تو وہاں بھی تمام آباء اجداد آپ ﷺ کے مقابلے میں کہتر نظر آئے)

و اذا صحبت رأى الوفاء مجسما
فی بردك الاصحاب والخلطاء

(اور آپ ﷺ کی صحبت میں آپ ﷺ کے صحابۂ کرامؓ اور احباب نے آپ ﷺ کی شخصیت میں سراپا وفا کا مشاہدہ کیا)

و اذا أخذت العهد، أو اعطيته
فجميع عهدك ذمة ووفاء

(اور جب آپ ﷺ نے کسی سے عہد لیا یا عہد کیا تو اپنے تمام عہد و پیمان کو اپنی ذمہ داری تصور کرتے اور اسے پورا کرتے)

و اذا مشيت الى العدا فغضنفر
و اذا جريت فانك النكباء

(اور جب دشمنوں کی جانب قدم اٹھاتے تو شیر ببر بن جاتے اور جب چلتے تو آپ ﷺ تیز ہواؤں کے مانند)

و تمد حملك للسفيه مداريا

حتى يضيق بعرضك السفهاء

(اور آپ ﷺ نے اپنے عفو و درگزر کو کج خلق اور جہلا کے لیے عام کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ جہلا آپ ﷺ کے اخلاق اور عزت و آبرو کے سامنے جھک گئے)

فى كل نفس من سطاك مهابة

و لكل نفس فى نداك رجاء

(آپ ﷺ کے جاہ و جلال کی ہیبت ہر نفس پر طاری ہے، اور آپ ﷺ کے جود و سخا سے ہر شخص کی آس جڑی ہوئی ہے)

و الرأى لم ينض المهند دونه

كالسيف لم تضرب به الآراء

(اور آپ ﷺ کی رائے کے سامنے تلوار میان میں رہی۔ آپ ﷺ کی رائے ایسی تلوار کے مانند ہے جس کے سامنے نہیں پیش کی جاتیں)

يايها الأمى، حسبك رتبة

فى العلم أن دانت بك العلماء

(اے رسول اُمی ﷺ! تمھارا علم میں وہ رتبہ ہے کہ تمھارے سامنے اہل علم و اہل فضل ہیچ ہیں)

الذكر آية ربك الكبرى التى

فيها لباغى المعجزات غناء

(آپ ﷺ کے پروردگار کی آیت کبریٰ (قرآن کریم) کے ذکر میں معجزات کے طالب کے لیے سامان تسلی ہے)

صدر البيان له اذا التقت اللغى

و تقدم البلغاء والفصحاء

(زبان کے مسائل میں آپ ﷺ کے بیان کو اوّلیت حاصل ہے۔ تمام اہل بلاغت اور اہل فصاحت (آپ ﷺ سے) پیچھے ہیں)

نسخت به التوراة وهی وضيئة
و تخلف الأنجيل وهو ذكاء

(روشن تورات آپ ﷺ کی آمد سے منسوخ ہوگئی اور آفتاب مانند انجیل بھی بالائے طاق رکھ دی گئی)

لما تمشی فی (الحجاز) حکیمه
فضت عكاظ به و قام حرا

(جب آپ ﷺ کی حکمتیں سرزمین حجاز میں عام ہوئیں تو اس کی وجہ سے بازار عکاظ کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں اور (اس کا) قائم مقام غار حرا بن گیا)

ازری بمنطق اهله و بیانهم
وحی يقصر دونه البلغاء

(وحی نے اہل سرزمین حجاز کی منطق اور ان کے بیانات میں عیوب کی نشان دہی کی اور آپ ﷺ کے حضور تمام بلغا درماندہ ہوگئے)

حسدوا، فقالوا: شاعر، أو ساحر
و من الحسود يكون الأستهزاء

(دشمنان اسلام نے) حسد کیا اور (آپ ﷺ کو) شاعر یا جادوگر کہہ ڈالا اور حسد ہی کی وجہ سے (آپ ﷺ کا) مذاق اڑایا جاتا تھا)

قد نال (بالهادی) الكريم و (بالهدى)
ما لم تنل من سودد سيناء

(یقیناً آپ ﷺ نے ہادیٔ کریم (اللہ تعالیٰ) اور قرآن کریم سے وہ کچھ حاصل کیا جو کہ اہل وادیٔ سینا نے سرداروں سے حاصل نہیں کیا)

امسیٰ كأنك من جلالك أمة
و كأنه من أنسه بيداء

(آپ ﷺ اپنے جاہ و جلال سے ایک ملت کے مانند بن گئے اور آپ ﷺ اپنے انس ومحبت کے لحاظ سے وسعت صحرا کے مانند ہیں)

يوحى اليك الفوز فى ظلماته
متتابعا، تجلى به الظلماء

(مستقلاً تاریکیوں میں آپ ﷺ کو بذریعہ وحی سرخ روئی سے نوازا گیا اور آپؐ کی وجہ سے تاریکیاں کافور ہوگئیں)

دين يشيد آية فى آية
لبناته السورات و الأضواء

(آیات کریمہ سے دین اسلام کی آرائش کی گئی ہے اور اس کی تعمیرات کا انحصار سورتوں اور انوار پر ہے)

الحق فيه هو الأساس، و كيف لا
والله جل جلاله البناء؟

(حق ہی دین اسلام کی بنیاد ہے اور کیوں نہ ہو، اللہ جل جلالہ ہی اس کا معمار ہے)

أما حديثك فى العقول فمشرع
و العلم و الحكم الغوالى الماء

(آپ ﷺ کی باتیں عقل و فراست، علم وفن اور انتہائی غیر معمولی اعتبار سے گھاٹ کے مانند ہیں)

هو صبغة الفرقان، نفحة قدسه
و السين من سوراته والراء

(آپ ﷺ قرآن کریم کی تصویر ہیں اور اسی کے قدس کی پھونک ہیں اور سورۃ الرا اور سورہ یٰسین قرآن کریم کی سورتوں میں سے ہیں)

جرت الفصاحة من ينابيع النهى
من دوحه، وتفجر الأنشاء

(عقل وفہم کے چشموں سے فصاحت و انشاء کے دریا بہہ پڑے جو اصلاً قرآن کریم کی دین تھی)

فی بحره للسابحین به علی
ادب الحیاة وعلمها ارساء

(آج قرآن کریم کے سمندر میں پیراکوں کے غوطہ زنی کی وجہ سے انھیں (پیراکوں کو) ادب حیات اور علم حیات پر عبور حاصل ہے)

انت الدهور علی سلافته، ولم
تفن السلاف، ولاسلا الندماء

(قرآن کریم کی شراب خالص پر زمانے گزر گئے، لیکن اس کی خالصیت میں نہ تو کوئی فرق آیا اور نہ ہی ساتھیوں نے اس کا بدل تلاش کیا)

بك یا ابن عبدالله قامت سمحة
بالحق من ملل الهدی غراء

(اے ابن عبداللہ! تمھاری وجہ سے ایک ایسے دین کی بنیاد پڑی جو حق کے اعتبار سے کشادہ تھا اور تمام آئے ہوئے ہدایت پر مبنی مذاہب سے ممتاز تھا)

بنیت علی التوحید، وهی حقیقة
نادی بها سقراط والقدماء

(اس دین کی بنیاد توحید پر ہے اور یہی حقیقت ہے، اور اسی توحید کی آواز سقراط اور قدیم فلاسفہ نے بلند کی ہے)

وجد الزعاف من السموم لأجلها
کالشهد، ثم تتابع الشهداء

(اسی حقیقت کی بنیاد پر سم قاتل کو شہد کے مانند پایا گیا، چناں چہ امانت داروں نے پیہم اس دین کی اطاعت کی)

ومشی علی وجه الزمان بنورها
کهان وادی النیل والعرفاء

(وادیٔ نیل کے کاہنوں اور نجومیوں نے اسی حقیقت کی روشنی میں زمانے کے راستوں کو طے کیا)

ايزيس ذات الملك حين توحدت
اخذت قوام أمورها الأشياء
(صاحب اقتدار دیوی ایزیس (مصری قدیم دیوی) جب مؤحد ہوئی تو اس کے معاملات کے حقائق سامنے آگئے)

لما دعوت الناس لبى عاقل
و اصم منك الجاهلين نداء
(جب آپ ﷺ نے لوگوں کو آواز دی تو (ان میں سے) عقل مندوں نے لبیک کہا، اور آپ ﷺ کی اس آواز نے جاہلوں کو بہرا بنا دیا)

أبو الخروج اليك من اوهامهم
والناس فى اوهامهم سجناء
اپنے اوہام وخرافات کو چھوڑتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف آنے سے مکر گئے اور لوگ تو اپنے اوہام میں گرفتار ہیں)

و من العقول جداول و جلامد
و من النفوس حرائر و أماء
(اور بعض عقلیں نہروں کی مانند ہیں اور بعض چٹانوں کی طرح اور لوگوں میں کچھ آزاد ہیں اور کچھ غلام)

داء الجماعة من أرسطا ليس لم
يوصف له حتى اتيت دواء
(ارسطو کی جانب سے معاشرہ کی بیماری کا کوئی حل نہیں پیش کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے دوا تجویز کی)

فرسمت بعدك للعباد حكومة
لاسوقة فيها ولا امراء
(آپ ﷺ کے بعد بندوں کے لیے ایک مملکت کا ڈھانچا عمل میں آیا، جس میں عوام اور حکما کے مابین کوئی امتیاز نہ تھا)

الله فوق الخلق فيها وحده
و الناس تحت لوائها اكفاء

(اس مملکت میں تنہا عام لوگوں سے برتر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عوام اس مملکت کے جھنڈا تلے سب برابر ہیں)

و الدین یسرلخلافة بیعة
و الأمر شوریٰ، والحقوق قضاء

(اور دین اسلام آسان ہے، اور خلافت کا تعلق بیعت سے ہے اور معاملہ مشاورت سے طے ہوتا ہے اور حقوق فیصل شدہ ہیں)

الأشتراکیون انت امامهم
لو لا دعاوی القوم والغلواء

(مساوات کے علم برداروں کے آپ ﷺ امام ہیں، کاش کہ قوم اور شور کرنے والوں کے دعوے نہ ہوتے)

داویت متئدا، و داو و اظرة
و اخف من بعض الدواء الداء

(آپ ﷺ نے (معاشرے کی خرابی کا) دھیرے دھیرے علاج دریافت کیا اور انھوں نے انقلابی قدم اٹھایا اور بعض مرض دوا کے مقابلے میں ہلکے تھے)

الحرب فی حق لدیك شریعة
ومن السموم الناقعات دواء

(حق کے لیے جنگ کرنا آپ ﷺ کے نزدیک شرعی حکم ہے، تمام مسموم قاتل کے لیے (آپ ﷺ کے پاس) دوا ہے)

والبر عندك ذمة، و فریضة
لا منة ممنونة وجباء

(اور نیکی کرنا آپ ﷺ کے فرائض و واجبات میں شامل ہے، آپ ﷺ نے کسی بھلائی کے صدا اور شکر کی پرواہ نہیں کی)

جاء ت فوحدت الزکاة سبیله
حتی التقی الکرماء والبخلاء

(شریعت نے آنے کے بعد زکوۃ کے راستہ میں ایک وحدت پیدا کردی۔ یہاں تک کہ فیاضی کرنے والے اور نجات کرنے والے ایک صف میں کھڑے ہوگئے)

انصفت اهل الفقر من اهل الغنى
فالكل فى حق الحياة سواء

(اغنیاء کی جانب سے فقرا کے ساتھ انصاف برتا گیا، چناں چہ میدان زیست میں سب کے سب برابر ہوگئے)

فلو ان انسانا تخير ملة
ما اختار الا دينك الفقراء

(اگر انسان کو مذہب کے اختیار کرنے کی آزادی ہوتی تو تمھارے دین کوصرف فقرا اختیار کرتے)

يايها المسرى به شرفا الى
ما لا تنال الشمس والجوزاء

(شب معراج میں آپ ﷺ کو ایک ایسی بلندی تک لے جایا گیا، جہاں تک سورج اور جواز (برج کا نام ہے) کی بھی رسائی نہیں ہے)

يتسائلون . و أنت اطهر هيكل
:بالروح أم بالهيكل الأسراء؟

لوگ آپس میں یہ سوال اُٹھا رہے ہیں کہ آپ ﷺ روح القدس کی وجہ سے بہت زیادہ پاک صاف ہیں یا شب معراج کی وجہ سے)

بهما سموت مطهرين، كلاهما
نور، و ريحانية، وبهاء

(سچ پوچھے تو دونوں ہی کی وجہ سے آپ ﷺ مصفی و مذکی ہوئے، آپ ﷺ تو سراپا نور، سراپا خوشبو اور سراپا خوش منظر ہیں)

فضل عليك لذى الجلال ومنة
و الله يفعل ما يرى و يشاء

(اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ پر فضل و کرم ہے اور اللہ اپنی حکمت اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے)

تغشى الغيوب من العوالم، كلما
طويت سماء قلدتك سماء

(جب کبھی بھی زمانے کی بہت سی چیزوں کو آسمان کے لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا تو آسمان ہی نے ان چیزوں کو آپ ﷺ کے سامنے واضح کر دیا)

فی كل منطقة حواشی نورها
نون، وانت النقطة الزهراء

(ہر گفتگو کا اطراف نور "نون" ہے اور آپ ﷺ (اس کا) روشن نقطہ ہیں)

انت الجمال بها، و أنت المجتلى
و الكف، و المرأة، و الحسناء

(آپ ﷺ اس کی وجہ سے سراپا حسن ہیں، آپ ﷺ آراستہ و پیراستہ ہیں، آپ ﷺ کے اندر قوت دفاع ہے، آپ ﷺ آئینہ کے مانند ہیں (یعنی جس میں حقائق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے) اور مقام حسن ہیں)

الله هيا من حظيرة قدسه
نزلا لذاتك لم يجزه علاء

(اللہ نے اپنی مقدس جنت سے آپ ﷺ کی ذات کے لیے کھانا عطا کیا۔ جو بلند مرتبہ لوگوں کو نہیں عطا کیا گیا)

العرش تحتك سدة و قوائما
و مناكب الروح الأمين وطاء

(عرش آپ ﷺ کے نیچے منبر اور (چار پائیوں کے) پایوں کے مانند ہے اور روح امین کے مونڈھے فرش کے مثل ہیں)

و الرسل دون العرش لم يوذن لهم
حاشا لغيرك موعد و لقاء

(اور دیگر رسولوں کو عرش سے قربت کی اجازت نہیں دی گئی، آپ ﷺ کے علاوہ لوگوں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے اور آئندہ کی جائے ملاقات ہے)

الخیل تابی غیر "احمد" حامیا
و بھا اذا ذکر اسمہ خیلاء

(بجز آپ ﷺ کے کسی اور کی مدد کرنے سے براق سرتابی کرتا ہے اور جب آپ ﷺ کا ذکر ہوتا ہے تو اس پر جوش طاری ہو جاتا ہے)

شیخ الوارس یعلمون مکانہ
ان ھیجت آسادھا الھیجاء

(شہسواروں کے سردار اس کے مرتبے سے اس وقت سے واقف ہیں جب لڑائیاں اپنے مشیروں کے مابین آگ لگا دے)

واذا تصدی للظبی فمھند
أو للرماح فصعدۃ سمراء

(اور جب آپ ﷺ تلوار اٹھاتے تو آپ ﷺ تیز ہندوستانی تلوار کے مانند ہوتے اور جب آپ ﷺ نیزوں کا قصد کرتے تو آپ ﷺ سیدھے گندمی نیزے کے مانند ہوتے)

و اذا رمی عن قوسہ فیمینہ
قدر، و ما ترمی الیمین قضاء

(اور جب آپ ﷺ اپنی کمان سے حملہ کرتے تو آپ ﷺ کا داہنہ حصہ فیصلہ کن ہوتا اور داہنا حصہ کامیابی سے ہم کنار ہوتا)

من کل داعی الحق ھمۃ سیفہ
فلسیفہ فی الراسیات مضاء

(آپ ﷺ کی تلوار ہر داعیٔ حق کی ساتھی ہے اور اختلافات کو پارہ پارہ کرنے والی ہے)

ساقی الجریح و مطعم الأسری، و من
أمنت سنابك خیلہ الأشلاء

(وہ زخمیوں کو پانی پلانے والی ہے، قیدیوں کو کھانا کھلانے والا ہے اور کم زور لوگ اس کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے محفوظ ہیں)

إن الشجاعة فی الرجال غلاظة
مالم تزنها رأفة و سخاء

(لوگوں کے نزدیک شجاعت کا مفہوم اس وقت تک نہایت بھونڈا ہے، جب تک کہ اس کے پیچھے شفقت و سخاوت نہ ہو)

و الحرب من شرف الشعوب، فان بغوا
فالمجد مما یدعون براء

(اور جنگ کا قبائل کی شرافت سے تعلق ہے جب کہ دشمنان بغاوت پر آمادہ ہو جائیں، چناں چہ شرافت لوگوں کے وعدوں سے الگ شے ہے)

و الحرب یبعثها القوی تجبراً
و ینوء تحت بلائها الضعفاء

اور جنگ کو تو اصلاً طاقت ور جبراً ہوا دیتا ہے اور اس کی مصیبتوں کے شکار کم زور لوگ ہوتے ہیں)

کم من غزاة للرسول کریمة
فیها رضی للحق أو اعلاء

(آنحضور ﷺ کے کتنے ہی کریمانہ غزوات میں حق کے لیے استواری اور اس کے لیے اُٹھانے کا پہلو تھا)

کانت لجند الله فیها شدة
فی اثرها للعالمین رخاء

(غزوات رسول میں اللہ کی فوج نے ثابت قدمی دکھائی، یہ غزوات اپنے اثرات کے لحاظ سے دنیا والوں کے لیے بادصبا کے مثل ہیں)

ضربوا الضلالة ضربة ذهبت بها
فعلی الجهالة والضلال عفاء

(سپاہ صحابہؓ نے ضلالت پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ چل بسی، چناں چہ جہالت اور ضلالت مٹ گئیں)

دعموا على الحرب السلام، وطالما
حقنت دماء في الزمان دماء

(جنگ میں انھوں نے سلامتی کی اس وقت تک ہم نوائی کی جب تک کہ خون نے زمانے میں بہنے والے خون کے سلسلے کو ختم نہ کیا)

الحق عرض الله، كل أبية
بين النفوس حمى له ووقاء

(حق اللہ کی آبرو ہے، عوام الناس کا ہر خود دار فرد حق کا ساتھی اور اس کا محافظ ہے)

هل كان حول "محمد" من قومه
الا صبى واحد ونساء؟

(کیا وہ وقت یاد نہیں کہ آپ ﷺ کے لوگوں میں سے آپ ﷺ کے اردگرد صرف ایک بچہ (حضرت علیؓ تھا) اور ایک عورت (حضرت خدیجہؓ) تھی)

فدعا، فلبى فى القبائل عصبة
مستضعفون، قلائل أنضاء

(جیسے ہی آپ ﷺ نے آواز اٹھائی تو قبائل کی ایک ایسی کم زور جماعت نے (اس پر) لبیک کہا جو بہت تھوڑے تھے اور لاغر اونٹوں کی مانند تھے)

ردوا بباس العزم عنه من الآذى
مالا ترد الصحزة الصماء

(صحابۂ کرامؓ پورے عزم و جزم سے آپ ﷺ کی اذیتوں کے ہٹانے میں جت گئے اور آپ ﷺ کو ایسی اذیتیں دیتے رہے کہ جس کو سخت اور ٹھوس چٹان بھی ہٹا نہیں سکتی)

و الحق و الأيمان إن صبا على
برد ففيه كتيبة خرساء

(اور ایمان حق کی چادر کو اگر بہ طور ذرہ بکتر پہن لیا جائے تو وہ طاقت

ورلشکر کے مانند بن جائے گی)

نسفوا بناء الشرك، فهو خرائب
و ستاصلوا الأصنام، فهی هباء

(صحابۂ کرامؓ نے شرک کو بنیاد سے ایسا اکھاڑ پھینکا کہ وہ خرابے میں بدل گئی اور اصنام کا ایسا استیصال کیا کہ وہ گرد و غبار بن گئے)

یمشون تغضبی الأرض منهم هیبة
و بهم حیال نعیمها اغضاء

(جب وہ گزرتے ہیں تو ان کی ہیبت سے زمین اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے اور اس کے حسین مناظر ان سے آنکھیں چراتے ہیں)

حتی اذا فتحت لهم اطرافها
لم یطغهم ترف و لانعماء

حتیٰ کہ زمین کے چپے چپے ان کے حضور حاضر کر دیے گئے، لیکن ان کے خوش حال اور پر آسائش خطوں نے انھیں بغاوت پر آمادہ نہیں کر سکے)

یا من له عز الشفاعة وحده
و هو ا المنزه ماله شفعاء

(یہی وہ عظیم شخصیت (رسول اللہ ﷺ) ہے جسے تنہا تاج شفاعت ملا ہوا ہے اور اس کی ذات ﷺ شفاعت کرنے والوں سے محفوظ ہے)

عرش القیامة أنت تحت لوائه
و الحوض أنت حیاله السقاء

(قیامت کے شامیانہ کے جھنڈے کے زیر سایہ آپ ﷺ ہوں گے، حوض کوثر بالکل آپ ﷺ کے سامنے ہوگا اور اس سے سیراب ہو رہے ہوں گے)

تروی و تسقی الصالحین ثوابهم
و الصالحات ذخائر و جزاء

(جہاں صلحا کے اعمال انھیں شاداب و سیراب کر رہے ہوں گے اور

نیکیاں بہ طور جزا خزینے کے پیش کی جائیں گی)

المثل هذا ذقت فی الدنیا الطوی
و انشق من خلق علیك رداء؟

(آپ ﷺ کی صورت حال یہ تھی کہ دنیا میں فاقہ زدگی سے آپ ﷺ دوچار ہوئے اور بوسیدگی سے آپ ﷺ کی چادر تار تار ہوگئی تھی)

لی فی مدیحك یارسول عرائس
تیمن فیك، و شاقهن جلاء

(اے رسول عربی ﷺ! تمھاری مدح سرائی میں ایسی دلہنیں ہیں، آپ ﷺ کی محبت میں دیوانی ہوئی جارہی ہیں اور ہجر نے ان کے اندر محبت کا طوفان برپا کردیا ہے)

هن الحسان، فان قبلت تکرما
فمهورهن شفاعة حسناء

(یہ وہ حسینائیں ہیں کہ اگر آپ ﷺ نے انھیں براہ کرم قبول بھی کرلیا تو آپ ﷺ کی شفاعت ہی ان کی مہریں ہوں گی)

انت الذی نظم البریة دینه
ماذا یقول و ینظم الشعراء؟

(تمھاری ہی وہ ذات ہے جس کے دین نے مخلوق کو منظم کیا، آج انھی خدمات کا شعرا چرچا کرتے ہیں اور منظوم شکل میں پیش کرتے ہیں)

المصلحون اصابع جمعت یداً
هی أنت، بل أنت اید البیضاء

(اصلاح کرنے والے یعنی صحابۂ کرامؓ ان انگلیوں کی طرح ہیں جنھیں ایک ہاتھ کا پابند بنا دیا گیا ہے، یہ ہاتھ آپ ﷺ کی ذات عالیہ ہے اور آپ ﷺ تو ید بیضا کے مانند ہیں)

ما جئت بابك مادحا، بل داعیا
و من المدیح تضرع و دعاء

(میں آپ ﷺ کے در اقدس پر ثنا خواں کی حیثیت سے نہیں بلکہ سوالی بن کر آیا ہوں اور اس نعت سے مراد تضرع اور دست سوال ہے)

أدعوك عن قومى الضعاف لازمة

فى مثلها يلقى عليك رجاء

(میں آپ ﷺ کو اپنی کمزور اور افتادہ قوم کے لیے آواز دے رہا ہوں جو تنگیوں کی گرداب میں گھری ہوئی ہے اور انھی حالات میں آپ ﷺ سے اُمیدیں لگائی جاتی ہیں)

أدرى رسول الله أن نفوسهم

ركبت هوا ها، والقلوب هواء؟

(اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کو ان کے نفوس کے باب میں تو خوب معلوم ہی ہے کہ ان کی خواہشات ان پر سوار ہیں اور ان کے دل ہوا کی مانند ہیں)

متفككون، فما تضم نفوسهم

ثقة، ولا جمع القلوب صفاء

(وہ پارہ پارہ ہوگئے ہیں، چناں چہ ان کے نفوس غیر معتبر ہوگئے ہیں اور پاکیزگی ان کے دلوں سے مفقود ہوگئی ہے)

رقدوا، و غرهم نعيم باطل

و نعيم قوم فى القيود بلاء

(وہ خواب غفلت میں مبتلا ہیں، اور عارضی خوش حالی نے انھیں فریب خوردہ بنا دیا اور قوم کی خوش حالی پا بہ زنجیر کے مانند ہے)

ظلموا شريعتك التى نلنابها

مالم ينل فى رومة الفقهاء

(انھوں نے آپ ﷺ کی شریعت کے ساتھ بڑا ظالمانہ رویہ اپنایا، جس شریعت سے ہم نے وہ کچھ حاصل کیا جو کچھ کہ شہر میں فقہا نے حاصل نہیں کیا)

مشت الحضارة فی سناها و اهتدی
فی الدین و الدنیا بها السعداء

(اسی شریعت کی روشنی میں ثقافت نے اپنے سفر کا آغاز کیا اور اہل خوش بخت اسی شریعت سے دین و دنیا میں ہدایت یافتہ ہوئے)

صلى عليك الله ما صحب الدجى
حاد، و حنت بالفلا وجناء

(اللہ نے آپ ﷺ پر اس وقت سلامتی نازل کی جب حدی خوان تاریکیوں میں گھر گیا اور طاقت اور ناقد نے بیاباں میں اپنے غموں کا اظہار کیا)

و استقبل الرضوان فی غرفاتهم
بجنان عدن آلك السمحاء

(اور آپ ﷺ کی فرماں بردار اولاد، باغات عدن میں واقع اپنے کمروں میں نہر رضوان سے لطف اندوز ہوئی)

خیر الوسائل، من یقع منهم علی
سبب الیك فحسبی "الزهراء"

(لوگوں میں سے جو شخص آپ ﷺ کی رسی سے جڑا ہوا ہے وہ نہایت عظیم رشتہ ہے اور میرے لیے تو فاطمہ زہراؓ ہی کا رشتہ کافی ہے)

یہ قصیدہ ایک سو اکتیس اشعار پر مشتمل ہے، اس قصیدہ کی روشنی میں شوقی کے اسلامی جذبات و احساسات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے، جدید عربی شاعری میں اس قصیدے کی بہت اہمیت اور افادیت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس قصیدے کی وجہ سے عربی کی جدید نعتیہ شاعری میں ایک نیا اسلوب اور ایک نیا انداز سامنے آیا تو مبالغہ نہ ہوگا، نئے فکر کے ساتھ ساتھ لفظیات کا بھی ایک جدید پیراہن اس میں موجود ہے، اس نعت کا ایک شعر ایسا ہے کہ جو عہد جدید کی پوری نعتیہ شاعری پر مجھے بھاری نظر آتا ہے۔

لی فی مدیحك یارسول عرائس
تیمن فیك و شاقهن جلاء

سچ پوچھیے تو شوقی نے اپنی روح کو اس شعر میں اتار دیا ہے اور اس روح کی ترجمانی اور توضیح کسی اور قالب میں ناممکن ہے، شوقی یہ کہنا چاہتا ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے یہ جو نعتیہ قصیدہ آپ ﷺ کی شان میں پیش کیا ہے، اس میں ایسی دلہنیں ہیں جو آپ ﷺ کی محبت میں دیوانی ہوئی جارہی ہیں، انھیں اپنے جذبات اور اپنے ذہن و دماغ پر قابو نہیں ہے، ہجر نے ان کے اندر عشق و محبت کا طوفان برپا کردیا ہے، وہ آپؐ کو پانے کے لیے اور آپ ﷺ کے حضور دست سوال دراز کرنے کے لیے بے چین اور مضطرب ہیں، انھیں صرف آپ ﷺ ہی آپ ﷺ چہار جانب نظر آرہے ہیں، وہ اپنی متاع عزیز کو پالینے کے لیے ہر انتہا سے گزرنے کے لیے تیار ہیں۔

اس کے علاوہ شوقی کے دیگر نعتیہ قصائد ''الی عرفات''، ''نہج البردہ'' اور ''ذکری المولد'' وغیرہ میں شوقی کے آنحضور ﷺ سے والہانہ تعلق کو دیکھا جاسکتا ہے، ان قصائد سے معلوم ہوا کہ شوقی کے یہاں عشق رسول ﷺ جزو ایمان ہے۔ ان کا عشق رسول شرک سے بالکل پاک ہے۔ تینوں قصائد سے کچھ اشعار یہاں نقل کیے جارہے ہیں۔ جن سے قصائد کے رنگ و آہنگ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ قصیدہ ''الی عرفات'' کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

فقل لرسول الله، یاخیر مرسل
أبثك ما تدری من الحسرات

(تم اللہ کے رسول ﷺ سے کہو، کہ اے سرور کونین! ہم اپنی حسرتیں اور کم زوریاں آپ ﷺ کے سامنے لے کر حاضر ہیں)

شعوبك فی شرق البلاد وغربها
کاصحاب کهف فی عمیق سبات

(شرق و غرب کے تمام ممالک میں بسنے والی آپ ﷺ کی قوم اصحاب کہف کے مانند گہری میں پڑی ہوئی ہے)

''نہج البردہ'' کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

ان جل ذنبی عن الغفران لی أمل
فی الله یجعلنی فی خیر معتصم

(اگر میرے گناہ عفو و درگزر سے پرے ہوجائیں تو بھی مجھے اللہ سے

آس ہے کیوں کہ اس نے مجھے ایک بہترین پناہ گاہ (رسول اللہ ﷺ) عطا کی ہے)

علقت من مدحه حبلا أعزبه
في يوم لا عز بالأنساب واللحم

(اس کی مدح سرائی کی رسی میں نے لٹکا رکھی ہے، اسی کے توسط سے روز قیامت مجھے حد درجہ عزت نصیب ہوگی۔ جب کہ اس دن حسب و نسب اور رشتوں کی کوئی وقعت نہ ہوگی)

''ذکری المولد'' کے کچھ اشعار قارئین کی نذر ہیں۔

سألت الله في أبناء ديني
فأن تكن الوسيلة لي اجابا

(میں اپنے دینی بھائیوں کے لیے اللہ سے دعا گو ہوں، اگر آپ ﷺ وسیلہ بن جائیں تو یہی میری دعا کی مقبولیت ہوگی)

وما للمسلمين سواك حصن
إذا ما الضر مسهم و نابا

(جب مسلمانوں کو آلام و مصائب لاحق ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کے علاوہ ان کے لیے کوئی قلعہ نہیں ہوتا)

كان النحس حين جرى عليهم
اطار بكل مملكة غرابا

(جب ادبار ونحوست کے بادل ان پر چھا جاتے ہیں تو نحوست پوری مملکت میں کووں کو مسلط کر دیتی ہے)

ولو حفظوا سبيلك كان نورا
و كان من النحوس لهم حجابا

(کاش کہ امت مسلمہ آپ ﷺ کے راستے کی پاسداری کرتی، جو کہ نور کی مانند ہے اور یہی راستہ نحوست کے باب میں ان کے لیے سد راہ ہے)

مذکورہ تمام اشعار کی روشنی میں یہ کہنا مشکل نہیں کہ شوقی کو جس طرح شاعر نیل کہا

گیا اسی طرح انھیں شاعر مشرق بھی کہا جاسکتا ہے، انھیں جس طرح اپنی مملکت، عرب ممالک اور خلافت عثمانیہ کی فکر تھی ٹھیک اسی طرح دنیا کے تمام ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے بھی ان کے دل میں جگہ تھی۔ انھیں بالکل پسند نہ تھا کہ ان کے ملک کی قیادت انگریزوں کے ہاتھوں میں ہو، یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان کے نعتیہ قصائد پڑھتے ہیں تو یہ بات بڑی وضاحت سے سامنے آتی ہے کہ ان کی رگ و پے میں مشرقیت پوری طرح سرایت کیے ہوئے ہے، اس کے علاوہ بھی ان کے دیگر موضوعات سے متعلقہ قصائد اور غزلیات میں یہ چیز نمایاں ہے کہ وہ بنیادی طور پر عرب اور شاعر مشرق ہیں، مغربی ثقافت کا ان کے یہاں بڑا ہلکا اثر ہے۔ محمد حسین ہیکل نے انھیں شاعر عرب اور شاعر المسلمین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ شوقی اپنی نعتیہ شاعری اور اسلامی شاعری کی وجہ سے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے، پروفیسر محمد راشد ندوی کے یہ کلمات شوقی کی نعتیہ شاعری کے متعارف کرانے میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، لکھتے ہیں:

> محمد ﷺ سے انھیں عشق تھا، لیکن وہ عشق صرف جذبات پر مبنی نہیں تھا بلکہ ان کے سامنے اسلام کی پوری تاریخ تھی، تاریخ کے خدوخال میں انھیں رسول اللہ ﷺ کے جلوے ہمیشہ نظر آئے، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا تحقیقی مطالعہ کیا جس کی روشنی میں انھیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب تک دنیا میں جو بڑے انسان پیدا ہوئے ہیں اور اصلاحی کارنامے انجام دیے ہیں ان میں رسول اللہ ﷺ ہر لحاظ سے ممتاز اور منفرد ہیں اس لیے انھوں نے جب رسول اللہ ﷺ کی شان میں اپنے جذبات پیش کیے تو ان میں رسول اللہ ﷺ سے عشق و محبت کے ساتھ ساتھ تاریخی حقائق بھی پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو انھوں نے دنیا کے سامنے ایسے بڑے انسان کی حیثیت سے پیش کیا کہ انسانیت کی اعلیٰ سے اعلیٰ قدریں ان کے اندر متحرک نظر آتی ہیں۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین کی تعبیر وتفسیر وہ مختلف اسٹائل اور تعبیروں سے کرتے ہیں۔

شوقی کے نعتیہ قصائد پڑھتے وقت علامہ اقبال کا آخری مجموعہ کلام ''ارمغان حجاز'' اور ''بال جبریل'' کی نظم ''ذوق و شوق'' سامنے ہو تو دونوں میں کافی حد تک فکری مماثلت نظر آئے

گی اور ایسا محسوس ہوگا کہ دونوں کے جذبات میں کس قدر قربت ہے اور دونوں اپنی قوم کے باب میں یکساں طور پر متفکر ہیں۔ علامہ اقبال ایک جگہ مسلمانوں کی پستی پر اس طرح گویا ہیں۔

ہنوز ایں چرخ نیلی کج خرام است
ہنوز ایں کارواں دور از مقام است
ز کار بے نظام او چہ گویم
تو می رانی کہ ملت بے امام است

اسی مفہوم کو شوقی نے اپنے شعر میں اس طرح پیش کیا ہے:

فالطف لأجل رسول العالمین بنا
و لا تزد قومه خسفا، لا تسم

علامہ اقبالؔ اور شوقیؔ دونوں نے مغرب کو بہت قریب سے دیکھا لیکن دونوں کو مغرب کی زرق برق زندگی دین اسلام اور عشق رسول ﷺ سے دُور نہ کر سکی، دونوں کے ذہن میں یہ بات پوری طرح راسخ تھی کہ دین اسلام اور عشق رسول ﷺ کے بغیر امت مسلمہ کو اس دُنیا میں عزت و وقار ملنا مشکل ہے۔ جس طرح علامہ اقبالؔ کی شاعری میں اُندلس، بلادِ عربیہ، حجاز، نخلستان امت مسلمہ، مغربی ثقافت کی بے وقعتی، عرب کے آپسی اختلافات، دین اسلام کی بلندی کی خواہش اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا ذکر ہے۔ یہی تمام موضوعات شوقیؔ کی شاعری میں بھی مذکور ہیں۔ شوقیؔ کے ایک آخری نعتیہ شعر کو نقل کرتے ہوئے قارئین سے اجازت چاہوں گا۔

یا رب، احسنت بدء المسلمین به
فتمم الفضل وامنح حسن فحتمم

(اے بار الہٰ! آپ ﷺ کی ذات عالیہ کی وجہ سے امت مسلمہ کے آغاز کو آپ ﷺ نے آراستہ و پیراستہ کیا، پس اپنے فضل کی تکمیل فرمائیں اور اس خوب صورت اختتام پر آپ ﷺ کی بخشش جاری و ساری رہے)

☆

پروفیسر محمد اقبال جاوید

بیدم شاہ وارثیؒ کی نعتیہ تاب وتب

حضرت بیدم شاہ، وارثی سلسلے کے ایک معروف رہنما تھے۔ وہ زہد و ورع کے اعتبار سے بلند پایہ تھے اور موزونیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک ایسی شخصیت تھے جس کے قلم سے بکھرنے والے شعری شہ پارے ذوق سلیم کو مدتوں مسحور لذت رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی شاعری صوفیانہ جذب و شوق کا دامن تھام کر، فکرو خیال کے افق پر ایک عرصہ، خنداں بن کر لو دیتی رہی ہے۔ صوفیائے کرام کا فارسی کلام تحسین و مزامیر کی زد سے اس لیے محفوظ رہا کہ سامعین کی اکثریت فارسی زبان کے فہم سے عاری ہوتی تھی۔ جب کہ اردو کلام، قوالوں اور سازندوں کے نرغے میں یوں آیا کہ اپنی ادبی حیثیت کھو بیٹھا اور سربازار رقصاں ہو کر رہ گیا اور یوں کتنے لولوئے لالا تھے کہ تحسین ناشناس کی ہاؤ ہو میں دب کر رہ گئے اور کتنے ہی قطرے تھے کہ صدف کی گود سے محروم رہے اور موتی نہ بن سکے۔

بیدم وارثیؒ کے بیٹے ایس ایاز وارث وارثی، اپنے والد گرامی قدر کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> سادات کرام کی ایک شاخ سات آٹھ پشتوں سے اٹاوہ (یوپی، بھارت) میں آباد ہے۔ ان حضرات کا ذریعہ معاش زمینداری رہا ہے۔ اسی خانوادے کے ایک بزرگ سید انوار حسین کو اللہ تعالیٰ نے وہ فرزند عطا فرمایا جسے دنیا آج بیدم شاہ وارثی کے نام سے جانتی ہے۔ جو اس خاکسار راقم السطور کے والد گرامی تھے... آپ کی تاریخ ولادت ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہے، لیکن چوں کہ آپ نے خود اپنا سن شریف وفات کے تھوڑے دن پہلے ۴۷ سال بتایا تھا۔ اور آپ کی وفات نومبر ۱۹۳۶ء میں

ہوئی تھی۔ اس حساب سے آپ کا سن ولادت ۱۸۸۲ء قرار پاتا ہے...
آپ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ آپ کا پیدائشی نام غلام حسنین تھا، بیدم شاہ کا لقب آپ کو پیر و مرشد کی بارگاہ سے عنایت ہوا تھا۔ جسے آپ نے اس طور سے اپنایا کہ والدین کا دیا ہوا نام فراموش ہوگیا۔ انتہا یہ ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ تک کو آپ کا پہلا نام یاد نہ رہا تھا... ذہانت اور بردمندی کے آثار بچپن ہی سے آپ میں نمایاں تھے۔ ابتدائی درسیات کی تکمیل اٹاوہ میں کی۔ اس کے بعد علی گڑھ چلے گئے اور وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ تعلیم کے میدان میں آپ کی جولانیاں دیکھنے والوں کو دنیاوی لحاظ سے ایک قابل رشک مستقبل کا پتا دیتی تھیں۔ لیکن مشیت الٰہی کچھ اور تھی، قسام ازل نے آپ کو مزاج عاشقانہ عطا فرمایا تھا۔ یہ آگ گویا خون بن کر آپ کے رگ و پے میں رواں تھی۔ لیکن قبل ازاں کہ جذبات کا تلاطم کوئی غلط سمت اختیار کرتا۔ خوش قسمتی سے حضرت وارث عالم نواز کی شکل میں آپ کو ایک ایسا ہادی و رہنما مل گیا، جس نے بالکل نوعمری میں آپ کا رخ مجاز سے حقیقت کی طرف پھیر دیا... آپ کا وصال ۸/ رمضان المبارک بہ روز منگل ۱۳۵۴ھ (نومبر ۱۹۳۶ء) کو ہوا، ان دنوں آپ لکھنؤ میں نواب رام پور کی بڑی بہن شہزادی بیگم صاحبہ جو آپ سے بیعت تھیں، کی کوٹھی میں قیام فرماتے، لیکن بقول عمر:

پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا

دیار یار جو عمر بھر آپ کا کعبۂ مقصود رہا۔ اب اس کی خاک آپ کو اپنی آغوش میں لینے کے لیے بے تاب تھی۔ چناں چہ آپ دیوہ شریف میں اپنے مرشد پاک کے قدموں میں مدفون ہوئے، خود ہی فرمایا تھا،

اسی خاک آستاں میں کسی دن فنا بھی ہوگا
کہ بنا ہوا ہے بیدمؔ اسی خاک آستاں سے

بیدم وارثی کے نو مطبوعہ دیوان ہیں اوّلین جان بیدم اور آخری مصحف بیدم ہے۔ ان

کا کلام اپنی تمام تر ادبی وجاہتوں کے باوجود سماع کی محفلوں کو گرماتا اور تڑپاتا رہا۔ مگر وہ اپنے ادبی اور فنی معیار کو نقد و نظر کی دنیا میں منوا نہ سکا یا دوسرے لفظوں میں ناقدین نے اسے محض ساز کی آواز سمجھتے ہوئے درخور اعتنا نہ سمجھا۔ ورنہ علامہ بے خود موہانی نے بیدمؔ وارثی ہی کے بارے میں لکھا تھا:

> آپ کے اشعار صدق و صفا کے آئینہ دار اور مہر و وفا کے گنجینہ دار ہیں۔ خیالات کی بلندی، مضامین کی ندرت اور طرز ادا کی جدت آپ کا دم بھرتی ہے، نئی ترکیبوں کے ابداع پر قدرت ہے، آپ کے اشعار سوز و گداز اور درد و اثر سے ہم کنار ہیں۔

سیّد اختر وارثی کے الفاظ میں:

> شاہ صاحب کا کلام مختلف اصناف سخن پر محمول ہے اور ہر صنف میں اثر و تاثر کی پوری پوری تصویر نظر آتی ہے، یعنی جہاں جس قسم کی مصوری درکار ہوئی، صرف کی گئی، اسی کو قدرت سخن کہتے ہیں، سلسلہ آتش مرحوم میں مولانا نثار اکبر آبادی ممتاز شاعر گزرے ہیں، آپ کو انھی سے فیض سخن اور شرف تلمذ حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں آتش مرحوم کی سی کیفیات قلبی، درد، احساس، تصوف اور سوز و گداز کی چاشنی نمایاں نظر آتی ہے۔

حکیم ابوالعلا ناطق لکھنوی بیدم کی شاعری کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

> بیدم شاہ کا دم، ایک ایک سانس میں انفس و آفاق کا پورا دائرہ بناتا ہے، ایک ایک لفظ سے معنی کی تصویر کھینچتا ہے، تصویروں میں جان ڈالتا ہے، حقیقت کو نمایاں کرتا ہے، اور پھر حقیقت، حقیقت ہی رہتی ہے، بال کی کھال کھینچتا ہے، پھر بال بال میں موتی پروتا ہے، جو صوفی محض صوفی ہوتا ہے، وہ قال و حال میں لاتا ہے۔ مگر جب صوفی شاعر بھی ہوتا ہے تو وہ حال کو قال میں لاتا ہے۔

مولانا شفق عمادپوری لکھتے ہیں:

> کہنے والے کہتے ہیں، قال اور ہے، حال اور، مجاز اور ہے حقیقت اور،

شاعر حسن مجازی کا گاہک عارف حسن حقیقی کا خریدار، یہ دیوانہ، وہ ہوشیار اور دلدادہ و جاں نثار۔ کچھ ہو فدائی میں دونوں ایک ہی حسن کے، پروانے ہیں دونوں ایک ہی شمع کے:

عاشق ہم از اسلام خراب است ہم از کفر
پروانہ چراغ حرم و دیر نداند

سراج الشعرا، بیدم کو شمع انجمن وارثی کہیے یا چراغ بزم سخن، ہر طرح نور علیٰ نور، احرام پوش ہوئے، لباس میں بھی محترم، سخنور نکتہ رس ہونے کی حیثیت سے بھی قابل قدر، اردو غزل گوئی کے دور حاضر میں ایسے سحر البیان چند ہی نفوس نکلیں گے۔

نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل، جاں نشین امیر مینائی کا یہ شعر بیدمؔ ہی کے بارے میں:

دیوان پر بہار کے ہر تازہ شعر میں
معنیٔ آبدار کی اک کائنات ہے

غلام قادر قادری اثر جالندھری کا یہ شعر بھی دیکھ لیں:

شستہ باب زمزم و کوثر زبان اوست
زاں دلپذیر اہل حقیقت بیان اوست

اور اب آغا شورش کاشمیری کا ایک تاثر بھی ملاحظہ فرمائیں،

”جنوری ۱۹۳۵ء میں ایک وارثی فقیر حیرت شاہ، جالندھر سے لاہور وارد ہوئے، ان سے جمالیاتی ذوق کی مطابقت کے باعث تعلق خاطر ہوگیا۔ جون کے اواخر میں ان کے مرشد حضرت بیدم وارثی لاہور میں تشریف لائے اور موچی دروازے کے اندر حافظ معراج الدین کے مکان پر قیام کیا، بیدم ایک فقیر منش انسان اور بڑے شعر گو شاعر تھے، آج بھی خانقاہوں اور قوالوں میں ان کے کلام کا چرچا ہے، خود اٹاوہ کے رہنے والے تھے، لیکن جب سے زرد احرام باندھا تھا، دیوا ہی کے ہوگئے تھے جو ضلع بارہ بنکی میں صوفی حق آگاہ حضرت حاجی وارث علی شاہؒ کی آخری آرام گاہ ہے، اس زمانے کے اکثر شعرا حاجی وارث علی سے بیعت تھے، مثلاً سیماب اور جوش بھی شروع میں وارثی کہلاتے رہے، جگر کے متعلق بھی یہی روایت سنی گئی۔ اصغر

گونڈوی کے بارے میں بھی یہی کہا گیا، لیکن بیدمؔ ظاہر و باہر اور کلام و بیان میں وارثی ہو گئے تھے، ان کی ہم نشینی میں یوپی کے فقرا کی تہذیب کا اندازہ ہوا، میں نے ان سے ایک غزل پر تبرکاً اصلاح لی۔"

یہ چند آرا اس امر کو پایۂ ثبوت تک لے جاتی ہیں کہ بیدمؔ وارثی کی غزل، رمز و ایما کے پردے میں اہل دل کی کیفیات شوق کا ایک دل آویز اظہار ہے۔ اسے سن کر ذوق جھومتا، دل تڑپتا اور روح وجد کرتی ہے۔ ان کے اشعار دل کی گہرائیوں سے ابھرتے ہیں۔ اور ہوش و خرد اور قلب و نظر کو شکار کر جاتے ہیں وہ نگاہ کی طرح اٹھتے، بجلی کی طرح لپکتے اور تیر کی طرح دل میں ترازو ہو جاتے ہیں اور تاثر کی یہ کیفیت وقتی نہیں، سرمدی ہوتی ہے، یہی سرور جاودانی، بیدم کی شاعری کا نشان امتیاز ہے۔

بیدم کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے مسائل تصوف کو غزل کے علائم و رموز سے یوں نکھارا ہے کہ مجاز سے حقیقت پھوٹتی، ابھرتی اور پھیلتی محسوس ہوتی ہے، حق یہ ہے کہ جذبہ و دل شاعری کو فسوں و اعجاز بنا دیتے ہیں۔ جذبہ و دل کی دنیا سے ابھرا ہوا نقش انتہائی پائیدار ہوتا ہے اور بیان و بدیع کی کرشمہ سازیاں اس نقش حسیں کو تیر و نشتر بنا دیتی ہیں، رمزیت و ایمائیت کے بغیر غزل کا حسن کجلا جاتا ہے، گویا غزل میں ان علامتوں کے بغیر بات بنتی ہی نہیں،

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اور بیدم وارثی فی الواقع، بات بنانا جانتے تھے، بہ قول شاعر،

بات بنانا مشکل سا ہے شعر سبھی یاں کہتے ہیں
فکر بلند سے یاروں کو اک ایسی غزل کہہ لانے دو

حق یہ ہے کہ آج وہی شعر اپنی کیف سامانیوں کے ساتھ ذوق کو سیراب و شاداب کرتا ہے۔ جو غزل کے رنگ اور آہنگ میں کہا جاتا ہے، نعت ایک قدیم ترین صنف سخن ہے، اس نقطۂ نظر سے کہ نعت، مدحت رسول ﷺ کا دوسرا نام ہے، خواہ وہ مدحت نثر میں ہو یا نظم میں۔ خود خدا کی ذات بلند و برتر، حضور ﷺ کی واصف و ناعت ہے اور جملہ سماوی صحائف، حضور ﷺ کی شان مدحت سے لبریز اور یوں یہ صنف سخن ازل سے ابد کو محیط ہے، یعنی نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم، اصطلاح سخن کے اعتبار سے نعت، شعری پیرائے میں جگمگانے والی

توصیف رسول ﷺ کا دوسرا نام ہے، کبھی یہ توصیف قصائد کے انداز میں نظر آتی ہے، کبھی طویل نظموں کی شکل میں... اور آج زیادہ تر غزل ہی کے لب و لہجے میں نعت سرائی ہو رہی ہے کہ غزل ایک ایسی نغماتی فکر ہے، جو کائنات کی وسعتوں کو ناپ سکتی ہے، دل گداختہ اسے جنم دیتا، ذہن کی پختگی اسے سنوارتی اور تخئیل کی رفعت اسے تاثر عطا کرتی ہے۔ اس کا ہر شعر آہ کی طرح اٹھتا اور آنسو کی طرح گرتا ہے یہ ان رموز کی سچی عکاس ہے جو ذرہ سے خورشید تک اور دامان باغباں سے کف گل فروش تک پھیلے ہوئے ہیں۔ غزل کی یہی وہ گہرائی، گیرائی اور رعنائی ہے جس نے نعت گوئی کو تاثر کا حسن دیا ہے، بیدمؔ وارثی کی نعت نگاری کا جائزہ لینے سے پہلے ان کے سوز دروں اور رنگینیٔ حسن بیان کی ایک جھلک، ان کی غزل کے روپ میں دیکھئے:

مجھے پامال بھی کرتے ہیں انداز تغافل سے
مجھی سے پوچھتے بھی ہیں کہ سرگرم فغاں کیوں ہو
نئی دُنیا بنا دی لذت ذوق اسیری نے
قفس کے رہنے والوں کو خیال آشیاں کیوں ہو

☆

درد فراق، زخم جگر، داغ ہائے دل
آیا ہوں ان کی بزم سے کیا کیا لیے ہوئے
جس شاخ پر چمن میں بنایا تھا آشیاں
بجلی گری اسی کا سہارا لیے ہوئے
بیدمؔ نہ اپنا نخل تمنا ہرا ہوا
آئی بھی اور گزر بھی گئی رت بہار کی

☆

انھیں تو مشق تیر ناز کی دھن ہے وہ کیا جانیں
کسی کی جان جائے یا کسی دل کا نشانہ ہو
نہ پوچھ اس عندلیب سوختہ ساماں کی حالت کو
قفس کے سامنے برباد جس کا آشیانہ ہو

وہ شیدا حسن صورت پر، فدائے حسن معنی ہم
فسانہ قیس کا بیدمؔ ہماری داستاں کیوں ہو

☆

میں اور حسن یار کا جلوہ لیے ہوئے
ذرہ ہے دل فریبیٔ دنیا لیے ہوئے
دنیا سے بے نیاز، زمانے سے بے خبر
بیدمؔ ہے تیرا، تیری تمنا لیے ہوئے
مشعل راہ وفا ہے مرا ذرہ ذرہ
کیوں مری خاک پہ کرتا ہے چراغاں کوئی
چومی رکاب اٹھ کے کسی شہسوار کی
ہمت تو دیکھئے مری مشت غبار کی
ہماری خاک ہوتی یار کے نقش قدم ہوتے
ترے کوچے میں رہتے کاش! پیوند زمیں ہوکر
اک میں کہ مجھ سے سارے زمانے کو اختلاف
اک تم کہ تم پہ ساری خدائی نثار ہے

بیدمؔ وارثی، تصوف کے ایک ایسے سلسلے سے منسلک تھے جن کے ہاں سماع کا ذوق و شوق نمایاں تھا، سماع روح کو ''جہاں اک بے خودی'' اور ایک نوع کی سرشاری عطا، کر کے انسان کو مکروہات دنیاوی سے کچھ لمحوں کے لیے دور لے جاتا ہے، وہاں موزونیٔ طبع اور شعری ذوق کو پر پرواز بھی عطا کرتا ہے، بیدم کی فکری رفعت، قلبی کیفیت اور شعری موزونیت بھی ان کی غزل سے نمایاں ہے اور بعض اشعار سے ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں اشارے ملتے ہیں کہ ان کا دل، درد کا منبع تھا اور ان کی زندگی جذب و جنوں کی کیف آور سرمستیوں سے عبارت تھی۔ چند مزید اشعار دیکھئے اور سوچیے کہ اس مقام کی حامل شخصیت کے قلبی واردات جب حمد و مناجات اور نعت و منقبت کا روپ دھاریں گے تو اظہار و اسلوب کی جدت کس کس انداز سے یخ بستہ دلوں کو انگارہ نہیں بنائے گی کہ فن کار کی سیرت بہرکیف فن پاروں میں اکثر اپنی جھلک دکھا جاتی ہے۔ کہ شاعر کے رو بہ رو نہیں ہوتا مگر اس کا فن، شخصی حاضری کا کام دیتا ہے، اقبالؔ

نے کہا تھا:

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرور مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوب نے

مولانا حسن نظامی کے الفاظ میں،

آئندہ زمانے میں اردو زبان بہ حیثیت زبان جس قدر ترقی کرے گی، اس میں غالب و ذوق وغیرہ کے چرچے بھی ترقی کریں گے کہ وہ اردو شاعری کے روح رواں تھے، لیکن کلام بیدم سے بیدم اردو میں روحانی جان پیدا ہوگی۔ اس لیے میں کلام بیدم کا وجود کائنات میں دل سے خیر مقدم کرتا ہوں، اور کہتا ہوں کہ بیدم تخلص ہی پورا کلام ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ تخلص کی تفسیر و تشریح ہے اور جب تک اردو کے دم میں دم باقی ہے، کلام بیدم ہمیشہ باقی رہے گا:

ہر ذرّہ مری خاک کا ہے شوق کی دنیا
ہر قطرہ گر اشک کا عنوان تمنا

فلک پر ڈھونڈتے ہیں ہم وہ ایمن پر چمکتی ہے
یہ معیار تجلی ہے، وہ معیار نظر اپنا

سجا کر لخت دل سے کشتیٔ چشم تمنا کو
چلا ہوں بارگاہ عشق میں لے کر یہ نذرانہ

یہ لفظ سالک و مجذوب کی ہے شرح اے بیدم
کہ اک ہشیار ختم المرسلینؐ اور ایک دیوانہ

ترے قدموں پہ سر ہے سامنے تو ہے تصور میں
مرا نقش جبیں پھر بار سنگ آستاں کیوں ہو

آخری سانس بنے زمزمۂ ہو اپنا
ساز مضراب فنا، تار رگ جاں ہو جائے

یہ بھی اک معجزۂ وحشت دل ہے بیدم
کہ مری خاک کا ہر ذرّہ بیاباں ہو جائے

اک سادہ ورق تھی مری امیدوں کی دنیا
رنگیں ہوئی رنگیں نگاہوں کے اثر سے
اک میں کہ میری شام، شب انتظار ہے
اک وہ کہ جن کی شام اُمید سحر میں ہے

یہ چند اشعار محض اس لیے دیے گئے ہیں کہ قارئین بیدم وارثی کی شعر گوئی کے معیار، اعتبار اور وقار کا اندازہ کرسکیں حق یہ ہے کہ بیدم کی جملہ غزلیں صوفیانہ انداز فکر ونظر کی ایک نغماتی شکل ہیں، وہ خود دل والے ہیں اور اللہ والوں کے حضور میں، بہ رنگ شعر جھکے اور بچھے جاتے ہیں، کہ رسول کریم ﷺ کی سنت انھی سے روشن اور دل کی دُنیا انھی سے تاباں ہے۔ ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس لیے پرستار ہیں کہ اس کی خبر ہمیں حضور ﷺ کی گفتار صدق اظہار سے ملی۔ ہم صحابۂ کرامؓ کی عظمتوں کے اس لیے ثناخواں ہیں کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کو دیکھا، ان سے زندگی کی تاب وتب لی، جمال نبوت ﷺ کی دل کش اداؤں سے پھول چنے اور خود کو گلزار بنالیا، وہ فی الواقع سارے ہیں کہ ہم ان ستاروں کی لو سے اپنے دیے جلا سکتے ہیں علما و فقہا کا احترام بھی واجب ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے سمندر سے موتی چنے۔ شمع رسالت مآب ﷺ سے دعوت و تذکیر کے چراغ روشن کرکے بصیرت کی راہوں میں اُجالا کیا اور ہمارے دل ان فقیران کج کلاہ کے حضور میں بھی جھکے جاتے ہیں کہ وہ نگاہوں سے دلوں کی کائنات بدلتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کا جذب دروں کفر کے آشیانوں پر برق خاطف بن کر گرتا اور گلشن اسلام پر سحاب بہار بن کر لہراتا رہا، یہی محبت اسلام ہے اور یہی ارادت ایمان۔ علامہ اقبالؒ نے درست کہا تھا:

دیں سراپا سوختن اندر طلب
انتہائش عشق، آغازش ادب

میں سمجھتا ہوں کہ جہاں بھی حسن و رعنائی اور سلیقہ و قرینہ ہے، وہ حضور ﷺ ہی کا فیض ہے، اور حسن و جمال کے کمال کو جب بھی خراج ارادت پیش کیا جائے گا، وہ بالواسطہ نعت ہی سمجھا جائے گا کیوں کہ آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو یہ کائنات دُھواں دُھواں ہوتی اور بصارت، بصیرت کے اجالوں سے محروم رہتی، بہ قول حمایت علی شاعر:

میں آدمی کا قصیدہ جو لکھتا رہتا ہوں
قصیدۂ شہ لولاک ﷺ کے سوا کیا ہے

بیدؔم وارثی کا دل جس والہانہ انداز سے رشد و ہدایت کے ان آستانوں کا طواف کرتا ہے، اس کی کیفیت اس اعتبار سے معتبر ہے کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ جو قلم صحابۂ کرامؓ اور اولیائے عظامؒ کے حضور میں یوں رطب اللساں ہے۔ وہ جب نعت نبی ﷺ میں رواں ہوگا تو شاخ گفتار پر کیسے کیسے غنچے پھول نہیں بنیں گے کہ یہی محبت معیار ایمان ہے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو شاعر صحابہؓ و اولیاؒ کے مناقب میں ڈوب کر لکھتا ہے اس کی نعت موج صبا بن کر دلوں پر دستک کیوں نہیں دے گی؟ سب سے پہلے چند وہ شعر دیکھئے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ اور اپنی بے مائیگی سے متعلق ہیں:

کل عرصۂ محشر میں جب عیب کھلیں میرے
رحمت تری پھیلا دے دامان خطا پوشی

اس کی کیا شرم نہ ہوگی تجھے اے شان کرم
تیرا بندہ جو ترے سامنے رسوا ہوجائے

رحمت کی گھٹا آج جو گھنگھور اٹھی ہے
یارب یہ مری کشت تمنا پہ بھی برسے

کاسۂ چشم تمنا میں جو چاہے بھردے
اے شہ حسن، کمی کیا تری سرکار میں ہے

میرے عصیاں دیکھ کر میری ندامت دیکھ کر
کیسے ممکن ہے تری رحمت نہ آئے جوش میں

دیکھ کر دریا رواں اشکوں کا میری آنکھ سے
لہریں لیتا ہے تبسم اس لب خاموش میں

درمان استجاب کی کلیاں کھلی رہیں
یارب وہ ہو قبول جو بیدم دعا کرے

زاہد کو اپنے زہد و عبادت کا ہے غرور
مجھ کو ترے کرم، تری رحمت پہ ناز ہے

دینے والے تجھے دینا ہے تو اتنا دے دے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہوجائے

بیدم وارثی کے شوق عاشقانہ اور ذوق شاعرانہ کی جھلکیاں دیکھنے کے لیے یہاں مصحف بیدم میں موجود، ان کی گیارہ نعتوں کا ایک اجمالی جائزہ اور تجزیاتی تذکرہ مقصود ہے، گو یہ نعتیہ سرمایہ بہت مختصر ہے، مگر یہ ان کی قلبی محبتوں اور روحانی لرزشوں کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ان ادبی خصائص سے بھی بہرہ ور ہے جنھیں نہ اہل نظر، نظر انداز کر سکتے ہیں، نہ تماشائی... یہ ممکن ہے کہ احتیاط کے تقاضوں نے نعت کے میدان میں ان کے قلم کو سر بہ گریباں اور خود انھیں انگشت بہ دنداں رکھا ہو، اور انھیں قلم قلم، سنبھلنا اور سوچنا پڑا ہو، اور یوں بات مختصر رہ گئی ہو، بہرکیف یہ سرمایہ اس قابل ضرور ہے کہ نعت کی دنیا میں بیدم کو زندہ بھی رکھ سکے ان کے مقام کا تعین بھی کرا سکے اور ان کے لیے بہترین زاد راہ بھی ثابت ہو سکے، حق یہ ہے کہ اس مختصر سے نعتیہ سرمائے سے ان کے شوق نعت گوئی کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر بے تاب اور بے حساب ہے، اور سچ یہ ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں کمیت نہیں، کیفیت دیکھی جاتی ہے۔

پہلی نعت یوں ہے:

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھینچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کعبہ ہمارا کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مصحف ایماں روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لے کے مراد دل آئیں گے، مر جائیں گے، مٹ جائیں گے
پہنچیں تو ہم تا کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

طوبیٰ کی جانب تکنے والو! آنکھیں کھولو ہوش سنبھالو
دیکھو تو دل جوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نام اسی کا باب کرم ہے دیکھ یہی محراب حرم ہے
دیکھ خم ابروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہم سب کا رخ سوئے کعبہ، سوئے محمدؐ روئے کعبہ
کعبے کا کعبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بھینی بھینی خوشبو مہکی بیدم دل کی دنیا مہکی
کھل گئے جب گیسوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس نعت کی ردیف صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس ردیف کے ساتھ بہت سے شاعروں نے نعتیں کہی ہیں۔ اس نوع کی نعتوں پر مشتمل ایک نعتیہ انتخاب (صلی اللہ علیہ وسلم، راز کاشمیری) چھپ بھی چکا ہے، بیدم وارثی کی اس نعت میں ایک کیف بداماں نغمگی ہے، تراکیب کا حسن نمایاں ہے، وہ کمال عشق و مستی میں حضور ﷺ ہی کی چوکھٹ کو اپنی منزل مراد قرار دیتے اور انھیؐ کے رخ زیبا کو اپنا مصحف ایمان سمجھتے ہیں کہ انھی کے وسیلے سے ہمیں عرش و فرش کے مالک حقیقی اور مدبر حقیقی کا پتا چلا، ان کے نزدیک رسول پاک ﷺ کے قامت رعنا کے رو بہ رو طوبیٰ بے حیثیت ہے اور آپ ﷺ ہی کا خم ابرو محراب حرم ہے، اور یہی وجہ ہے کہ روئے کعبہ بھی سوئے محمد ﷺ ہے اور یہ انھی عنبریں گیسوؤں کا فیض ہے کہ عرب کا صحرا ایک عالم کو نکہتیں بانٹ رہا اور ادھر سے آنے والی باد صبا، شاخ نہال دل کے لیے وجہ نمو اور غنچہ ہائے خاطر کے لیے باعث ابتسام بنی ہوئی ہے، اسی طرح ان کی ایک نعت صلی اللہ علیک وسلم کی ردیف میں بھی ہے۔

دوسری نعت دیکھیے:

یہ ادنیٰ ہے وصف کمال محمدؐ
کہ ہے عرش زیر نعال محمدؐ
جدا ہو نہ دل سے خیال محمدؐ
زباں پر رہے قیل و قال محمدؐ
ہیں حسنینؓ حسن و جمال محمدؐ
علیؓ زوردست کمال محمدؐ
گلستان زہراؓ کا ہر پتہ پتہ
ہے آئینہ دار خصال محمدؐ
سلام اور تیری رحمتیں روز افزوں
الٰہی براصحاب و آل محمدؐ
حسین و جمیل و ملیحان عالم
نمک خوار خوان جمال محمدؐ

یہ ہے مختصر شرع و طریقت
کہ اک قال ہے ایک حال محمدؐ
مری جان پر غم، مراد قلب محزوں
اویسؓ ایک ہے اک بلالؓ محمدؐ
مرے دل کا دل، جان کی جان بیدمؔ
ملال محمدؐ خیال محمدؐ

یہ نعت جہاں مواد کے اعتبار سے وقیع ہے وہاں اپنی جمالیاتی ہیئت کا نقش بھی دل پر ثبت کر رہی ہے، بیدم وارثی کے خیال میں معراج مصطفیٰ ﷺ، دلیل عظمت انسانی ہے اور یہ وصف کمال محمد ﷺ کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ حسنینؓ، حسن محمدؐ کے عکاس ہیں اور جملہ اہل بیت اسوۂ رسالت مآب ﷺ کے پاسدار۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کائنات میں جہاں بھی کوئی حسن و خوبی ہے وہ حضور ﷺ ہی کے پرتو جمال کی آئنہ دار ہے بہ قول شاعر:

بہار شرح جمال تو دادہ در ہر فصل
بہشت ذکر جمیل تو کردہ در ہر باب

تشبیہات و استعارات کے اعتبار سے بھی یہ نعت، جمالیاتی دل پذیری کا ایک نغماتی شاہکار ہے، وہ اپنی جان غم زدہ کو اویسؓ محمدؐ اور اپنے قلب حزیں کو بلالؓ محمدؐ قرار دیتے ہیں، ایک مقام پر وہ شریعت اور طریقت کی اُلجھی ہوئی بحث کو اس ایک شعر میں انتہائی خوب صورتی سے سلجھا گئے ہیں جب کہ شعر صنعت لف و نشر مرتب کی ایک خوب صورت مثال ہے:

یہ ہے مختصر شرح شرع و طریقت
کہ اک قال ہے ایک حال محمدؐ

شریعت، ضوابط ربانی کو اپنے جسم پر نافذ کرنے کا نام ہے، جب کہ طریقت میں ان ظاہری ضوابط کو روح و دل کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاتا ہے، حضور ﷺ نے جو احکام فرمائے وہ شریعت ہے اور عملی زندگی میں ان کا جو اظہار فرمایا وہ طریقت ہے، شریعت مسلمان کو قرآن کا قاری بناتی ہے جب کہ طریقت اسے چلتا پھرتا قرآن بنا دیتی ہے۔ طریقت، شریعت ہی ایک عملی اور تکمیلی شکل ہے، ان میں کوئی مغائرت نہیں، دونوں کے متوازن امتزاج کا نام اسلام ہے۔ ہمارے دین میں، ذہن و ذوق کی ایک حسین و جمیل مطابقت جھلکتی ہے شریعت میں اعضا و

جوارح کو آمادہ کرنا پڑتا ہے، جب کہ طریقت میں اعضا و جوارح انسان کو خود آمادہ کرتے ہیں:

رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

تیسری نعت ہے،

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسولؐ
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسولؐ
خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزوئے رسولؐ
خوشا وہ آنکھ جو ہو محو حسن روئے رسولؐ
تلاش نقش کف پائے مصطفیٰؐ کی قسم
چنے ہیں آنکھوں سے ذرات خاک کوئے رسولؐ
پھر ان کے نشۂ عرفاں کا پوچھنا کیا ہے
جو پی چکے ہیں ازل میں مئے سبوئے رسولؐ
بلائیں لوں تری اے جذب شوق صلی علیٰ
کہ آج دامن دل کھینچ رہا ہے سوئے رسولؐ
شگفتہ گلشن زہراؓ کا ہر گل تر ہے
کسی میں رنگ علیؓ ہے اور کسی میں بوئے رسولؐ
عجب تماشا ہو میدان حشر میں بیدمؔ
کہ سب ہوں پیش خدا اور میں رُو بروئے رسولؐ

اس دل کی خوشی بختی کا کون اندازہ کرسکتا ہے جو حب رسول ﷺ اور آرزوئے رسول ﷺ سے سرشار ہو، یہ نعت آرزو کی انھی کیف آفرینیوں سے عبارت ہے، بیدمؔ کوئے محبوب ﷺ کے ذرے ذرے کو عقیدت کی نگاہوں سے چومتے بھی ہیں اور چنتے بھی، عشق رسول ﷺ ان کے سبوئے جاں میں کیمیا بن کر چھلکتا اور دامن دل خود بہ خود سوئے مدینہ کھینچا چلا جا رہا ہے اور یوں لگتا ہے کہ:

کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

"مصحف بیدم" کی چوتھی نعت کے چند شعر یوں ہیں:

محشر میں محمدؐ کا عنوان نرالا ہے
اُمت کی شفاعت کا سامان نرالا ہے
خوبی و شمائل میں ہر آن نرالا ہے
انسان ہے وہ لیکن انسان نرالا ہے
تزئین شب اسریٰ دیکھی تو ملک بولے
کیا آج خدا کے گھر مہمان نرالا ہے
مستوں کے سوا تجھ کو سمجھا نہ کوئی سمجھے
اے پیر مغاں تیرا عرفاں نرالا ہے
وہ مصحف رخ دل میں آنکھوں میں تصور ہے
الیبلی تلاوت ہے، قرآن نرالا ہے
پھولوں میں مہکتا ہے بلبل میں چہکتا ہے
جلوہ تیری صورت کا ہر آن نرالا ہے
اس مصحف عارض کو قرآن سمجھتے ہیں
ان اہل محبت کا ایمان نرالا ہے

یہ نعت بیدمؔ کے جذب والہانہ کا بے ساختہ اظہار ہے، بیدمؔ کے خیال میں مستانہ سرخوشی کے بغیر عرفان رسالت ناممکن ہے اس میدان میں جو جتنا مست ہے اتنا ہی ہوشیار ہے، جنوں والوں کے نزدیک حضور ﷺ مصحف رخ ہی قرآن ہے اور اسے دیدہ و دل میں بسانا، تلاوت ہے کہ اس رخ رنگیں کے جلوے لالہ وگل کو رعنائیوں میں انگڑائی لیتے محسوس ہوتے ہیں، چاند اس رُخ انور کے مقابل پھیکا پھیکا سا لگتا ہے حق یہ ہے کہ اس کائنات کی ساری زیبائی، حضور ﷺ ہی کا فیض ہے اور یہ بزم جہاں انھی کی خاطر آراستہ کی گئی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ جسے اس در کی گدائی نصیب ہوگئی، اسے کسی اور نعمت کی ضرورت نہیں:

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنیست
اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد است

اب بیدمؔ وارثی کے اس ایوان کی پانچویں اور چھٹی نعت دیکھئے:

قبلہ و کعبۂ ایمان، رسولؐ عربی
دو جہاں آپؐ پہ قربان رسولؐ عربی
چاند ہو تم جو رسولان سلف تارے ہیں
سب نبی دل ہیں تو تم جان رسولؐ عربی
صدقہ حسنین کا روضے پہ بلالو مجھ کو
ہند میں ہوں میں پریشان رسولؐ عربی
کس کی مشکل میں تری ذات نہ آڑے آئی
تیرا کس پر نہیں احسان رسولؐ عربی
کوئی بہتر ہے تو بہتر سے بھی بہتر ہے تو
سب سے اعلیٰ ہے تری شان رسولؐ عربی
تیرا دیدار ہے دیدار الٰہی مجھ کو
تیری الفت مرا ایمان رسولؐ عربی
مجمع حشر میں اس شان سے آئے بیدمؔ
ہاتھ میں ہو ترا دامان رسولؐ عربی

☆

میرا دل اور مری جان مدینے والے
تجھ پہ سو جان سے قربان مدینے والے
باعث ارض و سما، صاحب لولاک لما
عین حق صورت انسان مدینے والے
بھر دے بھر دے میرے داتا مری جھولی بھر دے
اب نہ رکھ بے سر و سامان مدینے والے
کل کے مطلوب کا محبوب ہے معشوق ہے تو
اللہ اللہ رے، تری شان مدینے والے

آڑے آتی ہے تری ذات ہر اک دکھیا کے
میری مشکل بھی ہو آسان مدینے والے
پھر تمنائے زیارت نے کیا دل بے چین
پھر مدینے کا ہے ارمان مدینے والے
دل بھی مشتاق شہادت ہے کماندار عرب
اس طرف بھی کوئی پیکان مدینے والے
تیرا ور چھوڑ کے جاؤں تر کہاں جاؤں میں
میرے آقا، مرے سلطان مدینے والے
سگ طیبہ مجھے سب کہہ کے پکاریں بیدمؔ
یہی رکھیں مری پہچان مدینے والے

درج بالا دونوں نعتیں، گو اپنی ردیف کے اعتبار سے مانوس ہیں اور سامعین اکثر قوالوں کی زبان سے سنتے رہے ہیں، مگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ان کا ہر شعر تغزل کے اعتبار سے قابل قدر اور مفہوم و مطالب کے لحاظ سے قبل غور ہے، اس قدر سہل اور رواں لب و لہجے میں اس نوع کے بلیغ حقائق کو سمودینا، بیدمؔ وارثی ہی کی شاعرانہ عظمت کا کمال ہے، شرعی نقطۂ نظر سے بات کو پرکھنے والوں کے نزدیک ممکن ہے بعض مقام محل نظر ہوں، مگر عشق جب جنوں کو چھوتا ہے تو وہ مکلف نہیں رہتا، انور صابری کی نعت کے دو شعر ہیں:

کہا ہے کس نے کہ مدہوشئ محبت میں
دل شکستۂ عاشق کا آسرا نہ کہو
کہا ہے کس نے کہ مایوسیوں کے عالم میں
جہان عشق کا مقصود و مدعا نہ کہو

ساتویں نعت یوں ہے:

رہا جو مدتوں تاج سرعرش بریں ہوکر
وہی چمکا عرب میں نور رب العالمیں ہوکر
محمدؐ سر سے پا تک، مظہر حسن الٰہی ہیں
کہ آئے دہر میں تصویر صورت آفریں ہوکر

محمدؐ سب سے پہلے ہم گنہگاروں کو پوچھیں گے
ہمیں وہ بھول سکتے ہیں شفیع المذنبیں ہوکر
ہمارا کچھ نہ ہونا لاکھ ہونے کے برابر ہے
چلے دنیا سے ہم شیدائے ختم المرسلیں ہوکر
ہمارے سر پہ بیدمؔ ظل دامان محمدؐ ہے
تو کیا کرلے گا پھر خورشید محشر خشمگیں ہوکر

حضورﷺ پر جان قربان کرنا، ان کا محبوب حق ہونا، ان کی رحمت کا شکستہ دلوں کا آسرا بن جانا، ان کا مظہر حسن الٰہی ہونا اور سر محشر ان کی شفیع المذنبینی، ایسے مضامین ہیں جنھیں کم وبیش ہر نعت گو نے برتا ہے، مگر بیدمؔ نے ان نعتوں میں انھی قدیم اور عام مضامین کو ادا کیا اس طرفگی کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ بعض اشعار فی الواقع سحر حلال ہوگئے ہیں۔

آٹھویں نعت درود پاک کی ایک ترنم اور غنائی کی شکل ہے:

ماہ درخشاں، نیر اعظم صلی اللہ علیک وسلم
از سر تا پا نور مجسم صلی اللہ علیک وسلم
میرے ہی کیا کل کے سرور، ہر برتر سے بھی تم برتر
رحمت عالم، خیر مجسم صلی اللہ علیک وسلم
ڈوبے ہوؤں کو تم نے ابھارا، بگڑے ہوؤں کو تم نے سنوارا
حامی و محسن نوحؑ و آدمؑ صلی اللہ علیک وسلم
سب سے بڑھ کر سب سے اعلیٰ سب سے افضل سب سے بالا
سرور دیں سردار عالم صلی اللہ علیک وسلم
حرز یمانی، اسم اعظم، دافع رنج و مصیبت بیدمؔ
نام مبارک، قلعۂ محکم صلی اللہ علیک وسلم

اب نویں نعت ملاحظہ ہو:

سراجاً منیرا نگار مدینہ
تجلیٔ مکہ، بہار مدینہ

گھرا ہوں اکیلا میں انبوہ غم میں
دوہائی ہے اے تاجدار مدینہ
مبارک تجھے بخدا اے روح مجنوں
میں سو جان سے ہوں نثار مدینہ
الٰہی دم واپسیں سامنے ہو
وہ محبوب عالم، نگار مدینہ
مجھے گردش چرخ گو پیس ڈالے
بنوں پر میں یارب غبار مدینہ
دل مبتلا کے ٹھکانے نہ پوچھو
جوار مدینہ، دیار مدینہ
کہاں باغ عالم کی بیدمؔ ہوائیں
کہاں وہ نسیم بہار مدینہ

دیار بطحا اس لیے محترم سمجھا جاتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی جائے پیدائش، جائے رہائش اور جائے وفات ہے، چوں کہ مدینے کو خود حضور ﷺ نے اپنا شہر قرار دیا اس لیے دل والے، اپنی ساری عقیدتوں کو اپنی پلکوں میں سمیٹ کر اس دیار ناز کے ذرے ذرے کو بوسہ دیتے ہیں، یہ آپ ﷺ ہی کا فیض ہے کہ ایک عالم اس مرکز کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے، بیدمؔ اس علاقے میں غبار راہ بن کر رہنے کی آرزو کرتے ہیں اور بہ وقت مرگ، اسی نگار مدینہ کی زیارت کے آرزو مند ہیں جو ہر دل کا کعبۂ مراد اور ہر آنکھ کا مقصود نظر ہے۔

''مصحف بیدم'' کی دسویں نعت یوں ہے:

شوق دیدار میں اب جی پہ مرے آن بنی
ارنی انت حبیبی شہ مکی مدنی
خاتم جملہ رسل، شمع سبل، مصدر کل
نخل بستان عرب، سرو ریاض یمنی
کشش عشق نبیؐ، صل علیٰ، صل علیٰ
مرحبا جذبۂ بے تاب و غریب الوطنی

'کیوں نہ روضے کو ترے نور علیٰ نور کہوں
قبۂ نور پہ ہے چادر مہتاب تنی
موتی دندان مبارک کی چمک پر صدقے
لب رنگیں پہ ہے قربان عقیق یمنی
ہندی محتاج کو محروم نہ رکھیے سرکار
اے شہنشاہ عرب یثرب و بطحا کے دھنی
سب کی سنتے ہیں تو تیری بھی سنیں گے بیدمؔ
رایگاں جا نہیں سکتی یہ کبھی نعرہ زنی

بیدمؔ کی یہ نعت اس یقین کا اظہار ہے کہ ان کی التجائیں، حضور ناز میں یقیناً قبولیت پائیں گی، حضور ﷺ کی نگہ کرم سے بگڑی ضرور بنے گی اور دل کی دنیا ضرور سنورے گی، اس نعت میں رسالت مآب ﷺ کے لیے بعض خوب صورت تراکیب کا استعمال کیا گیا ہے، مثلاً خاتم جملہ رسل، شمع سبل، مصدر کل، نخل بستان عرب، سرور ریاض مدنی، بہرکیف بیدمؔ نے اس نعت میں، سنگلاخ زمین میں، ذوق وشوق کے جو گلزار کھلائے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ انھیں نگاہوں میں سمیٹ کر نشاط روح کا سامان بنا لیا جائے۔

مصحف بیدمؔ کی آخری نعت، اس قدر معروف ہے کہ وہ نہ کسی تعارف کی محتاج ہے، نہ تعریف کی، اس نعت میں فکری پاکیزگی، قلبی ارادت، اور روحانی وابستگی، نغمگی کے پیرہن میں جگمگا رہی ہے:

کیا پوچھتے ہو گرمئ بازار مصطفیٰؐ
خود بک رہے ہیں آ کے خریدار مصطفیٰؐ
دل ہے مرا خزینۂ اسرار مصطفیٰؐ
آنکھیں ہیں دونوں روزن دیوار مصطفیٰؐ
پھیلا ہوا ہے چاروں طرف دامن نگاہ
اور لٹ رہی ہے دولت دیدار مصطفیٰؐ
تفسیر مصحف رخ پر نور والضحیٰ
واللیل شرح گیسوئے خمدار مصطفیٰؐ

نعلین پا سے عرش معلیٰ کو ہے شرف
روح الامینؑ میں غاشیہ بردار مصطفیؐ
بیدمؔ نہ آؤں جاکے دیار رسولؐ سے
تربت ہو زیر سایۂ دیوار مصطفیؐ

اور آخر میں 'دوشعر' کہ وہ ان کی ایک غزل سے ماخوذ ہیں:

قدم مصطفیؐ کی برکت سے
آسماں بن گئی زمیں حجاز
کاش پہنچا دے کوئی طیبہ تک
سجدۂ شوق اور سلام نیاز

حقیقت یہ ہے کہ بیدمؔ وارثی کا شعری ذوق، اسی سجدۂ شوق اور اسی سلام نیاز کی ایک دل نواز روداد ہے، اور دل والوں کی زبان میں اسی ''نماز نیاز'' کو نعت کہتے ہیں:

کتابیات

(۱) مصحف بیدمؔ

(۲) بوئے گل، نالۂ گل، دود چراغ محفل، شورش کاشمیری۔

(۳) اردو کے دس عظیم شاعر

(۴) پروفیسر محمد اقبال جاوید

(۵) فن خطابت۔ شورش کاشمیری۔

(۶) صحبتے با اہل دل۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

پروفیسر جعفر بلوچ (لاہور)

علیم ناصری کی نعت گوئی

جناب علیم ناصری ہمارے زمانے میں علم و ادب کی شان دار روایات کو آگے بڑھانے والے ادیب و شاعر ہیں۔ ''شاہ نامۂ بالاکوٹ'' کی چار جلدیں ان کے علم و فضل اور بلند شاعرانہ مقام کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کے علمی رسوخ کی ایک محکم شہادت یہ بھی ہے کہ وہ گزشتہ کئی برسوں سے ماہنامہ ''الاعتصام'' لاہور کی مجلس ادارت کے رکن رکین چلے آ رہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ان کا نعتیہ مجموعہ ''طلع البدر علینا'' منصۂ اشاعت پر آیا ہے اور ارباب دل و نگاہ کے لیے مژدۂ طمانیت و تسکین لایا ہے۔

جناب علیم نے اپنی نعتوں میں جا بہ جا اپنے نظریۂ نعت نگاری کو بیان کیا ہے۔ یہ نظریۂ نعت جزوی یا کلی طور پر ہمارے بہت سے متقدم اور معاصر نعت نگاروں نے بھی بیان کیا ہے لیکن علیم صاحب سے ان خیالات کو مکرر سننے میں بھی ایک خاص کیف و سرور ہے۔

نہ زعم علم و ہنر ہے نہ دعویٔ تحقیق
علائے حق ہے ثنائے رسولؐ کی توفیق
علیم نعت صحیفہ ہے اک محبت کا
نہ فلسفہ ہے نہ منطق نہ نکتہ ہائے دقیق

جناب علیم ناصری اردو کے ان معدودے چند حمد و نعت نگاروں میں سے ایک ہیں جن کی حمد و نعت اظہار محبت و عقیدت کے ساتھ ساتھ معارف قرآن و حدیث اور دیگر علمی حوالوں سے بھی مالا مال ہے۔ ان کے مضامین حمد و نعت کی بنیاد قرآن و حدیث ہیں اور حمد و نعت لکھنے کا سب سے زیادہ محفوظ راستہ یہی ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں حمد و نعت کہنے والا شاعر ذہنی و فکری، افراط و تفریط سے بچا رہتا ہے اور توازن و سلامتی کا دامن اس کے ہاتھ

سے چھٹنے نہیں پاتا۔ جناب علیم ناصری اس باب میں حمد و نعت لکھنے والے اردو کے ممتاز ترین شعرائے کرام کی صف میں دکھائی دیتے ہیں۔

مثلاً ملاحظہ ہو کہ ذیل کے حمدیہ اشعار میں قرآنی تجلیوں کی جھلکیاں کیسی نمایاں ہیں:

حمد و توصیف کے لائق ہے خداوند نعم
جس نے سکھلایا ہے انسان کو مالم یعلم
ایک جانب تو وہ جبار بھی قہار بھی ہے
دوسری سمت ہے رحمان و رحیم و ارحم
وہ جو چاہے تو بیاباں کو چمن زار کرے
اور جھلستے ہوئے صحرا سے نکالے زم زم

قرآنی لفظیات و اصطلاحات سے بھی جناب علیم ناصری نے بھرپور کام لیا ہے اور اس طرح اپنی حمد و نعت کو نکھار اور اعتبار سے بہرہ ور کیا ہے۔

فکر و نظر سے ورا اس کی حد سلطنت
وہ ''علی العرش استوا'' ربّ ہمہ عالمیں

☆

قلب وہ قلب کہ ہے مہبط وحی یوحیٰ
در وہ درگاہ کہ جبریل کی ہے جائے نزول
جس کی ہیبت سے صنم شرک کے ریزہ ریزہ
جس کی اک ضرب سے باطل ہو کعصف ماکول

☆

میں رہا گو مدتوں فحشا و منکر کا اسیر
مصطفیٰؐ نے مجھ کو بخشا تحفۂ صوم و صلات

قرآنی لفظیات و اصطلاحات کی یہ تضمینیں جناب علیم کے کلام میں جا بہ جا نظر آتی ہیں اور یہ نوارنی قندیلیں ان کے جادۂ نعت کی تزئین و تنویر کا سبب ہیں۔ دیکھیے ان کی ایک حمدیہ رباعی کا چوتھا مصرع قرآنی الفاظ سے کس طرح صورت پذیر اور تجلی افروز ہوا ہے:

اللہ کا ثانی ہے نہ کوئی ہمسر
پیغام یہ لائے ہیں سبھی پیغمبر

مت اس کے سوا کسی کو مشکل میں پکار
لا تدع مع اللہ الہاً آخر

''طلع البدر علینا'' کے مطالعے سے دوسرا بڑا تاثر یہ ابھرتا ہے کہ جناب علیم ناصری اقبالی شاعر نہیں یعنی ان کی فکریات اور اسلوبیات پر حضرت علامہ اقبال کے واضح اور خوش آئند وجدانی اثرات نہیں اور ذرا غور کریں تو اقبالی شاعر ہونے کا مطلب بھی فارانی، حجازی اور قرآنی شاعر ہونا ہے۔ اقبالؔ بھی تو رو بہ قبلہ شعرا کا امام و مقتدیٰ تھا۔ اس کے یہ الفاظ کون فراموش کرسکتا ہے؟

گردلم آئینۂ بے جوہر است
در بحرفم غیر قرآں مضمر است
اے فروغت صبح اعصار و دہور
چشم تو بینندۂ ما فی الصدور
پردۂ ناموس فکرم چاک کن
ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روز محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

جناب علیم ناصری نے جا بہ جا اقبالی طرز فکر و بیان سے استفادہ کیا ہے۔ وہ اقبالی لفظیات و اصطلاحات سے بھی کام لیتے ہیں۔ بعض موقعوں پر انھوں نے اقبالؔ کی خاص شعری زمینوں میں داد سخن دی ہے۔ غیر معروف زمینوں سے جناب علیم کی دلچسپی بھی عطیۂ اقبال معلوم ہوتی ہے۔ کہیں کہیں جناب علیم کے یہاں الفاظ و تراکیب کی بندش یا مصرعوں کی ساخت بھی ہمیں اقبال کی یاد دلاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اقبال کے رنگ میں کہنے والا کوئی شاعر اپنی انفرادیت کے تحفظ کا دعویٰ نہیں کرسکتا تاہم حضرت اقبال سے ہم رنگ یا ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرنا بجائے خود بھی تو ایک اعزاز ہے:

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

لیکن جناب علیم کی وسعت مطالعہ، تخلیقی اپج اور بعض دیگر عناصر نے حضرت علامہ اقبال سے جناب علیم ناصری کی اثر پذیری کو انفعالیت کی حدود سے نکال کر ایک مؤثر تخلیقی

تجربہ بنا دیا ہے۔ خاص طور پر علیم صاحب کی نظم ''موج راوی'' اقبال سے فیض یابی کی ایک خوب صورت مثال ہے۔ یہ نظم ''بال جبریل'' کی مشہور نظم ''مسجد قرطبہ'' کی بحر میں کہی گئی ہے اور اپنی تنظیم و ترتیب اور پیش کش کے حوالے سے اتباع اقبال کی شعوری کوشش معلوم ہوتی ہے اور یقیناً یہ بہت کامیاب کوشش ہے۔ اس نظم سے مجموعی طور پر شکوہ و عظمت اور جلالت و تمکنت کا اظہار ہوتا ہے۔ یاد ماضی کے تقدس اور اسلامیت کے جوش و ولولہ نے نظم میں ایک رفعت اور شان پیدا کردی ہے۔ اس نظم کو پڑھتے ہوئے جا بہ جا حضرت اقبال سے جناب علیم کی ذہنی مقاربت اور پرتو پذیری کا خوش گوار احساس ہوتا ہے۔ ''طلع البدر علینا'' سے جناب علیم ناصری کی مہارت فن عروض اور قدرت کلام کا بھی وافر ثبوت ملتا ہے۔ انھوں نے بعض ایسی مشکل بحروں میں بھی داد سخن دی ہے۔ جو ان کے گہرے عروضی مطالعے کی غماز ہیں۔ ان کی قدرت کلام کے متعدد مظاہر ہیں۔ وہ اپنے موضوعات کے لیے متناسب شعری اسلوب بڑی خوش ادائی اور ہنرمندی سے تراشتے ہیں۔ موزوں الفاظ و تراکیب کی فراہمی میں وہ کہیں درماندہ نظر نہیں آتے اور روانی و بے ساختگی کا یہ عالم ہے کہ کلام میں ایک تیز رو دریا کے بہاؤ کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ علیم صاحب کے بارے میں میری یہ معروضات ان کے زیرنظر مجموعۂ کلام کے ایک سرسری مطالعہ کا ماحصل ہیں۔ ان کے فکر وفن کے بارے میں بہت سی باتیں اور بھی کہی جاسکتی ہیں:

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

البتہ اس مجموعۂ حمد ونعت کی ایک اور نمایاں خصوصیت ایسی ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ دلانا، سوء ادب ہوگا۔ یہ خصوصیت کتاب کا عالمانہ اور وجدان افروز دیباچہ ہے جو حضرت نعیم صدیقی نے ''طلع الشعر علینا'' کے زیرعنوان لکھا ہے۔ اس دیباچہ میں فن نعت نگاری اور اسالیب نعت سے متعلق متعدد مباحث اس حسن وخوبی سے ادا ہوئے ہیں کہ باید وشاید!

اس ناچیز کی رائے میں اپنی معنوی اور صوری لطافتوں کے باعث ''طلع البدر علینا'' ہمارے دور کے چند برگزیدہ نعتیہ وحمدیہ مجموعوں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی (کراچی)

دو نعتیہ نظمیں

آج بھی ہمارے ہاں نعت کے لیے غزل ہی سب سے مقبول وسیلۂ اظہار ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ سب سے قوی سبب یہ ہے کہ غزل کے دو مصرعوں میں ایک مکمل خیال کا اظہار۔ ہر شعر ایک وحدت اور اکائی ہے جو آسانی سے یاد ہو جاتی ہے اور ہماری خلوت و جلوت میں ہمارے شخصی جذبات کو ادا کرنے کی ایک صورت ہے۔

لیکن بعض صورتوں میں غزل کا پیکر شاعر کے مقصد اور موضوع کے لیے مناسب نہیں ہوتا۔ اگر مقصد سیرت مقدسۂ نبوی کے کسی پہلو یا واقعات کو بیان کرنا ہے تو شاعر کو مثنوی یا مسدس یا مخمس یا نظم آزاد کو چنا ہوگا... تسلسل اور ایک ہی کیفیت کو پیش کرنے کے لیے یہ اصناف مناسب تر ہوں گی۔

ہمارے دور میں نعتیہ شاعری میں خاصا تنوع نظر آتا ہے۔ حفیظ جالندھری کا شاہ نامۂ اسلام نعتیہ نظم ہی تو ہے۔ طویل، مسلسل، ترتیب کے ساتھ حیات نبوی کی شاعرانہ صورت گری۔ عبدالعزیز خالد نے بھی اردو نعت کے کینوس کو وسعت دی۔ ان کی قدرت کلام ہمیشہ محسن کاکوروی کی یاد دلاتی ہے۔ عمیق حنفی کی طویل نعتیہ نظم صلصلۃ الجرس جس اہمیت کی حامل ہے افسوس اس کا اعتراف ہمارے نقادوں نے نہیں کیا۔ قصہ یہ ہے کہ نعتیہ شاعری جس سنجیدہ تنقیدی فکر اور کاوش کی مستحق ہے وہ ہمارے بیش تر ادبی نقادوں کی افتادِ طبع سے علاقہ نہیں رکھتی۔ قمر ہاشمی مرحوم کی طویل نظم ''مرسل آخر'' بھی نعتیہ شاعری کے باب کا درجہ رکھتی ہے۔ راقم الحروف نے بھی عربی نعتیہ شاعری کے ترجمے نظم آزاد میں پیش کیے اور الحمد للہ ان کی طرف ارباب نظر نے التفات کیا۔ مظفر وارثی صاحب نے کئی بہت اچھی نظمیں لکھی ہیں جو اپنی نغمگی کی وجہ سے بے حد مقبول ہوئیں اور ان نظموں میں تکنیک کا تنوع بھی ہے۔ حنیف اسعدی اور

سرشار صدیقی اور ریاض حسین چودھری کی نعتیہ نظمیں اپنے اسلوب اور لفظیات کی بنا پر کسی نقاد کی منتظر ہیں۔

جدید نعتیہ نظموں کی فہرست سازی یا ان کا جائزہ میرا موضوع نہیں ہے۔ کئی اچھے شاعروں کا کلام اس وقت میرے سامنے نہیں۔ اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ کسی محنتی اور خوش ذوق نقاد کو اس طرف متوجہ کیا جائے۔ میرے خیال میں عزیز احسن صاحب اور پروفیسر محمد اقبال جاوید اس کام کے لیے بہت مناسب ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ دونوں کسی تنگ نظری اور حلقۂ اثر (لابی) کے اسیر نہیں ہیں۔

عزیزی صبیح رحمانی نے نعت رنگ کے لیے مولانا حکیم محمود احمد برکاتی مدظلہ اور جناب حمایت علی شاعر کی نظمیں اشاعت کے لیے حاصل کیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں ان نظموں پر مختصراً اپنا تنقیدی تاثر قلم بند کردوں، سو تعمیل ارشاد کرتا ہوں۔

☆☆

پہلی نظم حکیم محمود احمد برکاتی کی ہے۔ حکیم صاحب ایک مشہور علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ خیر آبادی اسکول کے جلیل القدر عالم، سیّد برکات احمد کے پوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خاندان کی روایات کی پاس داری اس دور ناشناس میں بھی کی ہے۔

اپنے بزرگوں کی طرح وہ علم کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کے بھی مزاج داں ہیں۔ علم ذہن میں محفوظ یادداشتوں کو نہیں کہتے، علم وہ طاقت ہے جو اپنا اظہار آدمی کے رویے اور انداز زیست میں کرتی ہے۔

حکیم صاحب ''پیشہ ور'' شاعر نہیں۔ ان کے جذبات جب شدید ہوتے ہیں تو انہیں وہ مہذب بناتے ہیں، اپنے سینے میں وہ اپنے نالے کو تھام رکھتے ہیں اور پھر وہ نغمہ بن کر کاغذ پر منتقل ہوجاتا ہے۔ حکیم صاحب نے اپنی نظم کو کوئی عنوان نہیں دیا ہے۔ شاید اس لیے کہ عنوان کی بے ساختگی کو اظہار کی ضرورت نہیں تھی۔ ''میں جا رہا ہوں مکے مدینے''... اور میں موزونیت کا خیال کئے بغیر اسے یوں کہتا اور پڑھتا ہوں ''میں جارہا ہوں اپنے مکے مدینے۔''

اس اُمت نے اپنے عقائد اور اپنے جذبات کے مراکز کے ربط کو عجیب انداز سے سمجھا ہے۔ ہم اکثر ''اللہ رسول'' بغیر حرف عطف کے ادا کرتے ہیں۔ ''اللہ اور رسول'' کی جگہ ''اللہ رسول''... توحید اور رسالت کی یک جائی سے ہمارے مزاج اور ہیت اجتماعی کا اندازہ

ہوسکتا ہے۔ یہی بات ''مکے مدینے'' کے سلسلے میں بھی درست ہے... علی میاں (مولانا سیّد ابوالحسن ندوی) نے یہ بات کہی ہے کہ ہم بچپن سے ''مکہ مدینہ'' یوں کہتے آئے ہیں جیسے یہ ایک ہی شہر کے نام ہیں۔

برکاتی صاحب کی یہ نظم مخمس کے فارم میں لکھی گئی ہے اورٹیپ کا مصرع یہی ہے ''میں جارہا ہوں مکے مدینے''... اس مصرعے کی تکرار نے نظم کو ایک فضا عطا کردی ہے۔ یہ مصرع اور یہ پوری نظم خود کلامی معلوم ہوتی ہے۔ یہ نظم اپریل ۱۹۹۹ء میں کہی گئی ہے اور حکیم صاحب نے نومبر ۹۹ء میں عمرہ ادا کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس درمیانی مدت میں وہ اپنے عزم سفر کا اظہار اپنے آپ سے کرتے رہے۔ ''میں جارہا ہوں مکے مدینے۔''

نظم کی ایک خصوصیت پڑھنے والے کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتی ہے... اور وہ یہ ترتیب کلام، جملوں کی ترتیب گفتگو کے اسلوب سے بہت قریب ہے۔ اسے علمائے بلاغت نے سہل ممتنع کا نام دیا ہے۔ میں نے اسے ''خود کلامی'' کہا ہے۔

نظم کے پہلے ہی بند سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمرے کا عزم کسی خواب، کسی بشارت کے تحت تھا۔ شاید شاعر نے نبی اکرم ﷺ کو خواب دیکھا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ انھوں نے بیداری میں کوئی آواز سنی ہو... یہ آواز اپنے وجود کی گہرائیوں سے ابھرنے والی بھی ہوسکتی ہے۔

فرمان بھیجا مرے نبی نے
بے تاب کیوں ہے آجا مدینے

اور شاید حالات کے جبر نے آواز کا روپ دھار لیا ہو... اور کسی صاحب ایمان کے لئے تو مدینہ دارالشفا ہے۔

اور اس عزم سفر کے ساتھ آدمی اپنے زاد راہ پر نظر ڈالتا ہے۔ اس راستے کے رفیق ہیں۔ لبیک، احرام، چشم پرنم، دامن تر، پائے لرزاں اور قلب پریشاں... یہ عزم سفر، سفر اور سفر کے مرحلوں میں بدل جاتا ہے... جسمانی سفر شروع کرنے سے پہلے آدمی اپنے آپ کو مسلسل سفر میں مصروف پاتا ہے... یہ سفر ایک مقام کا سفر نہیں ہے، بلکہ دنیا کے جھمیلوں سے سکون خاطر اور اپنی بازیافت کا سفر بن جاتا ہے... یہ سارے مقامات سفر نظم میں انتہائی کامیابی کے ساتھ سمٹ آئے ہیں... الفاظ کا انتخاب شاعر کے کمال فن کی جگہ توفیق الٰہی معلوم ہوتا ہے:

دست دعا کی توقیر دیکھی

توقیر کا ایسا استعمال اور صرف کہاں دیکھنے کو ملے گا؟ اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات میں سے اس احسان کی طرف کم توجہ دی گئی ہے کہ رب العزت اپنے بندوں کی توقیر بھی فرماتا ہے اور اس کی ایک علامت دعاؤں کی قبولیت بھی ہے۔

اپنے میاں کے مرقد کی جانب

اردو کے ''بے پناہ'' اور وسیع ترین معانی کے حامل الفاظ میں سے ایک لفظ ''میاں'' بھی ہے۔ یہاں میاں میں احترام کے ساتھ انتہائی قربت بھی ہے۔ یہ لفاظ نبی ﷺ کے ساتھ اُمتی کے رشتے کو پیش کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے ذکر کے ساتھ ساتھ اللہ سے تخاطب بھی نظم کی بنت میں شامل ہے۔ اور یہ سارے پہلو ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ان کے درمیان تعلق اور تسلسل ہمیں دریا کی موجوں کی یاد دلاتا ہے... ایک موج کے جلو میں دوسری موج۔

یہی معاملہ فرد اور ملت کے تعلق ہے... نظم کے آخر میں یہ فرد جو اپنے دل کی حرارت، جذبے کی شدت کے سہارے سفر کر رہا تھا، اپنی ملت کا ترجمان بن جاتا ہے... اس کے غم محض ذاتی غم نہیں تھا... نظم کا اختتام ایک بے ساختہ چیخ بن جاتا ہے... شاعر:

رب محمد، اے رب کعبہ

کے حضور مجسم چیخ اور فریاد بن جاتا ہے۔

اے وائے القدس، اے وائے ڈھاکہ

سقوط ڈھاکہ کو تیس سال ہونے کو آئے، لیکن یہ خون رنگ سانحہ، شاعر کی ذات میں زندہ ہے... اور القدس، اس ملت کی بے حسی کا ایک ثبوت۔

☆☆

اعتراف حمایت علی شاعر کی نظم ہے۔ نبی کریم ﷺ سے تخاطب تو قدما کے ہاں بھی نظر آتا ہے، لیکن نظم کے پیکر میں غالباً پہلی بار مولانا حالی نے اپنے استغاثہ میں اسے اپنایا:

اے خاصۂ خاصان رُسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اس ''استغاثہ'' میں حالی ہندی مسلمانوں کی حالت زار کو مصور کر دیا ہے۔ دردمندی کا یہ عالم کہ الفاظ پر آبلوں کا گماں ہوتا ہے۔

اس وقت سے ہمارے زمانے تک کئی ایسی نظمیں لکھی گئی ہیں... کوئی تیس سال پہلے نعیم صدیقی کی ایک نظم شائع ہوئی... ''میں ایک نعت کہوں''... اس میں شاعر عہد حاضر کے مسلمان کی زندگی کے تضادات اور کوتاہیوں کے پس منظر میں سوچتا ہے کہ اسے ثنائے خواجہ کا کیا حق ہے؟

حمایت علی شاعر کی نظم بھی امت کے ایک ایسے فرد کی داستان ہے جسے اپنی شکست کا احساس ہے، جو اپنے آپ کو غبار سر راہ کی صورت دیکھتا ہے... تصویر صرف ایک فرد نہیں بلکہ ایک قوم کی ہے۔

میں اپنی ذات میں ہوں اپنی قوم کی تصویر
کہ بے عمل ہی نہیں، جہل میں بھی فرد ہوں میں

اپنی بے عملی، جہل، شکست حوصلہ کے اعتراف کے ساتھ ہی ہمیں ایسے مصرعے بھی نظم میں ملتے ہیں جو اس تصویر کے ساتھ میل نہیں کھاتے:

مگر میں سوچ رہا ہوں، مری خطا کیا ہے

لیکن اس کا جواز بھی پیش کیا جاسکتا ہے... شاعر حضور سرور کونین اپنی اور ملت کی کوتاہیوں کو گن رہا ہے۔ قرآن سے ہمارا رشتہ بس تلاوت الفاظ تک محدود ہے۔ معراج ہو یا شق القمر ہم ان کے حقیقی مفہوم سے بھی آشنا نہیں۔ زندہ عقائد سے محروم ہوکر ہم مردہ عقائد کے مجاور ہیں۔ قرآن عروج آدم خاکی کا نسخہ تھا اور ہماری یہ کیفیت ہے کہ ہم آسانی سے مرنے کے لیے یٰسین کی تلاوت کرتے ہیں۔

ملت کے زوال کی یہ تصویر تفصیلی نہیں، مگر اس میں بڑی قوت ہے... نظم کے اختتامی حصہ میں جو ٹکڑے ہیں انھیں جوڑیے تو زوال امت کی ایک حقیقت پسندانہ تصویر اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ مگر کہیں کہیں شاعر کی جذباتیت نے اس نظم کے تاثر کو نقصان پہنچایا ہے:

کہا گیا جسے قرآن میں بندۂ مومن
وہ میں تو کیا کہ مرا کوئی ہم وطن بھی نہیں

اس سے قطع نظر کہ دوسرے مصرع میں ''کہ'' بے مصرف ہے، امت کو اتنا تہی دامن قرار دینا مناسب نہیں... اس سے تصویر یک رخی ہوگئی ہے اقبال کی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں آج کے عہد زوال میں بھی بندۂ مومن کی چمک نظر آتی ہے۔ شاعر صاحب نے اس حقیقت

کو فراموش کر دیا:

بجلیاں سوئے ہوئے بادل میں بھی پوشیدہ ہیں

اقبال کو خوب معلوم ہے:

جانتا ہوں میں یہ اُمت حامل قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

لیکن انھوں نے یہ حقیقت شیطان کی زبانی پیش کی:

خال خال اس قوم میں، اب تک نظر آتے وہ
کرتے ہیں اشک سحرگاہی سے جو ظالم وضو

اور نظم کے آخری دو مصرعے اچانک ہیں اور نظم سے ان کا ربط کم زور ہے:

ہر اُمتی کی یہ فرد عمل ہے کیا کیجیے
حضور! آپ ہی ہم سب کا فیصلہ کیجیے

سرکار ﷺ کی ذات تو ہماری آخری پناہ گاہ ہے... حالی نے تباہی کے قریب آن پہنچنے والے بیڑے کے لیے ختمی مرتبت ﷺ کے حضور دعا کی درخواست کی تھی کہ وہ دُعا مقبول خدا ہے... ان اعمال کی بنا پر سرور کائنات ﷺ سے فیصلے کی درخواست کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے اور فیصلہ تو کسی اور کے ہاتھ میں ہے... رسول ﷺ کی دعا سے ہماری تقدیر اور فیصلۂ الٰہی بدل سکتا ہے۔

☆☆

حکیم محمود احمد برکاتی (کراچی)

فرمان بھیجا میرے نبی نے　　بے تاب کیوں ہے آجا مدینے
رحمت کے پیالے جی بھر کے پینے　　حق نے جو چاہا اگلے مہینے
میں جا رہا ہوں کے مدینے

لبیک بر لب، احرام در بر　　باچشم پرنم، بادامن تر
باقلب سوزاں، باجان مضطر　　بے برگ و ساماں، بے زاد و بے پر
میں جا رہا ہوں کے مدینے

بہ پائے لرزاں، قلب پریشاں　　آلودہ داماں، چاک گریباں
بہ چشم گریاں، حال پریشاں　　بہ بارعصیاں ہے میرا ساماں
میں جا رہا ہوں کے مدینے

اشک ندامت لے کرچلا ہوں　　جوش انابت لے کر چلا ہوں
ساری بضاعت لے کے چلا ہوں　　کل اپنی دولت لے کر چلا ہوں
میں جا رہا ہوں کے مدینے

دل کی حرارت لے جارہی ہے　　جذبے کی شدت لے جارہی ہے
بوسے کی حسرت لے جارہی ہے　　بیدار قسمت لے جارہی ہے
میں جا رہا ہوں کے مدینے

جذب دروں کی تاثیر دیکھی　　دست دعا کی توقیر دیکھی
خوابوں کی اپنے تعبیر دیکھی　　بیدار اپنی تقدیر دیکھی
میں جا رہا ہوں کے مدینے

جاؤں گا اپنے معبد کی جانب　　کعبے میں سنگ اسود کی جانب
اپنے میاں کے مرقد کی جانب　　اک سبز و روشن مرقد کی جانب
میں جا رہا ہوں کے مدینے

ڈوری کے غم میں تڑپا بہت ہوں بے تاب ہوکر رویا بہت ہوں
خستہ بہت ہوں، ماندہ بہت ہوں سونا ہے جاکر جاگا بہت ہوں
میں جا رہا ہوں مکے مدینے
تھوڑی سی جرأت کرنی ہے جاکر کہنے کی ہمت کرنی ہے جاکر
عرض اپنی حالت کرنی ہے جاکر فریاد امت کرنی ہے جاکر
میں جا رہا ہوں مکے مدینے
کہنا ہے جاکر اے جان رحمت! ہے نام تیرا لب کی حلاوت
اے یاد تیری دل کی سکینت امت پہ اپنی چشم عنایت
میں جا رہا ہوں مکے مدینے
کہنا ہے جاکر اے عالم آرا رب محمدؐ! اے رب کعبہ!
بارے الٰہ! بارے الٰہ! اے وائے القدس! اے وائے ڈھاکہ!
پھر وہاں جاکر:
مجھے خود بھی یقین اے دل نہیں ہے
کہ میں مکے مدینے آگیا ہوں

☆☆

حمایت علی شاعر (کراچی)

اعتراف

(بہ حضور سرورِ کائناتﷺ)

حضور آپ کی اُمت کا ایک فرد ہوں میں
مگر خود اپنی نگاہوں میں آج گرد ہوں میں
میں کس زباں سے کروں ذکر اسوۂ حسنہ
کہ اہل درک و بصیرت نہ اہل درد ہوں میں
میں کس قلم سے لکھوں، سرخی حکایت عشق
کہ رنگ دیکھ کے اپنے لہو کا، زرد ہوں میں
سمجھ سکوں گا میں کیا سر نکتۂ معراج
شکست خوردۂ دنیائے گرم و سرد ہوں میں
بہ زعم خود تو بہت منزل آشنا ہوں... مگر
جو راستے ہی میں اڑتی پھرے، وہ گرد ہوں میں
عجیب ذوق سفر ہے کہ صورت پرکار
جو اپنے گرد ہی گھومے، وہ رہ نورد ہوں میں
دہائیوں سے نچوڑا تھا جس اکائی کو...
اب اس اکائی سے آمادۂ نبرد ہوں میں
بچھا رکھی ہے جو اک دست مکر نے ہر سو
اسی بساط سیاست پہ ایک نرد ہوں میں
میں اپنی ذات میں ہوں اپنی قوم کی تصویر
کہ بے عمل ہی نہیں، جہل میں بھی فرد ہوں میں
حضور، آپ نے چاہا تھا کیا... ہوا کیا ہے
مگر میں سوچ رہا ہوں... مری خطا کیا ہے

فقط تلاوت الفاظ... مرا سرمایہ
پس حروف ہے کیا؟ کب مجھے نظر آیا
کہی تھی آپ نے جو بات، استعاروں میں
مرا شعور، کبُ اس کا سفیر بن پایا
نہ میں نے سوچا کہ ''شق القمر'' میں رمز ہے کیا
مری گرفت میں کس طرح آفتاب آیا
سواد غیب سے جبریل کی صدا نے مجھے
سماعتوں کے کس ادراک پر ہے اکسایا
نہ میں نے جانا کہ اک عکس لاشعور بھی ہے
جو حرف و صوت کی صورت ہے میرا ہمسایہ
میں اپنی ذات میں کس طرح ایک عالم ہوں
سمجھ سکی نہ کبھی میری فکر کم مایہ
نہ میرا عشق ہے میرے یقین کا حاصل
نہ میری عقل ہے میرے جنوں کی ہم پایہ
وہی عقائد افسوں زدہ، وہی اُسطور
بدل کے شکل، مری عقل کے ہیں ہم سایہ
کھلے تو کیسے کھلے مجھ پہ معنی ''اقرأ''
کہ میرے علم پہ ہے میرے جہل کا سایہ
نہ میں نے سوچا کہ قرآں کا مدعا کیا ہے
عروج آدم خاکی کی انتہا کیا ہے

میں بت پرست نہیں ہوں، پہ بت شکن بھی نہیں
وہ مرد تیشہ بکف ہوں جو کوہکن بھی نہیں
میں کس کے نام لکھوں یہ ستم کہ اہل کرم
فقیہ و صوفی و ملا ہیں، برہمن بھی نہیں

میں ایک چہرہ تھا اور اب ''ہزار چہرہ'' ہوں
اب اعتبار کے قابل، مرا سخن، بھی نہیں
میں روشنی کے بہت خواب دیکھتا ہوں مگر
اُس انجمن میں... جہاں شمع انجمن بھی نہیں
میں فکر بوذر و صبر حسینؓ کا ورثہ
گنوا چکا ہوں تو ماتھے پہ اک شکن بھی نہیں
میں چل رہا ہوں، کسی پیر تسمہ پا کی طرح
اگرچہ پاؤں میں میرے کوئی رسن بھی نہیں
مرا وجود ہے سنگ مزار کے مانند
کہ میرے ساتھ مری روح کیا، بدن بھی نہیں
میں ''شہر علم'' سے منسوب کیا کروں خود کو
کسی کتاب کا سایہ، مرا کفن بھی نہیں
کہا گیا جسے قرآں میں بندۂ مومن
وہ میں تو کیا... کہ مرا کوئی ہم وطن بھی نہیں

ہر اُمتی کی یہ فرد عمل ہے، کیا کیجیے
حضورؐ! آپ ہی ہم سب کا فیصلہ کیجیے

راجا رشید محمود (لاہور)

عہد نعت میں ایک گل دستے کی یاد

عہد حاضر، نعت کا دور ہے۔ بہت سے اہم غزل گو بھی نعت کی جانب راغب ہوگئے ہیں۔ غزل اور جدید نظم کی لفظیات اور تراجم کے ذریعے اردو میں در آنے والے خیالات، موضوعات اور تراکیب وغیرہ کے ذریعہ نعت کا کینوس بلاشبہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ مختلف مروّجہ اصناف سخن کے استعمال کے علاوہ، ہیئت کے نئے تجربوں کی مدد سے بھی گلشن نعت میں خوشبوؤں کی مختلف اقسام مشام جاں کو معطر کرنے لگی ہیں۔ چند بزرگوں کی اشیرباد اور حوصلہ افزائی نے کتب نعت کی تعداد میں بہت اضافہ کیا ہے۔ اشاعت کے جدید ذریعوں، سرپرستی کی رنگارنگ صورتوں اور افراط زر کے مختلف النوع مظاہروں نے بیشتر شاعروں کو ''مشورۂ سخن'' کی اہمیت نظرانداز کرنے پر لگا دیا ہے۔ اس طرح ایسے مجموعہ ہائے نعت بھی سامنے آرہے ہیں یا کئی مجموعہ ہائے نعت میں ایسی صورتیں دکھائی دے رہی ہیں کہ نعت میں حزم و احتیاط کے تقاضوں سے صرف نظر ہو رہا ہے۔ زبان و بیان کی غلطیاں در آئی ہیں۔ نئے الفاظ، تراکیب، کنایات وغیرہ کے استعمال میں کہیں حمد و نعت کے لطیف فرق کو ملحوظ رکھنے کی اہمیت پیش نظر نہیں رہتی۔ کہیں کوئی بات مقام مصطفےٰ ﷺ سے فروتر ہوجاتی ہے۔ کہیں قرآن و حدیث کے الفاظ کو کم علمی، بے خبری، دھاندلی یا مرضی کے زیر اثر غلط استعمال کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔ کہیں بے احتیاطیاں اس حد تک پہنچا دیتی ہیں کہ توہین رسالت تک بات جا پہنچتی ہے۔

ایسے میں جہاں نعت کے وسیع تر کینوس اور اس میں مختلف رنگوں کے ذریعے

بصارت کی ابتہاج و مسرت کی رنگینیوں سے آشنائی اور اس کیفیت کا زبان و قلم کے ذریعے اظہار درست ہے، وہاں موضوعات، لفظیات، زبان اور طرز بیان پر نقد و جرح کا اہتمام بھی ضروری ہے اور اس کی طرف سے آنکھیں موند لینے سے ایسے راستے کھل جانے کا اندیشہ ہے جن کو بند کرنا پھر تیز رفتاری کے موجودہ دور میں شاید بہت مشکل ہو جائے۔

اب اردو ادب میں نعت کو تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ اس کی اہمیت ذرائع ابلاغ پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔ جو لوگ کبھی اسے ''بھجن'' کے ساتھ بریکٹ کرتے تھے، اب نعتیں کہہ بھی رہے ہیں، چھاپ بھی رہے ہیں۔ جو لوگ اپنی مذہبی اور مسلکی مجبوریوں کے پیش نظر نعت کا نام سننا گوارا نہ کرتے تھے، اب نہ صرف یہ کہ نعت کہنے میں نام ور ہیں بلکہ ملکی سطح پر محافل نعت خوانی بھی منعقد کروا رہے ہیں۔ جو شاعر دین سے لاتعلقی کے تناظر میں نعت، مرثیہ اور دین کے حوالے سے کہی گئی دوسری کاوشوں کو ادب کے دائرے سے خارج کردینے کا داعیہ بھی رکھتے تھے اور ایک زمانہ تھا کہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے، اب وہ حالات کے زیر اثر، یا کسی مالی منفعت یا تشہیر اور پبلسٹی کے حوالے سے، اپنے سابقہ نقطۂ نظر سے انحراف کی راہ پر گامزن ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔

اندریں حالات بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ نعت کے فروغ کے سلسلے میں سب سے زیادہ کام مملکت خداداد پاکستان میں ہو رہا ہے۔ نعت گوئی سے نعت خوانی تک کی تاریخ مرتب کرتے وقت اردو کا دامن سب سے زیادہ بھرا ہوا دکھائی دے گا۔

لیکن اب اس حوالے سے ہمیں کئی کام کرنے پڑیں گے۔ ایسا مواد بھی جمع کرنا ہوگا جس سے مستقبل قریب میں نعت کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے اہم گوشے نظر انداز نہ ہو سکیں۔ مختلف پہلوؤں سے تحقیق و تدقیق کی کسوٹی کو بھی استعمال کرنا ہوگا۔ مجموعہ ہائے نعت اور منتخبات نعت کو کسی لائبریری میں یک جا کرنے کی اپنی بہت اہمیت ہے۔ مختلف علاقوں، ضلعوں، قصبوں اور دیہات میں نعت کے سلسلے میں بکھرے ہوئے کام کو جمع کرنا ہوگا۔ نعت گوؤں اور نعت خوانوں کے تذکرے مرتب کرنا بھی بہت اہم ہے۔ ماضی میں شائع ہونے والے مجموعہ ہائے نعت کو بھی کسی انداز میں سامنے لانا ہوگا تاکہ وہ کام تحقیق و تنقید کی نگاہ سے اوجھل نہ رہے۔ نعت کے ماضی، حال اور مستقبل کے موضوعات پر بھی بحث و تمحیص ضروری ہوگی۔

نعت کو علاقائی عصبیتوں اور مذہبی مناقشات کی عینک سے دیکھنے کی روایت کو ترک

کرنا یا کم از کم اس کی حوصلہ افزائی نہ کرنا بھی اہم ہے۔ تنقید کو یک رُخے پن سے بھی بچانا ہوگا۔ چوں کہ نعت اساسی طور پر مذہبی شاعری ہے اور ہمارے مذہبی اور مسلکی فروعی اختلافات بدقسمتی اور بین الاقوامی سیاست کے زیر اثر قتل و غارت کی حدود عبور کر رہے ہیں، اس لیے تنقید کو اس ضرر رساں انداز سے محفوظ رکھنے کی ترکیبیں بھی سوچنا ہوں گی۔

ہمیں ان موضوعات پر بھی قلم اُٹھانا ہوگا کہ نعت کے ارتقا میں کن عوامل نے کیا کردار ادا کیا، موضوعات و مضامین میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا ہوئیں، یہ تبدیلیاں کن حالات کا نتیجہ تھیں اور کس کس انداز میں، کس حد تک جائز تھیں۔ ہمارے تجزیاتی مطالعوں میں یہ پہلو بھی اہم ہونا چاہیے کہ نعت پر مختلف فکری، علمی اور سیاسی تحریکوں کے اثرات کس قدر اور کس طرح مرتب ہوئے اور ان کے جواز میں کیا دلائل دیے جاسکتے ہیں، یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ نعت کے حوالے سے، کہنے، پڑھنے، سننے والوں کی سوچ میں کیا بنیادی تبدیلیاں آئیں، نعت کے متعلقین نے اردگرد کے ماحول سے کیا اثرات قبول کیے اور انھیں کس طرح نعت کے حوالے کیا۔ نیز لوگوں کے تأثرات و تعصّبات کس کس طرح نعت کے کن کن پہلوؤں پر اثر انداز ہوئے۔

نعت کو عملاً اب تک تحسین کی چیز سمجھا جا رہا ہے۔ تنقید، تحقیق اور تجزیے کے حوالے سے شروعات تو ہوچکی ہے جو بہت خوش آئند ہے لیکن ابھی تک تنقید کے احساس نے استحکام حاصل نہیں کیا، اسکا دائرہ بھی تا حال بہت محدود ہے۔ لوگ ذرا سی تنقید برداشت نہیں کرتے اور بعض صورتوں میں تادم واپسیں ناراضی کی کیفیتوں سے نہیں نکلتے۔ میرے خیال میں اب اس پہلو پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ابھی تک کتب نعت پر تبصرے کی روایت نہیں پڑی، محض تعارف کتب سے کام چلایا جا رہا ہے۔ نعت خوانی کا فروغ نعت میں بہت اہم کردار ہے مگر وہاں معیاری کلام پڑھے جانے کی روایت کمزور ہوتے ہوتے عنقا ہونے لگی ہے۔ اس طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

پھر بھی، اگر کوئی نعت کی تاریخ مرتب کرنے کے حوالے سے کام کر رہا ہے، کیے گئے تجزیوں کا جائزہ لے رہا ہے یا کتب نعت کے تجزیے کی راہ پر چل رہا ہے، بکھرے ہوئے کام کو اکٹھا کر رہا ہے، بھولے بسرے شاعروں کو سامنے لا رہا ہے، ذاتی، گروہی، حزبی، مسلکی، سیاسی یا علاقائی تعصبات سے ہٹ کر بے لاگ تنقید کرنے چلا ہے یا مضامین نعت کے جائزے میں سر کھپا رہا ہے... تو وہ نعت کی خدمت میں مصروف ہے، آہستہ آہستہ یہ کوششیں مربوط ہوتی

جائیں گی، راستے متعین ہونے لگیں گے، صورتیں نکھر کر سامنے آجائیں گی اور ہم مرتب انداز میں صحیح سمت کی طرف گامزن ہوجائیں گے۔

نعت کے سلسلے میں کرنے کے قابل کاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ان لوگوں کو بھی سامنے لاتے جائیے، جنھوں نے کبھی اس سلسلے میں کوئی کاوش کی تھی تاکہ ان کا کیا دھرا مستقبل کے مؤرخ کے سامنے ہو۔ اس طرح ان کی شاعرانہ حیثیت کا تعین ہوسکے گا، ان کے ذوق کا تجزیہ کیا جاسکے گا، اس دور میں کہی گئی نعت کے انداز، اسلوب بیان اور موضوعات کے چناؤ کا تجزیہ بھی ممکن ہوگا، اور،... میں سمجھتا ہوں کہ اگر بہت سے لوگ جگہ جگہ بکھری ہوئی، اور بعض حالات میں، چھپی ہوئی نعتیہ کاوشوں کو سامنے لائیں تو حضور رسول اکرم ﷺ کے جتنے نام لیواؤں کا کام تاریخ کی نگاہوں میں آجائے گا، وہ مستقبل میں نعت پر کام کرنے والوں کے لیے بھی معاون ثابت ہوگا اور ہمارے آقا ﷺ کی خوشنودی کا باعث بھی ہوگا۔

بکھرے ہوئے لاتعداد چھوٹے موٹے کاموں میں سے ایک کام اس وقت راقم الحروف کے سامنے ہے، یہ آج سے نصف ہجری پیش تر، ۱۳۶۸ھ میں ہونے والے ایک نعتیہ طرحی مشاعرے میں پڑھے جانے والے کلام پر مشتمل ایک گل دستہ ہے۔ رسالے کا نام ''تحفۂ رضا'' ہے جو ''باہتمام احید الدین پبلشر نظامی پریس، بدایوں'' شائع ہوا۔ یہ مشاعرہ حضرت وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی علیہ الرحمہ کے عرس کی تقریب پر ہوا تھا۔ مصرع طرح تھا:

چور تیرا ترے دامن میں چھپا ملتا ہے

اسے چشتی محمد افتخار ولی خاں پیلی بھیتی، مالک کتب خانہ اہل سنت، پیلی بھیت نے مرتب کیا۔ اصل گل دستہ ممتاز محقق، صحافی، ادیب اور شاعر خواجہ رضی حیدر (ڈپٹی ڈائریکٹر، قائداعظم اکادمی) کے پاس ہے۔ مجھے انھوں نے اس کی عکسی نقل عنایت کی تھی۔

مشاعرے میں پڑھی گئی نعتوں کا انتخاب قارئین ''نعت رنگ'' کی نذر ہے۔

مجید پیلی بھیتی (استاد الشعرا منشی عبدالمجید):

لطف خالق سے جنھیں بخت رسا ملتا ہے
ان کو داغ غم محبوب خدا ﷺ ملتا ہے
غیر کے در سے بتائے کوئی، کیا ملتا ہے
ایک عالم کو تمھارا ہی دیا ملتا ہے

آپ ہیں خضر تو منزل ہمیں دشوار نہیں
ہر قدم راہ میں اک راہنما ملتا ہے
بخشش عام ہے یہ روضے کے نظارے میں
ہر نظر کو سبق صدق و صفا ملتا ہے

مہر پیلی بھیتی (منشی عتیق احمد، سیکریٹری بزم ادب):

(قطعہ)

ان کی الفت سے تجھے ذہن رسا ملتا ہے
نطق کو اذن پئے مدح و ثنا ملتا ہے
ہوشیار اے دل امید طلب کر نہ دریغ
ورد سے نام محمد ﷺ کے، خدا ملتا ہے

☆

کاش تقدیر میں طیبہ کا ہو پیارا منظر
چپہ چپہ جہاں فردوس نما ملتا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ ہے لطف تری چاہ میں کیا
جام دل کیف بکف وقت دعا ملتا ہے
لائی ہے باد صبا روضۂ اقدس سے پیام
شکر ہے، مجھ کو محبت کا صلہ ملتا ہے
ایک جلوے کے طلب گار ہیں ہم بھی آقا ﷺ
آپ سے روز سر عرش خدا ملتا ہے

احمد رحمانی پیلی بھیتی (مولانا احمد بخش):

حسن رنگیں ترا ہر گل میں جدا ملتا ہے
ہر کلی میں ترا انداز حیا ملتا ہے
سائلوں کو ترے در سے نہیں کیا ملتا ہے
دین و دنیا انھیں ملتے ہیں، خدا ملتا ہے

علی بصیری پیلی بھیتی (علی احمد شاہ):

کیا بتاؤں میں علیؔ طیبہ میں کیا ملتا ہے
شان محبوب کی رفعت کا پتا ملتا ہے
تجھ سے شانہ جو کبھی زلف دوتا ملتا ہے
شان والیل کا واللہ مزا ملتا ہے
حشر تو حشر ہے، دنیا میں صلہ ملتا ہے
الفت شاہ حجازی ﷺ سے خدا ملتا ہے
یہ تو مانا کہ ہے خلاق جہاں رزق رساں
آپ کے صدقے میں یا شاہ دنا ﷺ ملتا ہے

رونق پیلی بھیتی (منشی سیّد رونق علی):

جستجو کا در حضرت ﷺ پہ مزا ملتا ہے
یہ وہ منزل ہے جہاں ہم کو خدا ملتا ہے
فکر دنیا ہے انھیں اور نہ فکر عقبیٰ
جذب عشاق نبی ﷺ سب سے جدا ملتا ہے
دھوم ہے ساقیٔ میخانۂ طیبہ ﷺ تیری
مئے وحدت سے ہر اک رند چھکا ملتا ہے
منظر حسن نظارہ تھا سر عرش بریں
پہنچے سرکار ﷺ تو ہر پردہ ہٹا ملتا ہے
منحصر دیر و حرم ہی پہ نہیں اے رونقؔ
ہر جگہ جلوۂ محبوب خدا ﷺ ملتا ہے

اشہر حافظ آبادی:

حکم حضرت ﷺ سے جو کوئی بھی پھرا ملتا ہے
خلد ملتی ہے اسے، اور نہ خدا ملتا ہے
تیری الفت میں مجھے مٹ کے یہ معلوم ہوا
بعد مرنے کے ہی جینے کا مزا ملتا ہے

تیرے کوچے کی ہوا جس کو لگی، اس نے کہا
باغ رضواں سے یہاں لطف سوا ملتا ہے
کوئی نیکی نہ تھی میری سر میدان عمل
لطف رحمت سے مگر پلہ جھکا ملتا ہے
وہ در غیر کا سائل ہو کسی وقت بھی کیوں
آپ کا در جسے ہر وقت کھلا ملتا ہے
تیرے مجرم کو ملی تیری ہی کملی میں پناہ
"چور تیرا ترے دامن میں چھپا ملتا ہے"

محمد عبدالرشید راشدؔ (ریٹائرڈ تحصیل دار):

سبز گنبد میں ہمیں نور خدا ملتا ہے
کوئے طیبہ میں چلیں، اجر صفا ملتا ہے
صبح طیبہ ہے کہ رشک جناں جاں پرور
برگ ہر سبزہ یہاں روح فزا ملتا ہے
خوشبوئے جسم معطر سے خجل ہو ہو کر
باغ میں سینۂ گل چاک شدہ ملتا ہے
فضل رحماں سے پہنچ جاؤ گے راشدؔ طیبہ
نالۂ شب کا تمھیں حسن صلہ ملتا ہے

(شاعر نے اپنی نعت کا فارسی ترجمہ بھی کیا ہے۔ مندرجہ بالا چاروں اشعار کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں):

سبز گنبد کہ دراں نور خدا می یابم
سوئے طیبہ بروم، اجر صفا می یابم
صبح طیبہ بجہاں رشک جناں جاں پرور
ہر پر کاہ دراں روح فزا می یابم
خوشبوئے جسم معطر کہ ازاں گشتہ خجل
در چمن سینۂ گل چاک شدہ می یابم

راشد خستہ رسم طیبہ ز فضل رحماں
نالۂ شب بکنم، حسن صلہ می یابم

محمودؔ پیلی بھیتی (مرزا محمود حسن بیگ):

یہ محبت کا مری آج صلہ ملتا ہے
جلوۂ احمد ﷺ کا نگاہوں میں بسا ملتا ہے
صدق دل سے کوئی حاضر ہو زیارت کے لیے
پردۂ باب حرم ان کا اُٹھا ملتا ہے
ذکر محبوب خدا ﷺ ہے کہ نسیم گلشن
غنچۂ دل مرا واللہ کھلا ملتا ہے
حسن نظارہ یہ ممکن ہے تصور کے طفیل
ان کا روضہ مری آنکھوں سے لگا ملتا ہے
دیکھ کر پیاس بجھالیتے ہیں دل کی محمودؔ
آنے والا کوئی طیبہ سے جو آ ملتا ہے

چشتیؔ افتخار ولی خاں قادری رضوی (مرتب):

ارض طیبہ کو یہ بخشی ہے فضیلت حق نے
شامیانہ وہاں رحمت کا تنا ملتا ہے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں محشر میں فرشتے لیکن
''چور تیرا ترے دامن میں چھپا ملتا ہے''

دلؔ پیلی بھیتی (منشی حسنین احمد خاں):

یہ غلط ہے کہ بغیر ان کی رضا ملتا ہے
جو بھی ملتا ہے ہمیں، ان کا دیا ملتا ہے
گریۂ عشق کا آخر یہ صلہ ملتا ہے
ایک ایوان در بیش بہا ملتا ہے
کیوں ہے مغموم ثنا خوان نبی ﷺ محشر میں
باب رحمت کا ہر اک وقت کھلا ملتا ہے

نہیں محتاج زمانہ کبھی سائل ان کا
اس کے اندازے سے بھی اس کو سوا ملتا ہے
آپ ہیں سیر سماوات میں معراج کی رات
ہر ملک صل علیٰ پڑھتا ہوا ملتا ہے
دلؔ کو بے دیکھے ہی ہوتا ہے یقین جنت
دشت طیبہ کی فضاؤں سے پتا ملتا ہے
موت آتی ہے جسے ہجر نبی ﷺ میں اے دلؔ
بزم ہستی سے اسے جام بقا ملتا ہے

نشاطؔ پیلی بھیتی (منشی فرحت اللہ خاں):

یاد سرکار ﷺ میں کیا کہیے کہ کیا ملتا ہے
دل کو تسکین سی ملتی ہے، مزا ملتا ہے
وائے تقدیر کہ قسمت سے کبھی خواب میں بھی
دیکھنے کو نہ کبھی نور خدا ملتا ہے
قدسیوں میں شب معراج یہی چرچا تھا
اپنے محبوب ﷺ سے بے پردہ خدا ملتا ہے
آج تک کوئی بھی ناکام پھرا ہے، نہ پھرے
بے طلب آپ کی چوکھٹ سے سدا ملتا ہے

سردارؔ پیلی بھیتی (منشی سردار ولی):

ڈھونڈ اللہ کو نور شہ کونین ﷺ میں ڈھونڈ
جس کو ملتا ہے نبی ﷺ اس کو خدا ملتا ہے
مجھ کو گلزار مدینہ ہی بہت ہے رضواں
کوچۂ دوست میں جنت کا مزا ملتا ہے
ایسی قسمت ہے گنہگار کی مولا تیرے
''چور تیرا ترے دامن میں چھپا ملتا ہے''

شیشۂ دل میں ہے سرکار ﷺ کی صورت سردآر
مجھ کو دیدار کا گھر بیٹھے مزا ملتا ہے

عرشؔ پیلی بھیتی (منشی علی حسین):

دل ہے مخمور تو آنکھیں ہیں ثناخوان نبی ﷺ
ان کی محفل میں یہ انعام سدا ملتا ہے
فرش آنکھوں کا بچھاتے ہیں فرشتے سرراہ
جب انھیں آپ ﷺ کی آمد کا پتا ملتا ہے
کیوں نہ مٹ جاؤں گا میں نقش قدم پر ان کے
جن کی الفت میں فنا ہو کے خدا ملتا ہے

شررؔ پیلی بھیتی (منشی ریاض اللہ):

کیا کہیں ہم، تری سرکار سے کیا ملتا ہے
مانگنے والے کی خواہش سے سوا ملتا ہے
ہنس کے فرماتے ہیں امداد وہیں آپ اس کی
کوئی بے کس جو گرفتار بلا ملتا ہے

اسرارؔ پیلی بھیتی (منشی اسرار احمد):

ہر فضا خلد بداماں ہے ہمیں اے رضواں
باغ فردوس کا طیبہ میں مزا ملتا ہے

صباؔ پیلی بھیتی (منشی اچھن خاں):

حب احمد ﷺ کا مزا بعد فنا ملتا ہے
ان کی الفت کا قیامت میں صلہ ملتا ہے
عرصۂ حشر میں بھی سوئے کرم ہیں نظریں
جو گنہگار ہے، وہ زیر لوا ملتا ہے
منزل طور ہے موسیٰ علیہ السلام کی مسافت کے لیے
عرش پر حق سے وہ محبوب خدا ﷺ ملتا ہے

صوفی پیلی بھیتی (منشی عبدالمجید):

واسطہ دے کے محمد ﷺ کا جو مانگو صوفی
میرا ایماں ہے، بہنگام دعا ملتا ہے

ادیبؔ پیلی بھیتی (منشی عبدالحمید):

ایک دو روز نہیں، ماہ نہیں، سال نہیں
سارے عالم کو ترے در سے سدا ملتا ہے
تیری سرکار کا ہے سب سے انوکھا قانون
"چور تیرا ترے دامن میں چھپا ملتا ہے"

وحیدؔ پیلی بھیتی (حاجی عبدالوحید):

عشق احمد ﷺ میں بتائیں ہمیں، کیا ملتا ہے
درد ملتا ہے، محبت کا مزا ملتا ہے
ڈھونڈنے والے سپاہی ہیں تحیر میں کھڑے
"چور تیرا ترے دامن میں چھپا ملتا ہے"
عشق سرکار مدینہ ﷺ میں فنا ہو اے دل
قطرہ وہ بحر ہے جو بحر سے جا ملتا ہے

صابرؔ پیلی بھیتی (محمد صابر):

اس کو پھر چین کہاں آئے بنا ملتا ہے
جس کو پیغام ترا شاہ دنا ﷺ ملتا ہے
مجھ کو دیکھا در جنت پہ تو رضواں نے کہا
عشق حضرت ﷺ کا تمھیں آج صلہ ملتا ہے
اللہ اللہ! یہ سخاوت کہ جو مانگے تجھ سے
دامن فطرت سے بھی اس کو سوا ملتا ہے

گلدستے میں اشہرؔ حافظ آبادی کا یہ حمدیہ قطعہ بھی شامل ہے:

کور باطن کو کہاں تیرا پتا ملتا ہے
ورنہ ہر شے سے پتا تیرا خدا ملتا ہے

چشم دل وا ہو تو دیکھے یہ حقیقت اشہر
پتے پتے سے ہی صانع کا پتا ملتا ہے

رونق پیلی بھیتی یہ قطعہ بھی شامل گلدستہ ہے، جو طرح میں نہیں ہے:

مری چشم تصور نور افزا آبگینہ ہے
مرا دل تاج محراب حرم کا اک نگینہ ہے
ملا ہے یہ شرف مجھ کو کمال عشق آقا ﷺ سے
نظر کے سامنے رونق مدینہ ہی مدینہ ہے

آخر دو صفحات پر مثنوی کی صورت میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ''غیر مطبوعہ مناجات'' ہے جو ساٹھ اشعار پر مشتمل ہے، اور ان کے مطبوعہ مجموعۂ کلام کے حوالے سے شاید اب تک ''غیر مطبوعہ'' ہی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یاد سے تیری سدا غافل رہا
اور اپنا حال کب مجھ پہ کھلا
آئے جب دن یاں سے چلنے کے قریب
ہاتھ خالی میں چلا، وائے نصیب
ہاتھ سے جاتا رہا وقت عزیز
نیک و بد کی کچھ نہ کی میں نے تمیز
کچھ نہ سوچا، ہائے میں انجام کار
لے چلا عصیاں کا اپنے سر پہ بار
بوجھ یہ سر پر لیے جاتا ہوں میں
اپنی ناکاری سے شرماتا ہوں میں
کس طرح یہ منھ تجھے دکھلاؤں گا
کون کون اپنی خطا بخشاؤں گا
ایک دو ہوں تو کروں ان کا حساب
ہائے کس کس بات کا دوں گا جواب

پروفیسر حفیظ تائب (لاہور)

گھلتے لہجوں کی سوغات "تشبیب"

اردو نعتیہ قصیدے کے اس انتہائی عروج کے زمانے خالد احمد کے امتیاز پزیرائی کی جو وجوہات سمجھ میں آتی ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

۱۔ اس کی لے مستانہ اور فقیرانہ ہے، جو پنجابی شاعری سے گہری وابستگی کی دین لگتی ہے۔

۲۔ اس کی جداگانہ لفظیات وصوتیات سے موسیقی پھوٹی پڑتی ہے۔

۳۔ عربی قصیدے کے تمام تر ذائقے اس نے تشبیب میں بہ کمال ندرت استعمال کیے ہیں۔

۴۔ سیرت اطہر میں گہرے تفکر کی بہ دولت وہ دور رسالت کی متحرک تصویریں سامنے لانے میں بہت کامیاب ہوا ہے۔

۵۔ اسے عصری شعور اور فکری حضور نے مقام شناسی عطا کی ہے۔

۶۔ اسے وہ سوز و گداز عطا ہوا جس کے زیر اثر وہ قصیدے لکھتے ہوئے خود پگھل پگھل گیا ہے۔

۷۔ اسے وہ سپردگی نصیب ہوئی، جس نے اس سے کہلوایا ہے:

میں تو آپ کی پتلی ہوں
میری ڈور ہے آپ کے ہاتھ

۸۔ اس پہ یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ عظمت رسالت کے بیان میں کوئی مبالغہ، مبالغہ رہتا ہی نہیں کہ ہر رفعت ان کے قدموں کے نیچے ہے۔ حدود الوہیت کی پاسداری البتہ ضروری ہے کہ جس نے خالد احمد سے یہ کہلوایا ہے:

مدح کو حمد نہ کر
آگ میں ہاتھ نہ ڈال

۹۔ اس نے قصیدوں میں جو بحور استعمال کی ہیں وہ غالباً کسی زبان میں استعمال نہیں ہوئیں۔

مجھے یقین ہے کہ اس نے سب مراحل ممدوح کریم ﷺ کی خاص توجہات سے طے کیے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ زور جذبات سے مغلوب ہو کر لب کشا ہوتا ہے، چند بول ہکلاتے ہوئے ادا کرتا ہے، پھر اپنا سر آقائے نامدار ﷺ کے قدموں میں ڈال دیتا ہے اور سسکیوں کے ساتھ ''آقا اے آقا'' پکارنے لگتا ہے۔ اس کی جھکی ہوئی نظریں سبھی کچھ بیان کرتی جاتی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے حروف میں ڈھلتے ہوئے جذبات حضور علیہ السلام کی نگاہ التفات کے بغیر بے وقعت ہیں۔ اسی لیے دیباچہ ہی میں اپنے معروضات پیش کرتے ہوئے اپنی طلب کو ''ایک نظر۔۔لا اتمام'' پر سمیٹتا ہے اور اپنی کتاب کے بارے میں کہتا ہے:

یہ تشبیب یہ پیغام
حرف نیاز حرف سلام
لا ملفوف نامۂ عام

پہلے قصیدے ''اٹھان'' کی تشبیب بہاریہ ہے اور بجائے خود مدح بھی۔ مدح کے بعد بیان عجز ہے اور اس کے بعد پھر مدح چلتی ہے۔ اس قصیدے میں وہ اپنے ''ماہ دوام'' کا سراپا شاعر بہ رنگ غزل بیان کرتا ہے، جو اختصار و جامعیت کا شاہکار ہے۔ کمالات رسالت کی توسیع کے طور پر صحابۂ کرام کے تذکار جمیل کے بعد شہدائے کربلا کا اندوہ گیں ذکر آتا ہے، جن کے صبر و ثبات کے حوالے سے پھر مدح رسولؐ آگے بڑھتی ہے۔ اس قصیدے کا خاتمہ ان اشعار پر ہوتا ہے:

میرا ہاتھ پکڑ اے دست احسان
تیری چھاؤں رہے مجھ پر دھوپ سمان

مدح کے کچھ تیور:

اے بحر برہان تکوین امکان
اے تجسیم النور اے عین عیان
اے راز ابجد قفل زماں و مکاں
اے ازلوں کے نور اے انتوں کی جاں
تیرے ہاتھ میں ہے وہ چوکور کمان
جس کی قوسوں میں جھولیں آٹھ جہان

ساتوں یوم ترے کن فیکوں سامان
تیرے نور سے ہیں روشن سات زمان

دوسرے قصیدے کے عنوان ''رودنبرات'' ہے اور اس کی تشبیب صحرا کی برسات کا منظر سامنے لاتی ہے اور یوں عظیم نعت نگار حضرت محسن کاکورویؒ کے لامیہ قصیدے کی تشبیب سے بالکل الگ نظر آتی ہے، جس میں ہندوستانی برسات کی منظر کشی کی گئی ہے۔ خالد احمد کی تشبیب اس قدر نادر اور شوق افزا ہے کہ اس کی مثال ڈھونڈنا کار بے کار ہے۔ اس قصیدے کی مدح کا آغاز حضرت رسالت مآب ﷺ کی ولادت و رضاعت کے ذکر جمیل سے شروع ہوتا جس کو اس طرح سمیٹا گیا ہے:

اے آغوش رضاعت سن
یہ ہیں دریائے حسنات
اے آغوش امومت سن
یہ ہیں دریائے برکات

پھر مدح کا آغاز ہوتا ہے اور اس میں خصائص نبی آخر الزماں ﷺ کو جس حسن و جامعیت سے بیان کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ چند اشعار مدح:

آپ ہیں وجہ موجودات کاف کن ہے آپ کی ذات
آپ رضائے الہی ہیں آپ ہیں محور تشکیلات
آپ محیط ہفت زمان آپ ہیں مرکز ہفت جہات
آپ امام ہیں نبیوں کے آپ کے ہاتھ میں سب کا ہاتھ
آپ خدا سے دور نہیں آپ ہیں عرش کے دائیں ہاتھ
آپ کا ہمسر کوئی نہیں اور نہیں یہ فخر کی بات

آخری شعر اس حدیث مبارک سے استفادہ پر مبنی ہے جس میں سرور کونین ﷺ نے اپنے فضائل و خصائص خود بیان فرماتے ہوئے اعزاز کے اظہار کے بعد ''ولا فخر'' فرمایا ہے۔ رسالت کی عظمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شاعر کا دھیان یہاں بھی اپنی بے بضاعتی کی طرف چلا جاتا ہے:

مدح تکوین غایات میری بساط مری اوقات

تحریریں ہکلاتی ہیں کرنہیں پاتا ٹھیک سے بات

پھر بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض گزار ہوتا ہے:

آپ کے ہاتھ کا کنکر ہوں مجھ کو عطا ہوں وہ آیات
جن کی سند ٹھہریں آقاؐ چار کتابوں کے صفحات

گویا وہ کتب سماوی کی رہنمائی میں مدحت کرنے کا آرزومند ہے، اس قصیدے کے ذریعے عہد رسالت کی ایسی ایسی تصویریں سامنے آئی ہیں کہ بے اختیارانہ درود پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ قصیدے میں حمد بھی ہے سلام بھی۔ نبوت کے اتمام کے تذکرے کے ساتھ امامت کا اثبات بھی ہے اور آخر میں اپنے وطن، آبا و اجداد، اہل خانہ اور احباب کے لیے دعائیں ہیں، جو خالد احمد کو ایک سچے پاکستانی، سعادت مند فرزند، ہمدرد شوہر، شفیق بات اور مخلص دوست کی حیثیت سے سامنے لاتی ہیں۔ موضوعات کے تنوع، کینوس کی وسعت اور اظہار کی جمالی لے کی بدولت قصیدہ اتنا جاندار اور شاندار ہوگیا ہے کہ بوصیریؒ و شوقیؒ کی روحیں کتنی مسرور ہوئی ہوں گی۔

تیسرے قصیدے کا سرنامہ ''بادنوال'' ہے، جو قدرے مختصر ہے، مگر انتہائی جامع و دل نشیں، غزل اس قصیدے میں موجود ہے کہ خالد احمد نعتیہ قصیدے میں غزل لکھ کر والہانہ اظہار کے تمام تر امکانات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اس قصیدے میں سیرت اطہر کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے، جو انسانیت کی ابد الآباد تک رہنمائی کرتے رہیں گے۔ اسی لیے نبوت محمدی ﷺ کی شان اکمال پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ یوں اختتام تک پہنچتا ہے:

اے ابلاغ کمال اے کشاف جمال
مورد ابر درود آپؐ اور آپؐ کی آل
اے لولاک لما مصدر اکمال
اے میرے آقاؐ اے میرے لج پال
ایک نظر آقاؐ ایک سخن کا روال

کتاب کی ابتدا سے آخر تک، خالد احمد، کچھ اور، کچھ اور، مانگتا نظر آتا ہے، خدائے صوت وصدا اس کی طلب کو تر و تازہ رکھے کہ یہی طلب ہی سب کچھ ہے۔

''تشبیب'' کی پہلی سطر (پرنٹ لائن) یوں ہے ''بحق ختم الرسل ﷺ'' اور کتاب کا خاتمہ اس شعر پہ ہوتا ہے:

خالد احمد تریٔ نسبت سے ہے خالد احمد
تو نے پاتال کی قسمت میں بھی رفعت لکھی

اللہ اللہ کیا آغاز سوجھا اور کیسا انجام ہوا ہے ''تشبیب'' کا، لیکن خالد احمد کو ابھی اصل مدح تو آغاز کرنا ہے اور غالباً یہ کام وہ کسی حد تک اپنے تازہ قصیدے ''پہلی پو پہلی پروائی'' میں کر چکا ہے۔

☆

حاصل مطالعہ

تبصرہ نگار: عزیز احسن، عثمان غنی عادل

ضیائے ہفت درخشاں / سلیم اختر فارانی

نعت نگاری میں عقیدت کے اظہار کا رچاؤ اور جذبے کی کہکشاں کا سبھاؤ اپنی جگہ، لیکن شاعرانہ بصیرت اور ادبی شعور کی شمولیت سے شعر میں جو جوہر پیدا ہوتا ہے اسے صاحبان ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔ سلیم اختر فارانی کی نعتیں پڑھ کر پہلا تاثر یہی قائم ہوا کہ ان کی نعت محض جذبۂ عقیدت کا اظہار نہیں ہے بلکہ وہ شاعری کے عصری رجحانات اور لہجوں کی تازگی سے بھی آگاہ ہیں۔ ساتھ ہی وہ نعت کے مافیہ یا Content کے معاملے میں بھی بڑے ادب آگاہ اور متن کی استنادی شان برقرار رکھنے کے خواہش مند بھی نظر آتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے عین الیقیں دیا
جاگا شعور، وہم و گماں دُور ہوگیا
باطل نے ہر محاذ پہ کھائی ہے وہ شکست
شیطان سر جھکانے پہ مجبور ہوگیا

مہکتے ہیں مرے انفاس جب لیتا ہوں نام ان ﷺ کا
حیات چند روزہ یاد میں ان ﷺ کی گزاری ہے... سفر خوش بو کا جاری ہے

ان اشعار سے سلیم اختر فارانی کے شعری مزاج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب پر رائے دینے والوں میں حفیظ تائب، ڈاکٹر عرش صدیقی، ڈاکٹر ریاض مجید، حسین سحر، پروفیسر محمد اکرم رضا، سجاد مرزا اور محمد اقبال نجمی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ یہ مجلد،

۱۶۰ صفحات پر مشتمل کتاب ''فروغ ادب اکادمی'' ۸۸۔ بی، سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ کے پتے سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

گلشن صلِ علیٰ / عظمت اللہ خان

پروفیسر عظمت اللہ خان کا پہلا نعتیہ مجموعہ ''گلشن صل علیٰ'' پیش نظر ہے۔ اس مجموعے کی شاعری میں لہجے اور لفظیاتی بنت سے کچھ تازہ کاری کا شعوری عمل ظاہر ہوتا ہے۔ شکر کہ تازہ کاری کا یہ عمل روایت آگاہی کی اساس پر قائم ہے۔ راقم الحروف تازہ کاری اور جدت پسندی کو نعتیہ شاعری کی صنف ادب کے طور پر تسلیم کروانے کے لیے ناگزیر سمجھتا ہے، اسی لیے اس مجموعے میں ہونے والے اجتہاد کو خوش آمدید کہتا ہے۔ مجھے درج ذیل اشعار پسند آئے:

پھول، باد صبا آپ ﷺ کا تذکرہ
خوشنما باغ سا آپ ﷺ کا تذکرہ
چین آجائے گا، راحتیں پاؤ گے
کر کے دیکھو ذرا آپ ﷺ کا تذکرہ
غم کا کیا تذکرہ، رنج کا کیا گزر
درد کافور ہیں، نعتیہ وقت ہے

☆

نبی ﷺ کے ساتھ ہوں گے روز محشر
جو راہ عشق میں کام آگئے ہیں
مسائل کا بہت آسان ہے حل
کھلاؤ دل میں حب شہ ﷺ کی کونپل

☆

درد مٹ جائے گا، داغ دھل جائے گا، زخم سل جائے گا
مان میرا کہا، نعت سن، نعت پڑھ، نعت لکھ، نعت کہہ

عظمت اللہ خان کی بیش تر شاعری میں یہی تازگیٔ فن جھلکتی ہے، اگر وہ اس صنف شریف سے منسلک رہے اور شعری محاسن اور لہجے کی ملاحت کا خیال رکھا تو ان کا نام اس صنف کے حوالے سے ان شاء اللہ ضرور معتبر ٹھہرے گا۔ ''تجھ پہ عظمت وہ نوری نظر ہوگئی'' کے عنوان سے ریاض احمد قادری صاحب نے تقریظ لکھی ہے۔ ۱۴۴ صفحات کی کتاب، مجلد شائع کی گئی ہے۔ ٹائٹل سادہ لیکن دل کش ہے۔ قیمت ۱۲۰ روپے ہے۔ کاش کتابت یا کمپوزنگ کی نفاست کا بھی اتنا ہی خیال رکھا جاتا۔ ملنے کا پتا ہے: سدرہ پبلی کیشنز، ۱۶۰۔ اے۔ غلام محمد آباد، فیصل آباد۔

(عزیز احسن)

زبورِ حرم / اقبال عظیم

اقبال عظیم مرحوم کی کلیاتِ نعت ''زبورِ حرم'' کے نام سے، حضرت حسانؓ نعت کونسل۔ پاکستان ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہے۔ اس طرح اقبال عظیم کا مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام اس کلیات میں محفوظ ہوگیا ہے۔ حضرت حسانؓ نعت کونسل کے اربابِ حل و عقد اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کونسل کا یہ اقدام نہ صرف لائقِ ستائش ہے بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔ نعت کے فروغ کے لیے قائم کی گئی دیگر بزموں کو بھی اشاعتی پروگراموں کے لیے اسی طرح آگے بڑھنا چاہیے۔

اقبال عظیم مرحوم کی نعت میں جذبے کا رچاؤ اور کلاسیکی شعری روایت کا عکس بھرپور طریقے سے منعکس ہے۔ مرحوم کی بصارت کھوجانے کے سانحے نے جب انھیں کرب آشنا کیا تو اس کرب کا مداوا انھیں نعت کے تخلیقی انہماک میں نظر آیا اور پھر اس وادی میں آکر انھوں نے روحانی سکون پایا۔ مرحوم کی نعت گوئی چوں کہ عمر کے طویل ماہ و سال گزرنے کے بعد شروع ہوئی تھی اس لیے وہ اس میدان میں کوئی نیا تخلیقی تجربہ تو نہیں کرسکے لیکن روایتی نعت کے فروغ اور نعت خوانی کی محفلوں میں پڑھنے کے لیے انھوں نے تخلیقِ نعت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس حوالے سے مرحوم کے بہت سے اشعار زبان زدِ عوام ہوگئے۔ مرحوم اردو کے پروفیسر تھے

اس لیے کبھی کبھی ایسے الفاظ بھی استعمال کرتے تھے جن کے معانی عوام کے حافظے میں، وہ نہیں ہوتے تھے جو اقبال عظیم شعر میں باندھتے تھے، اس وقت ان کے اندر اردو کا پروفیسر جاگ اٹھتا تھا اور وہ اس لفظ کے معنی بھی بتادیتے تھے۔ مثلاً ایک محفل میں انھوں نے ایک شعر پڑھا تو غالباً کسی کی سرگوشی سن کر فرمایا... ظلم (ظ پر پیش، ل پر زبر، م ساکن) ظلمت (اندھیرا) کی جمع ہے۔ شعر یہ تھا:

لے کر چراغ ہاتھ میں عشق رسول ﷺ کا
مردانہ وار گزرے ہیں راہ ظلم سے ہم

مرحوم کے کلام کا نمونہ پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ کتاب مجلد ہے، ٹائٹل خوب صورت ہے، کاغذ اعلیٰ ہے، ۲۹۶ صفحات کی کتاب کا ہدیہ دعائے خیر ہے۔ کتاب کے حصول کے لیے حضرت حسانؓ نعت کونسل۔ پاکستان ٹرسٹ، ۱/۷ سیکٹر ای۔۵، نارتھ کراچی۔ سے رابطہ کیجیے۔

(عزیز احسن)

کشکول ہلال / ہلال جعفری

ہلال جعفری نعت گوئی کا طویل تجربہ رکھتے ہیں اور خوشا نصیب کہ اسی حوالے سے دنیائے ادب میں پہچانے جاتے ہیں۔ تضمین نگاری ایک مشکل فن ہے اور تخلیقی حوالے سے دوسرے درجے کا کام ہے، کیوں کہ اوّل درجے کی تخلیق ہمیشہ طبع زاد ہوتی ہے۔ لیکن یہی دوسرے درجے کا تخلیقی کام بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دیتا ہے، کیوں کہ جس شاعر کے کلام کی تضمین کی جاتی ہے، تضمین نگار کو اس کے تخلیقی تجربے کو پہلے اپنے تخلیقی مزاج سے ہم آہنگ کرنا پڑتا ہے، پھر اصل شاعر کے ہر شعر پر کم از کم تین مصرعے ایسے بہم پہنچانے ہوتے ہیں، جو تضمین نگار کے مصرعوں سے پیوستہ ہوکر من و تو کا احساس دور کردیں اور معنوی سطح پر ایک نئی دنیا وجود میں آسکے۔ ہلال جعفری نے یہ کوشش کی ہے کہ لگ بھگ ایک سو پانچ شعرا کے کلام پر بالالتزام تضمینیں کہی ہیں اور بیش تر ان کی کاوش کامیابی سے ہم کنار ہوئی ہے۔ تضمین کے اس عمل سے جعفری صاحب نے اپنی مشق سخن اور قادر الکلامی کے جوہر کو تسلیم کروا لیا ہے۔ اب

ذرا تضمین کا اسلوب ملاحظہ ہو:

طیبہ کی وادیوں کے در و بام چوم کے
واللیل کی اداؤں سے دامن بھرے ہوئے
والفجر کی متاع ضیا دوش پر لیے
ہر روز رونمائی آقا ﷺ کے واسطے!
ہر صبح لے کے آتی ہے پھول آفتاب کا
(تضمین بر نعت مذاق العیشی)

پوری تضمین تخلیق مکرر کا احساس دلاتی ہے۔ مزید کلام پیش کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ کتاب میں بعض مقامات پر پیوندکاری کے عمل میں کچھ کمی بھی محسوس ہوتی ہے، تاہم مجموعی تاثر اچھا ہے۔ صابر براری اور شمیم صبا متھراوی نے قطعات تاریخ کہے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی، قمر رعینی، نور احمد میرٹھی، علامہ پیر سید نصیر الدین گولڑہ شریف، بشیر حسین ناظم اور سیّد ناصر زیدی نے تقریظیں لکھی ہیں اور فلیپ جناب حفیظ تائب نے لکھا ہے۔ کتاب کی طباعت، ٹائٹل، جلد اور کاغذ سب کچھ معیاری ہے۔ ۳۲۰ صفحات کی کتاب کی قیمت ۲۰۰ روپے بھی مناسب لگتی ہے۔ کتاب کے حصول کے لیے ڈاکٹر ہلال جعفری سے، مکان نمبر ۱۲۷، گلی نمبر ۹، شہزاد ٹاؤن۔ اسلام آباد، کے پتے پر رابطہ کیجیے۔

(عزیز احسن)

نقش اوّلیں / زاہد فتح پوری

حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک نقاش ازل کے بنائے ہوئے تمام نقوش سے پہلا نقش ہے اس لیے آپ کا وجود پاک کائنات کا نقش نخستیں یا نقش اولیں ہے۔ زاہد فتح پوری نے اپنے نعتیہ مجموعے کو اسی لیے نقش اوّلیں کا نام دیا ہے:

نقش اولیں کہیے، ختم مرسلیں کہیے
ابتدا محمد ﷺ ہیں انتہا محمد ﷺ ہیں

اس ایک شعر سے شاعر کا کلاسیکی مزاج سے ہم آہنگ ہونا اور مشق و ریاضت کی راہ

سے قادرالکلامی کی منزلوں کو چھو لینا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے شاعر کا یہ دعویٰ بلا دلیل اور تعلّی آمیز نہیں لگتا:

فکر و بیاں پہ جب پڑا عکس جمال مصطفیٰ ﷺ
اور بھی کچھ حسین تر رنگ کلام ہوگیا

یہ بات بھی بڑی اطمینان بخش ہے کہ شاعر نے صاحب کتاب ہونے میں کسی عجلت سے کام نہیں لیا اور اس وقت کتاب شائع کی جب ان کی شاعری ان کی عمر کی طرح پختہ ہوگئی۔ زاہد فتح پوری کی نعتیہ شاعری ان کی غزل گوئی کی توسیع لگتی ہے کیوں کہ یہاں بھی ایک رچا ہوا تغزل محسوس ہوتا ہے:

ایک زخم محبت مرے دل میں ہے کہ جس کا
جز چشم کرم کوئی مداوا ہی نہیں ہے

ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم اور افتخار عارف کی آرا کتاب کی زینت ہیں۔ کاغذ دبیز، کتاب نفیس اور طباعت باسلیقہ ہے۔ ٹائٹل جاذب نظر اور جلد مضبوط ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے لیکن ملنے کا پتہ لکھا ہوا ہے... مکتبہ آل شفق، ۶۔ ایل ایس، بلاک ۱۷، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔

(عزیز احسن)

انوار عقیدت / شہزاد احمد

انوار عقیدت کے عنوان سے ماہنامہ ''حمد و نعت'' کے ایڈیٹر شہزاد احمد نے ''مشہور و معروف، مقبول عام نعتیہ کلام کا دلکش انتخاب'' (سرورق پر درج عبارت ہے) کردیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرتب کے نزدیک وہی کلام دل کش ہے جو عوام میں مشہور و معروف اور مقبول ہو جائے۔ اس معیار دل کشی میں فنی معیارات اور ادبی حسن کی کمی محسوس ہو تو اس میں مرتب کو دوش نہیں دیا جاسکتا۔ دنیائے نعت میں بہت سے نعتیہ انتخاب منصۂ شہود پر آئے ہیں جن میں بعض بڑے معیاری ہیں مثلاً شفیق بریلوی کا ''ارمغان نعت'' اور راجا رشید محمود کا ''نعت کائنات۔'' جناب عبدالغفور قمر نے تو ۱۳ ضخیم جلدوں پر مشتمل انتخاب کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب

چوں کہ عوامی پسند کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے اس لیے اس کتاب کو ادبی لحاظ سے منفرد نہیں کہا جاسکتا۔۲۷۲ صفحات کی یہ کتاب پیپر بیک شکل میں شائع کی گئی ہے اور ۲۴۔ نوشین سینٹر، دوسری منزل، اردو بازار، کراچی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

(عزیز احسن)

سرود نعت / ع س مسلم

سرود نعت کے زیرِ عنوان جناب ع س مسلم نے نعتیہ شاعری کے حوالے سے چند مضامین اور مکالمات کو یک جا کر دیا ہے۔ کسی نعت گو شاعر کی طرف سے اس موضوع کے مختلف ابعاد پر خصوصی توجہ مبذول کرنے کی یہ پہلی کوشش ہے جس میں شاعر نے اپنی شاعری کے لیے فکری اساس بھی فراہم کر دی ہے اور اس مقدس صنف سخن کی نزاکتوں کا احساس بھی دلایا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس میں کسی نعت گو نے پہلی بار اپنے تخلیقی تجربات کو تنقیدی نکتۂ نظر سے پرکھنے کی سعی کی ہے۔ اسی ضمن میں شاعر نے نعتیہ شاعری میں بارپانے والے جذبات کی سچائی کے معیار کو بھی متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔۱۷۴ صفحات پر مشتمل یہ مجلد کتاب، الحمد پبلی کیشنز، رانا چیمبرز (چوک انارکلی) لنک روڈ۔لاہور، سے ۱۰۰ روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

(عزیز احسن)

حمد و نعت / سہیل غازی پوری

سہیل غازی پوری کا نام شاعری کی دنیا میں نیا نہیں ہے۔ ''حمد و نعت'' مذہبی شاعری کے سلسلے کی دوسری اور عمومی شاعری کے حوالے سے ان کی آٹھویں کتاب ہے۔ کتاب پر رائے دیتے ہوئے بزرگ شاعر جناب حنیف اسعدی نے اس بات کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے کہ شاعر مشکل ردیفوں اور سنگلاخ زمینوں کی امتحان گاہوں (طرحی مشاعروں) میں بیٹھ کر اپنی خوش بیانی اور سادہ روش برقرار نہیں رکھ سکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''جہاں تک میری

معلومات کا تعلق ہے سہیل غازی پوری سادہ، رواں اور سلیس تخلیق کے حق میں ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بیش تر کلام طرحی مشاعروں کی پابندیوں سے مجبور ہو کر لکھا گیا ہے۔'' حنیف اسعدی صاحب کی یہ رائے سند کا حکم رکھتی ہے۔ ایک شعر جو حنیف اسعدی صاحب کو بھی پسند آیا اور میرے دل میں بھی ترازو ہو گیا، آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

یارب ترے محبوب کے دربار عطا سے
ملتی رہے خیرات کھنکتے رہیں کاسے

۱۷۶ صفحات کی یہ کتاب سادہ مگر دل کش ٹائٹل کے ساتھ مجلد چھپی ہے اور شعری دائرہ، ۹/۱۰۵۵۔آر، دستگیر سوسائٹی، فیڈرل بی ایریا، کراچی (پوسٹ کوڈ ۷۵۹۵۰) سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

(عزیز احسن)

ازل تا ابد/ نگار فاروقی

نگار فاروقی کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ازل تا ابد ان کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔ اس شاعری میں روایت کا پاس بھی ہے اور جدت طرازی کی کاوش کا عکس بھی مثلاً:

گھلی ہے سانسوں میں جب عشق مصطفیٰ ﷺ کی مہک
نسیم صبح نے ہر پھول پر لکھا ہے مجھے

محسن اعظم محسن ملیح آبادی کی رائے ہے ''جناب نگار فاروقی نے سلیس و شگفتہ زبان میں شعر کہے ہیں۔ ان کی نعتیں صوری و معنوی اعتبار سے پرکشش ہیں۔ ان کے اکثر اشعار نہایت فکر انگیز بھی ہیں۔ ان کی نعتیں عام روایتی سطح سے بلند ہیں۔'' اور یہ رائے کسی بھی شعری مجموعے کے معیار کی نشان دہی کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ جناب اقبال عالم فرماتے ہیں، ''پیرایۂ بیان اتنا دل کش ہے کہ شعر دل میں اتر جاتا ہے۔ چھوٹی اور بڑی بحروں میں انھوں نے کامیابی کے ساتھ ذکر رب العالمین اور ذکر خاتم انبیا کے دریچے کھولے ہیں جس سے قاری کے دل پر خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔'' مجموعۂ کلام پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے

ان نقادانِ فن کی آرا سے اتفاق کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ ایک شعر اور ملاحظہ ہو:

انسان کو شعور دیا اپنی ذات کا
انسانیت کو ڈھال دیا آفتاب میں

کتاب مجلد ہے، گرد پوش پر ٹائٹل بھی حسین ہے۔ سراج الدین سراج نے فلیپ لکھا ہے۔ قیمت ۱۵۰/ روپے ہے۔ ملنے کا پتا: نگار فاروقی، مکان نمبر ۲۵۳۔ اے اے، پاپوش نگر، ناظم آباد، کراچی۔

(عزیز احسن)

ثنائے آقا ﷺ / عبدالجبار اثر

عبدالجبار اثر صاحب کا نعتیہ کلام پیش نظر ہے جسے انھوں نے مجموعۂ غزل پر اس لیے اشاعتی اوّلیت دی ہے کہ وہ زادِ آخرت کے طور پر اس شاعری کو محفوظ کر سکیں۔ اس مجموعے کی بیش تر شاعری بہ قول شاعر، طرحی مشاعروں میں شرکت کرنے کی غرض سے کی گئی تھی جسے اب کتابی صورت دے دی گئی ہے۔ نعتیہ طرحی مشاعرے بھی بیش تر حصولِ ثواب کے لیے منعقد ہوتے ہیں اس لیے اس شاعری کو نقادانِ فن اور ہنر شناسانِ عہد تبرک کے طور پر قبول کر لیتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کی اشاعت سے ذرا فضا بدلی تو ہے لیکن دنیائے نعت میں ادبی شعور اور شعری ہنر کی عکاسی عام ہونے کی منزل تا حال دور ہے۔ عبدالجبار اثر صاحب کی شاعری سے روایت آگاہی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن شعری بنت میں ہنرمندی کم کم ہے۔ گویا یہ شاعری جذبے کے اظہار کی شاعری ہے۔ بہرحال شاعر کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کا نام نعت خوانوں میں شامل ہے:

اثر کے واسطے یہ بھی سعادت کم نہیں یارو
کہ ہے اس کی صدا بھی نعت خوانوں کی صداؤں میں

کتاب کا یہ پیپر بیک ایڈیشن، جہان حمد پبلی کیشنز، ۳۸/۲۶، بی۔ون ایریا، لیاقت آباد، کراچی، کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوا ہے۔ پروفیسر آفاق صدیقی، پروفیسر انیس احمد زیدی، پروفیسر عزیز احمد مدنی، محمد نعیم خاں اور پروفیسر کوثر اقبال نے کتاب اور

صاحب کتاب کے حوالے سے تقریظیں لکھی ہیں۔ ۱۶۸ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۱۵۰ روپے ہے جو تھوڑی سی زیادہ لگتی ہے۔

(عزیز احسن)

محبت حضور ﷺ کی / شفیق مرزا، عفیف طٰہٰ

پیش نظر مجموعۂ نعت، شفیق مرزا اور عفیف طٰہٰ نے مرتب کیا ہے۔ اندرونی ٹائٹل میں ذیلی سرخی کے ذریعے قارئین کو مطلع کیا گیا ہے کہ اس مجموعے میں ''برصغیر کے نامور شعرا کی نعتوں کا لاجواب انتخاب'' شامل ہے۔ ''حرف حرف حقیقت'' کے عنوان سے، حضرت واصف علی واصف کی مختصر مگر جامع اور دل نشین تحریر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرتبین نے حتی الوسع ایسی نعتیں منتخب کی ہیں جن سے اسوۂ محمدی علی صاجبہا کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ اسد طارق دُرّانی نے کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے، جب کہ شفیق مرزا نے ''تاریخ نعت کا مختصر جائزہ'' قلم بند کیا ہے۔ چوں کہ اس انتخاب میں بیش تر مستند شعرا کا کلام ہے اس لیے زیادہ تر نعتیں متن، مافیہ یا Text کے حوالے سے بھی دلکش ہیں اور اسلوب کے حوالے سے بھی۔ کچھ نعتیں پنجابی کی بھی زینت کتاب بنی ہیں۔ معروف نعت گو شاعر حضرت حفیظ تائب نے فلیپ لکھا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں ''یہ (مجموعہ) گزشتہ ڈیڑھ صدی کے ہر طبقۂ خیال کے شاعروں کی نمائندوں نعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور کئی نسلوں کی عقیدتوں کا مظہر ہے۔'' کتاب مجلد ہے، ٹائٹل دیدہ زیب ہے اور ۲۶۴ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۱۲۰ر روپے ہے، جو گٹ اپ کو دیکھتے ہوئے بڑی مناسب لگتی ہے۔ ملنے کا پتہ ہے: دارالعلم پبلی کیشنز، ۲۲۔اے حبیب بینک بلڈنگ، چوک اردو بازار، لاہور۔

(عزیز احسن)

دل ریزہ ریزہ / سیّد طفیل احمد مدنی

دل ریزہ ریزہ، ڈاکٹر سیّد طفیل احمد مدنی کا نعتیہ مجموعۂ کلام ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق الٰہ آباد یونی ورسٹی (انڈیا) کے شعبۂ عربی و فارسی سے ہے، اس لیے یہ بات تو وثوق سے

کہی جاسکتی ہے کہ کتاب میں شامل بیش تر کلام کا متن یا Text مستند ہے۔ رہا اسلوب کا سوال سو، وہ بھی سادہ اور پرکار ہے اور اردو شعری روایت کا آئینہ ہے۔ ۲۱۶ صفحات کی اس کتاب میں حمدیہ و نعتیہ کلام کے ساتھ ساتھ نعتیہ قصائد اور امہات المومنینؓ، صحابہ کرامؓ، حضرت بی بی فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت زین العابدین کے مناقب بھی شامل ہیں۔ کتاب کا مقدمہ حضرت ابوالحسن علی ندوی نے اور نعت گوئی اور اس کے فن پر خود صاحب کتاب نے قلم اُٹھایا ہے۔ نمونۂ کلام کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

جو وہ پیکر حسن و خوبی نہ ہوتا
زمانہ کرم آشنا ہی نہ ہوتا
کرکے تشریح مفہوم انسانیت
ہم کو دی ہے نئی زندگی آپ نے

کتاب غیر مجلد ہے جس کی قیمت مبلغ ۲۰۰ روپے ذرا زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ حریم ادب، ۱۱۲۴، سیکٹر بی۔۱۵، نارتھ کراچی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

(عزیز احسن)

عقیدت کا سفر / حمایت علی شاعر

حمایت علی شاعر، شعر و ادب کی دنیا میں تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کاموں کے باعث ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ عقیدت کا سفر، سات سو سالہ نعتیہ شاعری کا انتخاب ہے جسے حمایت علی شاعر نے مرتب کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اس سلسلے کی پہلی جلد ہے۔ اس انتخاب کی ایک خوبی تو یہی ہے کہ اسے ایک معروف شاعر نے مرتب کیا ہے، جس کی نظر ماضی کے ادب پر محققانہ اور حال کے ادب پر نقادانہ ہے۔ دوسری انفرادیت اس مجموعے کی یہ ہے کہ اس میں جن شعرا کا کلام ہے ان کے بارے میں مختصر معلومات بھی درج کردی ہیں، اس طرح اس انتخاب میں ایک تذکرے کی خصوصیات بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ کتاب کے پیش لفظ (حرف جستجو) کے مطالعے سے متشرح ہوا کہ یہ کام مرتب نے ۱۹۷۸ء میں ہی مکمل کرلیا تھا۔ اس وقت ان کے پیش نظر طالب علموں کی ضرورتیں تھیں۔ یہ پہلا حصہ زمانی اعتبار سے ۷۲۱ھ سے ۱۳۹۸ھ یا

۱۳۰۰ سے ۱۹۷۷ء تک کے عہد پر محیط ہے، جس میں سیّد محمد حسینی سے ماہر القادری تک ۱۱۲ شعرا کے احوال وکلام کی گنجائش نکل سکی ہے۔ ۲۴۲ صفحات کی یہ کتاب اپنے سائز اور ضخامت کے اعتبار سے چھوٹی ضرور ہے لیکن ادبی قدر و منزلت کے لحاظ سے ایک حوالے کی کتاب ہے۔ پیپر بیک چھپی ہوئی یہ کتاب، جس کی اشاعت سلیقے سے کی گئی ہے، دنیائے ادب، سی بی۔ ۴۵، الفلاح سوسائٹی، شاہ فیصل کالونی۔ کراچی، سے طلب کی جاسکتی ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

(عزیز احسن)

توصیف / محمد علی ظہوری

محمد علی ظہوری نے نعت خوانی کی سعادت کے توسط سے نعت گوئی کی نعمت پائی اور دیکھتے دیکھتے چار کتابوں کے مصنف بن گئے۔ یہ سب کی سب کتابیں نعتوں ہی کی ہیں۔ دو اردو زبان میں اور دو پنجابی ہیں۔ زیرِنظر کتاب اردو کی دوسری کتاب ہے، پہلی کتاب کا نام ''نوائے ظہوری'' تھا۔ اشفاق احمد خاں نے اس کتاب کا پیش لفظ ''ظہوری کی حضوری اور ان کی نعتیں'' کے زیرِعنوان قلم بند کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''ظہوری کی نعتیں میرے اور آپ کے محلے اور کوچے کی عرض گزاریاں اور بیتیاں ہیں جنھوں نے ہمارے ذہنوں کی بجائے دلوں میں جگہ بنائی ہے۔ انھی سے ہم اپنی تاریک راتوں کو اجالتے ہیں اور انھی کے سہارے اپنی ذات کی سیپیوں میں پریم کا موتی پالتے ہیں۔'' اشفاق احمد خاں کے ان خیالات کو شاعر کے اس شعر سے تقویت ملتی ہے:

تری مدحت کام ظہورؔی کا، ترے نام سے نام ظہورؔی کا
قریہ قریہ، بستی بستی، جو تیری نعت سناتا ہے

چھوٹی بحر میں بھی ظہورؔی نے سادی لیکن دل میں ترازو ہوجانے والی شاعری کی ہے:

ان ﷺ کے در کا فقیر ہوں، جن کی
چاکری تاجدار کرتے ہیں

آپ ﷺ کے ہوئے نہ جو قریب
وہ خدا سے دُور ہو گئے!

ظہوری کی شاعری میں دعویٰ نہیں ہے، یہی اس مجموعے کی خوبی ہے۔

نام سرکار ﷺ سے اپنا ظہوری چمکا!
کون خوش بخت ہے دنیا میں ہمارے جیسا

کتاب مجلد ہے۔ ٹائٹل خوب صورت اور اسماء النبی ﷺ سے مزین بھی۔ صفحات ۹۶ ہیں اور قیمت ۶۰ روپے ہے۔ ایوان حسان، ۳۰۶ ستلج بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز احسن)

نعت رسول خدا ﷺ / محمد علی اثر

ڈاکٹر محمد علی اثر ماہر دکنیات کی حیثیت سے معروف ہیں۔ آپ کی شاعری، تحقیق، تدوین، رپورتاژ اور مرتب کی ہوئی متعدد کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ ''نعت رسول خدا ﷺ'' اثر صاحب کی ایک طویل بیانیہ نعت ہے جس کے ۹۲ اشعار حضور اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے اعداد کے مساوی ہیں۔ ۲۴ صفحات کے اس کتابچے کا نام بھی تاریخی ہے جس سے ۱۴۲۱ ہجری برآمد ہوتا ہے۔ کاش مصنف محض تاریخی نام کی خاطر مالک کائنات کا اسم ذات ''اللہ'' کا استعمال ترک نہ کرتے۔ یہ بات مدتوں سے غیر مسلموں کی منظم سازش کے تحت ذہنوں سے محو ہو چکی ہے کہ ''خدا'' خالق کائنات کا نام نہیں ہے۔ آج یہ بات کمپیوٹر کے استعمال سے باآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ درست ''پاس ورڈ'' کے بغیر ایک چھوٹی سے چیز ''کمپیوٹر'' سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا تو اللہ کے نام کی برکتیں اس لفظ سے کیسے حاصل کی جا سکتی ہیں جو قرآن و حدیث میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ بہرحال یہ تو ایک الگ موضوع ہے، جس پر تفصیل سے روشنی ڈالنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ اثر صاحب کی نظم پرانی روایتی شاعری ہی کی توسیع کی مثال ہے، جس میں جذبہ بھی ہے، بیانیہ انداز بھی ہے، بندش کی چستی بھی ہے۔ لیکن جدید شعری ذائقے کے طلب گاروں کے لیے اس نظم میں کشش ذرا کم ہے۔ شاعر نے نظم میں ایک سو سے زیادہ اسماء النبی ﷺ بھی نظم کی زینت بنائے ہیں۔ پروفیسر یوسف سرمست (سابق صدر شعبۂ اردو

عثمانیہ یونی ورسٹی۔ حیدرآباد) اور مولانا ظہیر احمد باقوی (ڈاکٹر راہی فدائی) نے تقریظیں لکھی ہیں۔ ہدیہ: ادعیہ، ناشر ہیں، نشاط پبلشرز، ۹/۲۲۶-۴-۲۰ محبوب چوک، حیدرآباد۔

(عزیز احسن)

تمنائے حضوری / ریاض حسین چودھری

ریاض حسین چودھری، نعتیہ شعری اقلیم میں اپنی پہچان بنا چکے ہیں اور اب ادبی سلیقے کے ساتھ اس فن کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ تمنائے حضوری ان کی ایک طویل نظم ہے جسے وہ ''بیسویں صدی کی آخری طویل نظم'' کہتے ہیں۔ یہ نظم ۱۵۳ قطعات پر مشتمل ہے۔ ہر قطعے کا پہلا مصرع تمنائی ہے:

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم

اور ہر شعر کی ردیف ''ہوتا'' ہے، جس کی شعری تجسیم سے تمنائیں پھوٹتی ہوئی محسوس کی جا سکتی ہیں۔ عام شاعری کی تاریخ تخلیقی تجربات سے مالامال ہے لیکن نعتیہ تاریخ میں تجربات کی رفتار ذرا سست رہی ہے۔ اس اعتبار سے ریاض حسین چودھری کی یہ نظم لائق توجہ ہے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے کتاب کا فلیپ لکھا ہے... فرماتے ہیں ''ریاض حسین چودھری کی یہ آرزوئیں، اپنے جلو میں جھلملاتے آنسوؤں کا خراج بھی لیے ہوئے ہیں اور لرزتے قلم کا نیاز بھی کہ یہی وہ بارگاہ ناز ہے جس کی محبت ہمارا قبلۂ مراد اور کعبۂ شوق ہے۔'' صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کی رائے ہے ''یہ وہ آرزو ہے جو زندگی کو تقدس اور جواز فراہم کرتی ہے۔'' کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب، جلد مضبوط اور طباعت لائق تحسین ہے اور یہ کنٹراسٹ پرنٹرز اینڈ پبلشرز، قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ کتاب کے صفحات ۹۶ اور قیمت ۱۰۰ روپے ہے۔

(عزیز احسن)

سیرت اکادمی بلوچستان کے دو کارنامے

''سوغات'' اور ''منتخب نعتیہ کلام''

بلوچستان تعلیمی لحاظ سے ابھی بہت پیچھے ہے، لیکن ایسی جگہ اللہ ربّ العزت کے

فضل سے پرخلوص لوگوں کی ایک جماعت تیار ہوگئی ہے جس نے اپنے علاقے کو علم کے نور سے منور کرنے کا عزم بالجزم کر رکھا ہے۔ درج بالا دونوں کتابچے اسی جماعت نے مرتب کیے ہیں۔ ''سوغات'' کے مؤلفین، پروفیسر محمد انور رومان، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور پروفیسر ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر ہیں۔ یہ کتابچہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں معروف اور کم معروف شعرا کی نعتیں نفاست اور دینی اور ادبی شعور کی رہنمائی میں شامل کی گئی ہیں۔ انتساب اس بچے کے نام ہے جس نے اپنے استاد کو ملائمت سے بچوں کو پکارنے کا عملی سبق دیا۔ تعارف، انور رومان نے لکھا ہے۔ اس تحریر کا نچوڑ ان الفاظ میں آگیا ہے ''محمد ﷺ شناس تا خدا شناسی! (محمد ﷺ) کو پہچانو! تا کہ خدا تعالیٰ کو پہچان سکو) ''منتخب نعتیہ کلام'' بھی ۶۴ صفحات کا کتابچہ ہے، اس میں بھی اردو نعتیں ہیں۔ مجلس ادارت میں پروفیسر محمد انور رومان، پروفیسر ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر، جناب راجا نثار احمد، جناب محمد رفیق اور جناب محمد مشتاق باجوہ شامل ہیں۔ اس کتابچے کی ابتدا اسماء النبی ﷺ سے ہوتی ہے، اس کے بعد درود شریف کے فضائل و فوائد درج ہیں۔ نعتیہ شاعری کی اہمیت کے سلسلے میں محمد انعام الحق کوثر نے لکھا ہے ''خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس سے دلی تعلق اور والہانہ محبت کو فزوں تر کرنے کے لیے سیرۃ النبی ﷺ اور اسوۂ حسنہ کا مطالعہ ہی ضروری نہیں بلکہ اس تعلق اور محبت کا عملی اور جذباتی اظہار بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ دینی حمیت اور دینی جذبوں میں تڑپ نبیٔ پاک ﷺ سے قلبی اور روحانی وابستگی کے بغیر ممکن نہیں۔'' پروفیسر انور رومان نے کتاب کا انتساب ان نوجوانوں کے نام کیا ہے جن کی نظر گفتار پر نہیں بلکہ کردار پر گئی تھی۔ دونوں کتابچوں میں نعتیں ہیں۔ دونوں کی طباعت میں نفاست اور خلوص جھلکتا ہے۔ دونوں کتابچے سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ کی پیش کش ہیں اور دونوں کا ہدیہ دعائے خیر ہے۔ سوغات کی طباعت ۱۹۹۶ء میں اور منتخب نعتیہ کلام کی ۱۹۹۸ء میں عمل میں آئی تھی۔ یہ دونوں علمی تحفے بلوچستان اکادمی کے بڑے کارناموں میں شمار ہوں گے۔

(عزیز احسن)

حمد و مناجات (منظوم) / منصور ملتانی

انسان کی طبیعت شاعری سے اس قدر مانوس ہے کہ وہ اپنے خالق کو بھی شعر کی زبان میں پکارتا ہے۔ دنیا کی بہترین شاعری بھی وہی ہے جس میں خالق اور مخلوق کے تعلق میں

بندوں کی طرف سے عجز و انکسار اور خالق کی عظمت کا احساس جھلکتا ہو۔ لیکن اس موقع پر شاعر یا تو موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کر پاتا یا پھر شاعری میں شعریت جیسا اہم عنصر اپنی نظم میں شامل کرنے سے قاصر رہتا ہے... مذہبی شاعری اسی وجہ سے شاعری کے قارئین میں سے بہت کم کو اپیل کرتی ہے۔ بہرحال حمد و مناجات اگر شاعری کے پیکر میں ہو اور دعا کرنے والے کی طبیعت ذرا سی شعر سے مناسبت رکھتی ہو تو دعا میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ منصور ملتانی کی ''حمد و مناجات'' ایک مسلسل نظم کی صورت میں ہے۔ یہ نظم بحر ہزج میں لکھی گئی ہے، جس کے ارکان ہیں... مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن... یہ بحر سالم ہے اور بڑی رواں دواں ہے۔ حفیظ جالندھری کی شاہنامۂ اسلام بھی اسی بحر میں ہے۔ منصور ملتانی نے بھی اپنی دعاؤں کو اسی رواں دواں بحر میں ڈھالا ہے... اور بعض بعض جگہ شاعری اور عروض کی نفاست سے محروم ہونے کے باوجود شاعری سادہ اور رواں ہے۔ یہ کتابچہ پاکٹ سائز میں کل ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، لیکن اپنے موضوع اور شاعرانہ رویے کے اعتبار سے لائق ستائش ہے۔ اس میں بہت ساری عربی دعاؤں کا سادہ اور رواں ترجمہ بھی آگیا ہے اور عجز و انکسار بھی جھلکنے لگا ہے مثلاً:

ہمیں توفیق دے ایسی، جھکیں بس تیرے سامنے
کریں تیری اطاعت گڑگڑائیں بس ترے آگے

☆

حرم تیرا ہو باب ملتزم ہو اور ہوں آنسو!
ملے مقبولیت توبہ کو دل کو آس کی خوشبو

یہ کتابچہ ۱۴/۲۱۲ اولڈ ایریا، ایئرپورٹ۔ کراچی... اور ۱۰/ ۵۰۸، امیر منزل، محلّہ ٹبی شیرخان، بیرون لوہاری گیٹ، ملتان سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(عزیز احسن)

محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری / ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی تحقیق نعت کے مقدس علمی کام سے پہچانے جاتے ہیں۔

انھوں نے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھا تھا۔ زیرتبصرہ کتاب انھوں نے محسن کی شعری خدمات کو پرکھنے کے لیے لکھی ہے۔ کتاب کے مقدمے میں ڈاکٹر اختر بستوی، صدر شعبۂ اردو، گورکھ پور یونی ورسٹی نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ نعتیہ شاعری کو اس کا جائز مقام اب تک نہیں دیا گیا ہے اور نعت گو شاعروں کی اب تک بڑی حق تلفی ہوتی رہی ہے... اصل کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، جن کے عنوانات اس طرح ہیں: (۱) سیرت محسنؔ: اس باب میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے بتایا ہے کہ محسنؔ کاکوروی نے نو سال کی عمر میں رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا اور ان کی پہلی فارسی نظم اس خواب ہی کی خوشی میں لکھی گئی تھی۔ (۲) محسن کے نعتیہ قصائد: اس باب میں محسن کے قصیدے ''گلدستۂ رحمت''، ''ابیات نعت''، ''انیس آخرت''، ''نظم دل افروز'' وغیرہ کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔ (۳) مدیح خیرالمرسلین کا تفصیلی جائزہ: اس باب میں قصیدے کی تشبیب پر دوسرے اہل علم کی آرا دی ہیں اور اپنی رائے بھی لکھ دی ہے۔ اس ضمن میں محمد حسن عسکری کی رائے نقل کی ہے، عسکری مرحوم کی رائے تھی ''عالم طبعی کو جس کیف کے ساتھ محسن نے یہاں قبول کیا ہے اس کا تو نشان بھی ان کی کسی اور نظم میں نہیں ملتا۔ فطرت اور انسان اس طرح ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے ہیں کہ انسانی عوامل کا بیان فطرت کی اصطلاح میں ہوا ہے اور فطرت کا بیان انسانی زندگی کی اصطلاح میں... الفاظ کے ذریعے محسن نے ہندو، عرب کو گلے ملا دیا ہے۔'' قصیدے کی پہچان مطلع کا پہلا مصرعہ ہے:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

نعیم عزیزی نے عسکری صاحب کی رائے دے کر یہ بات ثابت کردی ہے کہ اب تک محسن کی شاعری پر عسکری سے بہتر رائے کوئی اور نہیں دے سکا ہے۔ (۴) محسن کی نعتیہ مثنویاں: اس باب میں محسن کی ۹ (نو) مثنویوں کا جائزہ لیا ہے لیکن زیادہ توجہ ''مثنوی چراغ کعبہ'' پر صرف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''منظرکشی اور ماحول کی تصویر کشی میں جناب محسن کا قلم مصور کے رنگین اور رنگین و حسین خیال کو بھی شرما دیتا ہے۔ تخیل کی بلندی، محاکات، پرشکوہ الفاظ، محسن نے جگہ جگہ پیش کیے ہیں۔ کردار و مکالمے، زبان و بیان سب ہی بہت خوب ہیں... 'صبح تجلی' اور 'چراغ کعبہ' نہ صرف اردو مثنویات میں بے مثل ہیں بلکہ اردو مثنوی کی تاریخ میں ان کا ایک خاص مقام و مرتبہ ہے۔'' (۵) محسن کی دیگر نعتیں: اس باب میں محسن کی نعتیہ غزلوں،

نعتیہ مسدس اور نعتیہ رباعیات پر گفتگو کی گئی ہے اور نمونۂ کلام پیش کیا گیا ہے۔ (۶) محسن کی شاعری: اس باب میں غزلیں، مسدس، مثنویاں، قطعات اور قطعات تاریخ کے نمونے پیش کیے گئے ہیں تاکہ محسن کا رنگ سخن اس میدان میں بھی دیکھا جاسکے۔ (۷) محسن کی شاعری کی فنی عظمت: اس باب میں مختلف شعری صنعتوں کی روشنی میں محسن کے کلام کی خوبیاں تلاش کی گئی ہیں۔ یہ کام گو بہت مختصر طور پر کیا گیا ہے لیکن محسن کے عہد کا سکۂ رائج الوقت چوں کہ یہی صنعت گری تھی اس لیے اسے طول بھی دیا جاسکتا تھا۔ (۸) اردو شاعری میں محسن کا مقام و مرتبہ: یہ اس کتاب کا آخری باب ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے محسن کو قصیدہ گوئی میں سوؔدا اور ذوقؔ کا ہم سر اور مثنوی نگاری میں میر حسنؔ اور پنڈت دیاشنکر نسیمؔ کا ہم پلہ بتایا ہے۔

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے عسکری صاحب کے مضمون ''محسن کاکوروی'' مشمولہ ''ستارہ یا بادبان'' ایک بار پھر پڑھا اور محسوس کیا کہ اب بھی کوئی قلم کار اس گہرائی اور گیرائی سے محسن کا مطالعہ پیش نہیں کرسکا ہے، جس کا ثبوت عسکری صاحب نے حرف حرف سے دیا تھا... بہرحال ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی محنت کی داد نہ دینا قرین انصاف نہیں۔ کتاب کا گٹ اپ سادہ ہے۔ کتاب مجلد ہے اور اس کے صفحات ۱۰۴ ہیں، قیمت ۴۰ روپے ہے، تقسیم کار ہیں: رضا اسلامک اکیڈمی، ۱۰۴، جسولی، بریلی، ۲۴۳۰۰۳ (یوپی) بھارت۔

(عزیز احسن)

عقیدت / یوسف مرزا

یوسف مرزا صاحب کی نو کتابیں اس سے قبل چھپ چکی ہیں، ''عقیدت'' دسویں کتاب ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے پہلی کتاب میں دوسرے اہل قلم کی آرا صاحب کتاب کے لیے بہت اچھی ہیں۔ خود صاحب کتاب نے نثر میں نعتیہ شاعری کا ایک بلند آدرش پیش کیا ہے۔ اتنا شعور رکھنے کے بعد جو شاعری کی جائے گی یقیناً بلند رتبہ ہوگی۔ کتاب پڑھتے ہوئے بعض اشعار واقعتاً اچھے بھی لگے، مثلاً:

سرور آنے لگا مجھ کو نوائے صبح گاہی میں
ہوئے شرمندۂ تعبیر خواب آہستہ آہستہ

☆

زباں پر عشق و مجذوبی کے دعوے اور ہوتے ہیں
محمد ﷺ کی محبت کے تقاضے اور ہوتے ہیں

☆

یارب! انھیں حرارت ایماں نصیب ہو
جو دل کہ شمع مردہ کی صورت خموش ہیں

لیکن اور یہ لیکن بڑا معنی خیز ہے۔ عقیدت کا بیش تر کلام اپنے نفس مضمون (Content) کی پاکیزگی کے حوالے سے بلاشبہ بلند ہے... پھر بھی شعری بنت کے لحاظ سے اکثر جگہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعر نظرثانی کا محتاج تھا لیکن شاعر نے اس سقم کو محسوس نہیں کیا۔ بعض ردیفیں بھی محل نظر ہیں۔ یہ بات میں نے اس لیے عرض کردی کہ شاعر نے اپنی تحریر سے یہ باور کروایا ہے کہ وہ موضوع کے معاملے میں بڑے حساس ہیں اور اس میں شک نہیں کہ انھوں نے نعت کے مافیہ (Content) کے ضمن میں یہ بات ثابت کردی ہے کہ وہ ایک باشعور نعت گو ہیں۔ تاہم نعت صرف مافیہ سے ہی نعت نہیں ہوتی، وہ شاعری کی ایک صنف بھی ہے جس کو شعری پیمانوں ہی سے ناپا جاتا ہے۔ چناں چہ اُمید کی جاتی ہے کہ شاعر موصوف میری گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے! کتاب کا مجموعی تأثر اچھا ہے۔ یوسف مرزا صاحب کی نعت گوئی کے حوالے سے اپنی قیمت آرا دینے والے صاحبان علم میں پروفیسر حسین سحر، نسیم سحر، ایم اے خطیب اور ڈاکٹر خالد علوی شامل ہیں۔

کتاب کا گٹ اپ لائق تحسین، ٹائٹل دیدہ زیب، جلد مضبوط، کاغذ بہت اعلیٰ اور طباعت انتہائی درجہ نفیس ہے۔ ۱۶۴ صفحات کی اس خوب صورت کتاب کی قیمت ۱۴۰ روپے ہے جو نہایت مناسب لگتی ہے۔

(عزیز احسن)

اردو میں حمد و مناجات / ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کی تحقیقی کتاب ''اردو میں حمد و مناجات'' پیش نظر ہے۔ کتاب کا پیش لفظ، ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے لکھا ہے۔ انھوں نے کتاب کی تحسین کے سلسلے میں جو نکات

اُٹھائے ہیں ان کا لب لباب یہ ہے کہ (٠) یحییٰ نشیط نے اختصار کے ساتھ قرآن حکیم سے اللہ کے تصور کو پیش کیا ہے اور حضور ﷺ کی دعا کا بھی وہ حوالہ دیا ہے جو نیند سے بیداری پر پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح ذات باری کو حیات انسانی اور اس کے ہر دن کے تجربے سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ (٠) اردو کے ابتدائی نمونے لائق تحسین ہیں۔ (٠) کشفی صاحب نے اس کتاب کے موضوعاتی تنوع اور شاعری کے محاسن کی تحسین کے انداز کو بھی سراہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''یحییٰ نشیط صاحب حمدیہ شاعری کے پہلے باضابطہ اور معتبر نقاد ہیں، اگرچہ ان سے پہلے کچھ اور نقادوں نے حمدیہ شاعری پر بہت کچھ لکھا ہے، لیکن اتنی توجہ کہیں اور نہیں ملتی۔''... نور احمد میرٹھی نے صاحب کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ ''موصوف (یحییٰ نشیط) ایم اے، بی ایڈ، ادیب کامل (علیگ)، پی ایچ ڈی اور ساہتیہ رتن، پانگت (ہندی) ہیں... رابطہ ادب اسلامی ہند (لکھنؤ) کے رکن اور نگراں برائے پی ایچ ڈی امراوتی یونی ورسٹی ہیں۔'' نور احمد میرٹھی اس کتاب کو اسلامی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر نشیط نے تمہیداً لکھا ہے کہ آزادی کے بعد، حمد و مناجات پر تحقیقی اور تنقیدی نظر سب سے پہلے خود انھوں نے ڈالی ہے۔

کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں تاریخ و ارتقا، دوسرے میں فلسفیانہ رجحانات، تیسرے باب میں متصوفانہ حمدیہ شاعری، چوتھے باب میں مناجاتی شاعری اور پانچویں باب میں ''قرآن کا اثر اردو کی حمدیہ شاعری پر'' زیر بحث آیا ہے... کتاب کے کل صفحات ۲۸۰ ہیں۔ صفحہ ۲۶۱ سے ۲۷۸ تک مآخذات دیے گئے ہیں جن پر طائرانہ نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ محقق موصوف نے اچھا خاصا علمی ذخیرہ کھنگالنے کے بعد اپنی تحقیق کے نتائج پیش کیے ہیں اور تنقیدی رائے ظاہر کی ہے۔

''اردو میں حمدیہ شاعری تاریخ و ارتقا'' کا آغاز اس جملے سے کیا گیا ہے... ''مذاہب عالم کی تاریخ گواہ ہے کہ خدا کا تصور کسی نہ کسی صورت میں ہر وقت موجود رہا ہے۔'' اس کے بعد مختلف تہذیبوں کے آثار اور مفکرین کے اقوال کی روشنی میں وجود باری تعالیٰ کے دلائل دیے گئے ہیں۔ فیثاغورث نے کائنات کی عددی تشریح کی تھی اس کا نظریہ اردو کے قالب میں اس طرح ڈھالا گیا ہے ''تمام اعداد، ایک عدد یعنی وحدت سے نکلے ہیں۔ اشیاء کا جوہر عدد ہے اور اعداد کا جوہر وحدت۔ وحدت دو قسم کی ہے۔ ایک وہ وحدت ہے جو تمام اشیا اور اعداد کی اصل

ہے۔ یہی وحدت خدائے واحد اور تمام دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ یہ وحدت مطلقہ ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی عدد نہیں۔ دوسرا احد عددی ہے جو دو اور تین کے پہلے آتا ہے۔ یہ مخلوق اکائی اور اضافی وحدت ہے۔ تمام اشیا اور اعداد وحدت اور کثرت کے تخالف سے پیدا ہوتے ہیں۔''

امپیڈوکلیز (Empedocles) سسلی کا ایک فلسفی تھا جس نے بڑا اہم نکتہ بڑے مختصر الفاظ میں بیان کردیا ہے یحییٰ نشیط نے اس کے الفاظ بھی بہ صورت ترجمہ نقل کر دیے ہیں... ''وحدت الٰہی اضداد سے ماوریٰ ہے۔'' اس طرح ڈاکٹر صاحب نے یونان، روم اور ہندوستان کے مختلف فلاسفہ کے افکار سے قارئین کو آشنا کرنے کی کوشش کی ہے۔ شنکر اچاریہ (م۸۲۰ء) کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں تصور اللہ بڑا واضح تھا۔ وہ کہتا ہے ''اے خدا میرے تین گناہ معاف کر، (۱) میں نے تصور میں تیری تصویر بنائی، حالاں کہ تیری کوئی صورت نہیں، (۲) میں نے مدح میں تیرا بیان کیا، حالاں کہ تیری تعریف ہو ہی نہیں سکتی، (۳) اور مندر میں جاتے وقت یہ بھول گیا کہ تو ہر جگہ موجود ہے۔'' ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شنکر اچاریہ خالق کائنات کو ماورائے ادراک سمجھتا تھا۔ انسان کو اس کی تعریف کرنے سے عاجز جانتا تھا اور اس کو ہر جگہ موجود مانتا تھا۔

مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے ''قوم نصاریٰ کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام''... یہ خیال اصلاح طلب ہے، جس کی طرف خفیف سا اشارہ کشفی صاحب نے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ''عیسائیت اور یہودیت تو اللہ کے اس دین کی مسخ شدہ صورتیں ہیں، جسے انسان اور کائنات کے خالق نے 'اسلام' کا نام دیا ہے۔'' چناں چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں کا پیغمبر کہنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا نہیں بلکہ ان کے پیش کردہ دین کا بھی استخفاف ہوتا ہے۔ ربّ کائنات کے اسم ذات 'اللہ' کے بارے میں نشیط صاحب آگاہ فرماتے ہیں کہ یہ ''ال الٰہ'' کا تخفیفی کلمہ ہے جو معبود کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جاہلیت کے شعرا زید بن عمرو بن نفیل اور امیہ ابن الصلت کے ایسے اشعار نقل کیے ہیں جن میں اللہ کی ربوبیت اور آیات الٰہیہ کا ذکر ملتا ہے۔ اردو کے اوّلین حمدیہ اشعار فخر الدین نظامی کی تصنیف ''کدم راؤ پدم راؤ'' سے ماخوذ ہیں۔ اس طرح پندرھویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی کے شعرا تک اردو میں حمدیہ شاعری کی تاریخ بھی اجمالاً آگئی ہے اور اس شاعری کے ارتقا کے خدوخال بھی اُجاگر ہوگئے ہیں۔

''اردو کے حمدیہ شاعری میں فلسفیانہ رجحان'' کتاب کے دوسرے باب کا عنوان ہے۔ اس کے مطالعے سے پہلی بات یہ سامنے آتی ہے کہ مصنف اردو میں کسی فلسفی شاعر کا وجود تسلیم نہیں کرتے (حالاں کہ یہ اقبال کے ساتھ ناانصافی ہے کیوں کہ ان کے اشعار اس باب اور دوسرے ابواب میں جا بہ جانقل کیے گئے ہیں) تاہم وہ ایسے اشعار کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوگئے ہیں، جن میں تصور الٰہ کی توضیح کسی نہ کسی فلسفیانہ نقطۂ نظر سے کی گئی ہے۔ ایسے اشعار انھیں خواجہ میر درد، سراج اورنگ آبادی، احسان دانش، امجد حیدرآبادی اور اقبال کے ہاں مل گئے۔

فیثاغورث نے کائنات کی عددی تشریح کی تھی۔ امجد حیدرآبادی نے اس خیال کو رباعی میں ڈھالا اور اس کی وضاحت بھی خود کی۔

ذرّے ذرّے میں ہے خدائی دیکھو
ہر بت میں ہے شان کبریائی دیکھو
اعداد تمام مختلف ہیں باہم
ہر ایک میں ہے مگر اکائی دیکھو

تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''۲ مجموعہ ہے ۱+۱ کا اور ۳ مجموعہ ہے ۱+۱+۱ کا، وقس علیٰ ہذا۔ اکائی ہر عدد میں موجود ہے اور (۱) خود عدد نہیں ہے کیوں کہ عدد حاشیتین کے مجموعے کے نصف کو کہتے ہیں۔ جیسے (۲) اس کا حاشیہ (۱) ہے اور دوسرا (۳)، (۱) اور (۳) کا مجموعہ۔ (۴) اور چار کا نصف (۲) ہوتا ہے۔ فافہم۔''... پھر اقبال کی شاعری سے بہت سی مثالیں دی گئی ہیں۔ اس بات میں فلسفیانہ افکار کی مماثلت اردو شعرا کے اشعار میں تلاش کی گئی ہے اور اشعار کے متوازی معروف فلسفیوں کے نظریات بھی پیش کر دیے گئے ہیں۔

''اردو کی متصوفانہ حمدیہ شاعری'' کے زیر عنوان وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود عشق الٰہی سے مملو اشعار کے حوالے دیے ہیں۔ یہ باب ۱۵۹ سے ۱۶۸ یعنی کل ۱۰ صفحات پر محیط ہے۔ اس لیے متصوفانہ شاعری کے ضمن میں تشنگی کا شدید احساس ہوتا ہے۔

''اردو کی مناجاتی شاعری'' کے باب میں دعا کے معانی و مفاہیم، دعا کرنے کے سلسلے میں قرآنی تاکید، دعا کی قبولیت کی یقین دہانی جیسے موضوعات زیر مطالعہ آئے ہیں۔ پھر اختصاراً عربی اور فارسی شاعری میں حمد و مناجات کا تذکرہ ہے۔ بعد ازیں اردو میں حمد و مناجات

کی شعری مثالیں درج کی گئی ہیں۔ یہ مثالیں فائز دہلوی، علی عادل شاہ ثانی شاہی (م ۱۶۷۲ء)، محمد قلی قطب شاہ، بہادر شاہ ظفر، میرانجی، شمس العشاق (م ۹۰۴ھ/۱۴۹۸ء) ملا وجہی، نصرتی، شاہ ابوالحسن قربی (م ۱۱۸۳ھ) سیّد جمال الدین جمال (م ۱۱۶۲ھ) سے عمیق حنفی اور افتخار عارف، وغیرہم کے کلام سے فراہم ہوئی ہیں۔

آخری باب میں ''قرآن کا اثر اردو شاعری پر'' دکھایا گیا ہے۔ مقصد فن اور مذہب کے حوالے سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے لکھا ہے، ''حالاں کہ فن کا مقصد کسی مذہب کی ترویج یا تبلیغ ہرگز نہیں ہوتا پھر بھی ان دونوں میں بہت گہرا تعلق نظر آتا ہے۔'' آگے چل کر ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں ''فنون لطیفہ میں جہاں تک 'ادب' کی فعالیت کا تعلق ہے تو یہی ایک مؤثر ذریعہ ہے کہ جو مذہب کو جاذب توجہ اسلوب میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے... شعرا کے یہاں مذہب سے متعلق اسی عقیدت مندی اور پرستش کے جذبات نے روایات و اساطیر کی شکل میں شاعری کا ایک دفتر تیار کردیا ہے۔ اردو شعرا نے بھی اسی مذہبی جذبے کے تحت اسلامی افکار کو اپنی شاعری میں سمونے کے لیے قرآن سے رجوع کیا ہے۔ چناں چہ اردو کی قدیم شاعری سے تاحال قرآن کا اثر و نفوذ اس میں پایا جاتا ہے۔'' اس باب میں بھی فخر الدین نظامی سے صبیح رحمانی اور معراج جامی تک بہت سے شعرا کے کلام کے نمونے پیش کیے گئے ہیں اور مصنف نے اپنی تنقیدی آرا بھی دیدی ہیں۔ اس باب میں متقدمین کا بیش تر وہی کلام دُہرا دیا ہے جو پہلے باب میں نقل کر دیا گیا تھا۔ اقتباسات کی یہ تکرار ذرا کھٹکتی ہے۔ محقق موصوف کو ایک ہی شعر میں معانی کے مختلف عکس نظر آنا ان کی تنقیدی بصیرت کی دلیل ضرور ہے لیکن ایسے اشعار کے صرف خاص خاص مصرعے دُہرا دیے جاتے یا صرف حوالے دے دیے جاتے تو تکرار کا سقم پیدا نہیں ہوتا۔

کتاب میں ہندوستانی اور پاکستانی شعرا کے کلام کے نمونے دیکھ کر بہرحال مصنف کی محنت اور عرق ریزی کا پتا چلتا ہے، جس کی داد نہ دینا قرین انصاف نہیں۔ یہ مجلد کتاب سادہ لیکن دل کش ٹائٹل کے ساتھ فضلی سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، ۳/۵۰۷ ٹیمپل روڈ، اردو بازار، کراچی کے زیراہتمام طبع ہوئی ہے اور قیمت ۱۵۰ روپے ہے جو مناسب لگتی ہے۔

(عزیز احسن)

عبدہ و رسولہ ﷺ / حکیم شریف احسن

شعری کائنات کا سب سے روشن اور سب سے بڑا سیارہ حمد و نعت سے منسوب ہے۔ اس سیارے کے مدار میں داخل ہونے والوں کو سائنسی آلات کے بہ جائے عشق نبوی ﷺ کا گدام اور متین لہجے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حب رسالت کے جوہر سے جذبۂ مدحت رسول ﷺ میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ اس جوہر کی فراوانی سے شاعر میں پاکیزہ خیالی، عجز و انکسار اور اپنی ریاضت فن کو سرکار ﷺ پر نچھاور کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے جس کے باعث اس کے لہجے میں متانت اور شعری آہنگ میں لطافت کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ حب رسالت ﷺ کا جوہر جس شاعر میں جتنا زیادہ ہوتا ہے اس کے حروف کی ظاہری کثافت، لطافت فن میں ڈھلتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گوئی کے مرحلے سے ہر شاعر کامیابی سے نہیں گزر پاتا۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے یا تو نور نبوی ﷺ سے مستنیر ہے یا حضور اکرم ﷺ کے نور کی تلاش میں سرگرداں ہے تاکہ اس کی کوئی قدر متعین ہو سکے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیٰ ﷺ او را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ﷺ است

اس لیے تمام سعید روحوں کا آپ ﷺ کی ذات اقدس سے شیفتگی آمیز تعلق لازمی ہے۔ حکیم شریف احسن نے بھی مدحت سرکار دو عالم ﷺ کے مدار میں سفر آغاز کیا ہے اور ان کے پہلے ہی قدم سے منزل رسیدگی کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔

نعت گوئی کے لوازمات میں شعریات Poetics کا بھرپور ادراک، دینی تعلیمات سے آگاہی اور طبیعت کے گداز کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ یہ سارے لوازمات حکیم صاحب کی شاعری سے مترشح ہیں۔ احسن صاحب کی شاعری پر لہجے کی متانت اور رفعت فکر کے حوالے سے اقبالؒ کا پرتو محسوس ہوتا ہے۔ گداز قلب اور ملی درد کے معاملے میں حالیؔ کا خلوص جھلکتا ہے۔ اسی طرح ان کی قصیدہ گوئی کے ڈانڈے عبدالعزیز خالد کے ہنر کی ہم پایا لگتی ہے۔

قادر الکلامی میں دماغی ریاضت کو دخل ہوتا ہے اس لیے ہر قادرالکلام شاعر دل کو

متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا، لیکن حکیم شریف احسن کی شاعری دل و دماغ دونوں کو بہ یک وقت متاثر کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دو ایسی نعتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہوں گا جو غالبؔ کی زمین میں ہیں:

کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

اس بحر اور اس زمین میں یوں تو ہر شاعر شعر کہہ سکتا ہے اور شعرا یہ زمینیں استعمال کرتے ہی رہتے ہیں، لیکن ہر باشعور شاعر غالبؔ کی زمین میں شعر کہتے وقت ذرا حساس اور محتاط ضرور ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ غالبؔ یا کسی بھی بڑے شاعر کی زمین میں شعر کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر ذرا سی بھی کسر رہ گئی تو مقلد شاعر کا وقار بری طرح مجروح ہو سکتا ہے۔ لیکن جن شعرا کو اپنے فن پر اعتماد ہوتا ہے وہ اس قسم کی آزمائش میں ازخود مبتلا ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب نے غالب کی زمین میں دو نعتیں کہیں اور دونوں میں لائق تحسین شعر نکال لے۔ پہلی نعت کے تین شعر دیکھیے:

ڈھلتی ہے مہ و مہر سے کب دل کی سیاہی
درکار اسے شمع رسالت ﷺ کی ضیا ہے

ایثار ہو، اخلاص ہو، عفت ہو، حیا ہو
ہر حسن میں اک ان ﷺ کی ادا جلوہ نما ہے

ناموس پیمبر ﷺ کا یہ اعجاز ہے احسنؔ
جو اس پہ مٹا، زندۂ جاوید ہوا ہے

دوسری نعت کا بھی ایک شعر ملاحظہ ہو:

ایماں ہو کہ احساں ہو وفا ہو کہ حیا ہو
سب تیرا کرم، تیری سخا، تیری عطا ہے

اسی طرح اقبال کے تتبع میں بھی خطرات ہیں لیکن حکیم شریف احسن نے اقبال کے لہجے میں بھی اس طرح بات کی ہے کہ ان کے بعض شعر اگر اقبال کے کلام میں شامل کر دیے جائیں تو شناخت کرنا مشکل ہو جائے، مثلاً حکیم صاحب کی مختصر سی نظم دیکھیے:

ہوں منحرف جو جادۂ حب رسول ﷺ سے
مردود و مسترد ہیں، رعیت ہوں یا ملوک

ایمان کی محک ہے اطاعت حضور ﷺ کی
مرقوم ہے یہ راہ مدینہ پہ تا تبوک
ہو منکر رسول ﷺ کو ایماں کہاں نصیب
حجت ہے اس پہ نکتۂ حتیٰ یحکموک

ایک شعر او رملاحظہ فرمایئے:

نہ ڈھونڈ بادۂ افرنگ میں علاج اپنا
کہ تیرے درد کا درماں ہے نوش واعتصموا

مصرعے میں قرآن کی آیت کو انگوٹھی میں نگینے کی صورت جڑ دینا بھی شاعر کی ہنرمندی پر دال ہے۔

تلمیحاتی اشاروں اور تقلیل الفاظ کے ساتھ اپنی بات کو خوبی سے بامعنی بنا کر شعری پیکر میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ عربی کی کہاوت ہے ''خیرالکلام ماقل و دل'' (بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور مراد کو ظاہر کرنے والا ہو) شعر کی خوبی یہی تقلیل الفاظ ہوتی ہے جسے ایجاز کہتے ہیں۔ احسنؔ صاحب کے کلام میں یہ خوبی جا بہ جا نظر آتی ہے۔ مثلاً یہ اشعار:

قضا کا عقدۂ دشوار حل ہوا آخر
ہوئے جو آپ ﷺ کے ان کی بدل گئی تقدیر
علم نبیؐ اُمی ﷺ کے آگے علوم دہر
اک قطرۂ حقیر سمندر کے سامنے
بہاریں ہم رکاب ان ﷺ کے قطار اندر قطار آئیں
جلو میں ان ﷺ کے گلشن کارواں در کارواں آئے

عبدہ و رسولہ کی شاعری میں قصیدہ گوئی کا بھی خاص سلیقہ جھلکتا ہے۔ گو ان قصیدوں میں کلاسیکی روایت کے مطابق تشبیب، گریز، مدح اور دعا کے عناصر ہیں لیکن چوں کہ پوری شاعری مدحیہ مضامین پر مشتمل ہے اس لیے قصیدے بھی ہیئتی اعتبار سے الگ نہیں ہیں۔

کتاب میں تلمیحاتی اشاروں کی تفہیم کے لیے حواشی بھی دے دیے گئے ہیں جو صفحہ ۱۴۷ سے ۱۸۲ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے نعت کہتے وقت قرآن کریم، احادیث نبوی ﷺ اور تاریخ اسلام کا پس منظر بڑی خوبی سے جزو ہنر بنایا بھی ہے اور

ان مآخذ سے باقاعدہ رجوع بھی کیا ہے اور ان منابع تک قاری کی رسائی بھی آسان بنا دی ہے۔

میں حافظ لدھیانوی مرحوم کی اس رائے سے صد فی صد متفق ہوں کہ ''مختلف موضوعات پر ان (حکیم شریف احسن) کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ شعر کے نقائص اور فضائل پر ان کی گہری نظر ہے۔ نعت نگاری میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ وہ نعت کی حدود سے آشنا ہیں۔ نعتیہ شاعری میں ان کی ادب سے گہری وابستگی اور دینی بصیرت نظر آتی ہے۔''

ڈاکٹر ریاض مجید کے اس بیان کی بھی تصدیق حکیم صاحب کے کلام سے ہو رہی ہے کہ ''انھوں (جناب احسن) نے عربی، فارسی اور اردو شاعری کا اتنا وسیع مطالعہ کیا ہے کہ اچھی شاعری کے عناصر ان کے مزاج میں رچ بس گئے ہیں۔''

حکیم صاحب کی کتاب ایک ایسا شعری مرقع ہے جس میں حب رسول ﷺ کا جذبہ اطاعت رسول ﷺ کے ذمہ دارانہ احساس کو بیدار کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حفیظ الرحمٰن احسنؔ صاحب نے بجا طور پر محسوس کیا ہے کہ ''معنویت اور مقصدیت کے باطن سے اُبھرنے والے شعور و وجدان کی یہ دولت ان (احسن) کی نعت رسمی مضامین سے بہت بلند ہوگئی ہے، اور اس دور سعادت کی بازیافت کی آرزو کا نغمۂ حیات بخش بن گئی ہے، جس کی بازیافت کی طلب ہر قلب مسلم کے اندر جاگزیں ہے۔''

شاعر موصوف نے ''حرف آخر'' کے زیر عنوان جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کا شعور فن اور احساس اطاعت رسول ﷺ منعکس ہوتا ہے۔ چند سطور ملاحظہ ہوں: ''مدعا اس (شاعری) سے ربّ اکرم کی اس نعمت، سب سے بڑی نعمت، کا شکر ادا کرنا ہے۔ یعنی رسول ﷺ محبت کی محبت اور آپ ﷺ کے پیغام کو عام کر کے خودکشی پر تلے ہوئے آج کے انسان کو دائمی فلاح و سلامتی اور ابدی خوشیوں کا راستہ دکھانا ہے اور حضور ﷺ کے محبین اور مداحین کو یہ جتانا ہے کہ محبت وہ ہے جو اطاعت سرشت ہو، اور مدح وہ ہے جو اتباع کی خوش بو سے مہک رہی ہو۔''

کتاب کی طباعت سلیقہ مندی کا آئینہ ہے، گرد پوش دیدہ زیب اور جلد مضبوط ہے، کاغذ بھی اعلیٰ ہے، اس طرح کتاب معنوی حسن کے ساتھ ساتھ حسن صوری کا نقش بھی بن گئی ہے۔ ہدیہ ۱۵۰ روپے ہے جو ۱۸۴ صفحات کی ایسی عمدہ کتاب کے لیے نہایت مناسب ہے۔ نعت اکادمی، فیصل آباد کے زیر اہتمام شائع ہونے والی یہ کتاب، رحمٰن مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ،

اردو بازار، لاہور کے پتے پر دستیاب ہے۔

(عزیز احسن)

مجلّہ ثنائے محمد (ﷺ)

خدا کا ذکر کرے، ذکر مصطفیٰ نہ کرے
ہمارے منھ میں ہو ایسی زباں، خدا نہ کرے

یہ خوب صورت شعر اس مجلّہ کی زینت بنا ہے، جس کا نام ثنائے محمد ﷺ ہے۔ مذکورہ مجلّہ کی اشاعت بزم اقبال (بھوپال) کے زیراہتمام ہوئی ہے جس نے ہر سال مختلف النوع موضوعات پر مجلّہ شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ مذکورہ ادارے نے سال گزشتہ بھی ایک مجلّہ اردو اور ہندی میں یک جا کر کے شائع کیا تھا جس کا موضوع تھا ''جنگ آزادی میں اردو کا حصہ'' اپریل ۹۹ء میں شائع کیے جانے والے اس مجلّہ کا موضوع ''ثنائے محمد ﷺ'' ہے جو تمام کا تمام نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ بزم اقبال نے اس نعتیہ مجموعے کی اشاعت سے کئی ماہ قبل ہندوستان کے تمام اخبارات میں اعلان شائع کرا کے شعرائے کرام سے نعتیں طلب کی تھیں، چناں چہ جن معروف اور غیر معروف شعرا نے اپنی نعتیں ارسال کیں، مرتبین کی وضاحت کے مطابق ناقابل اشاعت ہونے کے باوجود بعض نعتوں کو نہ واپس کیا گیا، نہ مسترد کیا گیا، بلکہ ان کی فکری اور فنی اصلاح کر کے انھیں شامل اشاعت کر لیا گیا۔ بزم اقبال کے صدر جناب رہبر جون پوری نے اپنے معلومات افزا مقدمے میں واضح کیا کہ حمد و نعت اور منقبت میں شرعی حدود اور مراتب کا لحاظ نہ رکھا جائے تو شاعری، گمراہی بن جاتی ہے۔ سلسلۂ کلام میں حضرت مظفر وارثی کا یہ قول بجا طور پر نقل کیا گیا ہے کہ ''اردو شاعری میں صنف نعت گوئی مشکل ترین صنف ہے، اس پل صراط سے گزرتے ہوئے قادر الکلامی بھی کانپ اٹھی ہے۔''

بزم اقبالؒ اور مجلّہ کے مرتبین اقبال بیدار، رضا رام پوری، رہبر جون پوری، ارمان اکبر آبادی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے مجلّہ کو صوری و معنوی اعتبار سے کامیاب بنانے کی کوشش کی بلکہ بعض نعتوں کی فکری اور فنی اصلاح کر کے ایک اچھا انتخاب پیش کرنے کی سعی مشکور بھی کی ہے۔ اچھا ہوتا کہ صنف نعت گوئی پر محتاط اور مستند شعرائے کرام سے رابطہ قائم کر کے ان کا کلام حاصل کر لیا جاتا، مستند شعرائے کرام کے مجموعوں سے بہترین نعتیں منتخب کر لی

جاتیں تو ایک معیاری مجموعۂ نعت وجود میں آسکتا تھا۔ بہرکیف یہ بات باعث اطمینان ہے کہ بزم اقبالؒ اور مجلّہ کے مرتبین فن شاعری کے علاوہ دینی شعور کے بھی حامل ہیں۔ ضخامت ۱۷۶ صفحات اور قیمت ۶۰ روپے ہے، اس پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے، بزم اقبال، گلشن اقبال، جہانگیر آباد جنسی، بھوپال ۴۶۲۰۰۸۔

(عثمان غنی عادل)

مجلّہ بیاض نعت

زیرنظر کتابچہ دراصل کل ہند نعتیہ طرحی انعامی مقابلے (منعقدہ ۱۹۹۵ء) پر مشتمل انعامی نعتوں کا ایک مختصر مجموعہ ہے، جسے مالیگاؤں کی بزرگ شخصیت اور عالم دین مولانا محمودالحسن کاملی نے مرتب فرمایا ہے۔ موصوف نے انعامی مقابلے کے لیے اپنی ہی نعت کا ایک مصرعہ ''رخ مصطفیٰؐ پہ عجب دل کشی ہے'' کو طرحی نعتوں کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں انھیں ۱۱۹ شعرائے کرام کی نعتیں دستیاب ہوئیں جن میں ۳۱ نعتیں انعام کی مستحق قرار دی گئیں۔ مذکورہ مجموعہ انھی ۳۱ نعتوں پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں اس مجموعۂ نعت پر ایک مجموعی تبصرہ حضرت صوفی غازی امان اللہ قادری (اورنگ آباد) کے قلم سے بھی شریک اشاعت ہے۔ نعتوں اور منقبتوں میں اکثر وبیش تر جو بے احتیاطی ہمارے شعرائے کرام سے سرزد ہوتی ہے اس کی بنیادی وجہ دینی شعور کا فقدان اور جذبات کی بے اعتدالی ہے۔ محترم صوفی امان اللہ کا تبصرہ اگرچہ بہت ہی مختصر ہے لیکن کارآمد ہے تاہم ضرورت ہے کہ حدیث پاک کے نام پر موضوع (من گھڑت) روایتوں کا پردہ فاش کرنے والی کتب کی نشان دہی کی جائے اور عوام کے علاوہ طبقۂ شعرا کے سامنے بھی انھیں لایا جائے تاکہ قوم ''جرم ضعیفی'' کے حصار سے باہر نکل سکے۔ صفحات ۴۸، قیمت ۲۰ روپے ہے اور اس پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے، انجمن نعت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، بادشاہ خان نگر، مالیگاؤں۔ ۴۲۳۲۰۳

(عثمان غنی عادل)

ماہنامہ گونج (نعت نمبر)

ماہنامہ ''گونج'' کے مستقل مدیر یوں تو جناب جمیل نظام آبادی ہیں لیکن اس خصوصی

شمارے نعت نمبر (شمارہ جولائی۔اگست ۹۸ء) کے مہمان مدیر جناب محمد اظہر الدین قادری ہیں۔ ہمارے ہاں مہمان مدیر کی ذمہ داری عام طور پر ایک اداریہ لکھنے تک محدود ہوتی ہے تاکہ رسالہ کی مجموعی پالیسی پر اس کا اثر نہ پڑے۔ غنیمت ہے کہ اس شمارۂ خصوصی کی تمام تخلیقات کو دیکھنے، پرکھنے، انتخاب کرنے اور ترتیب و تصحیح کے فرائض بھی مہمان مدیر ہی نے انجام دیے ہیں۔ اگرچہ موصوف نے اپنی وضع داری برقرار رکھتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ ''انھوں نے مہمان مدیر ہونے کے ناطے نعتوں کے انتخاب کے لیے اپنے جائز حق کا استعمال کیا ہے اور حسب ضرورت کہیں کہیں لفظ کو تبدیل بھی کیا ہے تاہم اپنی انکساری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی ہی نعت کے دو شعر بھی نذر قارئین کیے ہیں، فرماتے ہیں:

فہم و ادراک سے کورا ہوں، خدا خیر کرے
نعت کی فکر میں بیٹھا ہوں، خدا خیر کرے

آگے مزید فرماتے ہیں کہ ''میں خود کو نعت کہنے کے قابل ہی نہیں سمجھتا، لیکن کیا کروں، اس کے بغیر رہا بھی تو نہیں جاتا۔

نعت کہنے کا سلیقہ نہیں اظہرؔ پھر بھی
جانے کیوں نعت ہی کہتا ہوں خدا خیر کرے

موصوف نے اپنے ادارتی نوٹ کی ابتدا میں نعت گو شعرا کی فہرست دی ہے۔ جن میں بیش تر اکابر صحابہؓ کے اسمائے گرامی درج ہیں۔ علاوہ ازیں موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''پورا کا پورا قرآن آپ ﷺ کی تعریف و توصیف سے بھرا ہوا ہے۔ اہل اللہ نے اسے (قرآن کریم) بھی نعت رسول ﷺ کہا ہے اور غلط نہیں کہا ہے۔''

نعت نمبر کی کتابت، طباعت اور کاغذ نہایت معمولی درجے کا ہے، لگتا ہے کبھی کبھی مہنگائی کے سامنے عقیدتیں اور محبتیں بھی بے بس ہوجاتی ہیں، صفحات ۱۷۲ قیمت ۲۵ روپے ہے اور اسے اس پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ۲/۳۵۔۱۔۴، اعظم روڈ، نظام آباد، ۵۰۳۰۰۱۔

(عثمان غنی عادل)

عاصی کرنالی (ملتان)

مداح ترا، غیر کا کیوں دست نگر ہو
کیوں وقت ثنا ہاتھ میں جبریل کا پر ہو

اے جان بہاراں تری برکت نہ اگر ہو
گلزار جہاں میں نہ شجر ہو، نہ ثمر ہو

صدیوں سے اسیر شب ظلمات تھی دُنیا
وہ مہر جہاں تاب جو نکلے، تو سحر ہو

مٹی سے ترے شہر کی، تعمیر ہوئے ہیں
وہ قریۂ خورشید ہو یا چاند نگر ہو

بس ایک گزرگاہ ازل سے ہو ابد تک
بس ایک سفر ہو، وہ مدینے کا سفر ہو

کیا عزت سائل ہے کہ کشکول ہوں خود پر
کیا شان عطا ہے کہ ہمیں بھی نہ خبر ہو

میں اُس کو سر نامۂ اعمال سجا لوں
وہ لمحہ جو سرکار کی چوکھٹ پہ بسر ہو

رخسار کا کاغذ ہو اور اشکوں کی ہو تحریر
اس در پہ گزارش بھی بہ انداز دگر ہو

ہر ذرّے سے اُگتے ہوں جہاں سیکڑوں سورج
اُس شہر میں کیا حوصلۂ اہل نظر ہو

وہ عرش تلک جائیں تو معراج ہو ان کی
اُن تک بشر آجائے تو معراج بشر ہو

دو حرف ثنا عجز سے لکھ لوں تو بہت ہے
یہ کون سا موقع ہے کہ اظہار ہنر ہو

عاصی یہ گزارش بھی ادب سے ہے تجاوز
اتنا جو کہا جائے کہ مجھ پر بھی نظر ہو

ریاض مجید (فیصل آباد)

ٹھہری ہوئی آنکھوں میں جدائی کی گھڑی ہے
شب آخری طیبہ کی مرے سر پہ کھڑی ہے
اک ساعت بیدار ہے مقسوم نظر ... کا
دُوری میں تڑپنے کے لیے عمر پڑی ہے
اک لمحۂ پرآں ہے میسر دم رخصت
فہرست دُعاؤں کی، سلاموں کی بڑی ہے
کیا عرض و گزارش ہو کہ ملتے نہیں الفاظ
دُنیائے تمنا ہے جو ہونٹوں پہ اڑی ہے
روتے ہوئے سامان سفر باندھ رہے ہیں
محسوس یہ ہوتا ہے قیامت کی گھڑی ہے
اک گنبد خضرا ہے محیط دل و دیدہ
دُھندلائی ہوئی آنکھوں میں تصویر جڑی ہے
کھنچتے چلے آتے ہیں قدم سوئے حرم پھر
یہ شہر مدینہ سے نکلنے کی گھڑی ہے
آتے ہوئے کیا سہل مدینے کا سفر تھا
جاتے ہیں تو ایک ایک قدم راہ کڑی ہے
لوٹا ہے مدینے سے ریاضؔ اپنا بدن ہی
جو روح ہے وہ اب بھی مواجہ پہ کھڑی ہے

طلحہ رضوی برق (بھارت)

(رُباعیات)

جس شاہ کو حاصل ہے شہنشاہ کا ہاتھ
کیوں ناز تصرف نہ ہو ذی جاہ کا ہاتھ
مشکل میں کرے گا دست گیری میری
وہ ہاتھ ہے جس پر مرے اللہ کا ہاتھ

گاؤں گا انھیں کا رکھے جب تک اللہ
اللہ ہے، اللہ ہے بے شک اللہ
اللہ ری وہ ذات کہ خود جس کے لیے
فرمائے رفعنا لک ذکرک، اللہ

حق یہ ہے کہ حق مومن بے باک کہے
معصوم نبی کو، آل کو پاک کہے
اللہ ری وہ ذات جسے ربّ قدیر
لولاک لما خلقت الافلاک کہے

پتھر کو زباں، شجر کو رفتار دیا
انگلی کے اشارے سے قمر چاک کیا
ڈوبے ہوئے سورج کو نکالا تو نے
قربان ترے مہبط وحی یوحی

ناوک حمزہ پوری (بھارت)

رحمت کی پھوار

اے صلِ علیٰ، نطق گہر بار رسولؐ
رحمت کی پھوار ہے کہ گفتار رسولؐ
واللہ ہے، ''لانبی بعدی'' شاہد
ہر دور کا معیار ہے کردار رسولؐ

دلِ کونین کی دھڑکن

تنویر صفا کی شمع روشن ہیں آپؐ
تصویر حیا کا رنگ و روغن ہیں آپؐ
اسرار حیات آپ کے دم سے ضوتاب
حقا! دلِ کونین کی دھڑکن ہیں آپؐ

اکملت لکم

ممنون کرم آپؐ کی خشکی و تری
روشن ہے فلک آپؐ سے دھرتی ہے ہری
''اکملت لکم'' سے صاف چلتا ہے پتا
ختم آپؐ کی ذات پر ہے پیغامبری

محسن اعظمؐ

اسرار حیات کی وضاحت کر دی
ہر راز ممات کی وضاحت کر دی
یہ محسن اعظمؐ کا ہے احسان عظیم
اک راہ نجات کی وضاحت کر دی

رئیس احمد نعمانی (علی گڑھ، بھارت)

کاش دل کی یہ دعا باب اثر تک پہنچے
یہ سیہ نامہ بھی سرکار ﷺ کے در تک پہنچے

خاکِ طیبہ! ترے ذرّوں سے عقیدت ہے مجھے
کس لیے میری نظر لعل و گہر تک پہنچے

اُن کے قدموں کے نشاں اس سے بہت آگے ہیں
اہلِ سائنس تو بس سطحِ قمر تک پہنچے

راحتِ جاں ہیں مری یادِ خدا، نعتِ نبی ﷺ
کاش اس رات کا دامن نہ سحر تک پہنچے

کُنہِ خالق کا سمجھنا تو کہاں ممکن تھا
کیا جہاں والے ابھی کُنہِ بشر تک پہنچے؟

اے ہوا! یاد رہے تجھ کو وصیت میری
خاک اُڑ کر مری، آقا ﷺ کے نگر تک پہنچے

فقر ہی فخر ہے جب اُن کے غلاموں کا رئیس
ہاتھ پھر کیوں کسی گنجینۂ زر تک پہنچے

محمد علی اثرؔ (حیدرآباد دکن)

جود و سخا سے صدق و صفا سے جڑے ہوئے
اُن کے طفیل ہم ہیں خدا سے جڑے ہوئے

اللہ کا یہ سب سے بڑا فضل ہے کہ ہم
ہیں دامنِ رسولِ خدا سے جڑے ہوئے

آفاق کی ہیں شرح تو انفس کی روشنی
لمحے جو آپ ﷺ کے ہیں حرا سے جڑے ہوئے

آقا ﷺ ہمیں بھی در پہ بلائیں گے ایک روز
اس آس میں ہیں صبر و رضا سے جڑے ہوئے

ہر اک اذاں میں نامِ رسولِ خدا بھی ہے
احمد احد ہیں گویا سدا سے جڑے ہوئے

لاریب ہم کو قربِ الٰہی ملا اثرؔ!
اک عمر سے ہیں صلِ علیٰ سے جڑے ہوئے

مناظر عاشق ہرگانوی (بھارت)

وہ جس کے نور سے بخشا ہے نور آنکھوں میں
شراب شوق کی مستی سرور آنکھوں میں
وہ جس نے درد دیا دل کو، درد کو عظمت
جگر کو سوز دیا اور سوز کو راحت
بشر کو جس نے ہے بخشا لباس ہستی کا
سروں سے مٹ گیا سودا صنم پرستی کا
وہ جس کے دور نے دور جہاں بدل ڈالا
زمیں کا ذکر ہی کیا آسماں بدل ڈالا
وہ خضر راہ ہے وہ رہنما ہے انساں کا
خدا نہیں ہے مگر ناخدا ہے انساں کا
وہ جس نے صاحب ایماں بنا دیا ہم کو
نظر نے جس کی مسلماں بنا دیا ہم کو
وہ جس نے نور کے سانچا میں مجھ کو ڈھالا ہے
جہاں کو کفر کے ظلمات سے نکالا ہے

اسی کے جلوے سے عاشقؔ ہے روشنی ساری
اسی کے نام سے دنیا میں زندگی ساری

اطہر شاہد (کراچی)

تمام اشک دعا تھے قبول ہوتے رہے
درود پڑھتا رہا زخم پھول ہوتے رہے

فدائے شیوۂ رحمت کہ تیرہ بختوں کے
دلوں کو نور کے تحفے وصول ہوتے رہے

غلام گزریں گے کتنے کٹھن مراحل سے
یہ سوچ کر مرے آقا ملول ہوتے رہے

ہر ایک راہ کو بخشا مزاج کاہکشاں
ستارے آپ کے قدموں کی دُھول ہوتے رہے

گلیم پوش غلامانِ مصطفےٰ ﷺ کے طفیل
شہنشہی کے مرتب اصول ہوتے رہے

مرے ہنر کی ہے معراج یہ گماں شاہدؔ
مری ثنا کے شگوفے قبول ہوتے رہے

محمد اکرم رضا (گوجرانوالہ)

نعت کیا ہے ذکر سلطان عرب کا اہتمام
نعت کیا ہے راحت قلب حزیں لطف دوام
نعت کیا ہے گلستان زندگانی کی بہار
نعت کیا ہے انشراح لطف رب کا اہتمام
نعت کیا ہے آنکھ میں لرزیدہ آنسو کی چمک
نعت کیا ہے تذکرۂ سرور عالی مقام
نعت کیا ہے مطلع حسن یقیں کی چاندنی
نعت کیا ہے دل کے گلشن میں ہواؤں کا خرام
نعت کیا ہے جلوۂ صبح ازل نور ابد
نعت کیا ہے شوق کا پیغام بہر خاص و عام
نعت کیا ہے دل کی چاہت حاصل سوز و گداز
نعت کیا ہے شاعر پرشوق کا حسن کلام
نعت کیا ہے جذب و مستی رفعت ذوق یقیں
نعت کیا ہے خستہ سامانوں کا آقا کو سلام
نعت کیا ہے شوکت افکار کی رعنائیاں
نعت کیا ہے عاصیوں کا اپنے آقا سے کلام
نعت کیا ہے افتخار جملہ اصناف سخن
نعت کیا ہے کاروان عشق و مستی کی امام
نعت کیا ہے من کے آنگن میں ستاروں کا طلوع
نعت کیا ہے دل میں ہر پل عظمت خیرالانام

نعت کیا ہے حسرت دیدار شاہ دوجہاں
نعت کیا ہے کاش کہ ہو آپ کا دل میں خرام
نعت کیا ہے ہر نفس عنبر فشانی کا گماں
نعت کیا ہے ہدیۂ جاں الصلوٰۃ والسلام
نعت کیا ہے جذبۂ توصیف محبوب خدا
نعت کیا ہے شوکت دل سے نبیؐ کا احترام
نعت کیا ہے دور حاضر کا نشان امتیاز
نعت کیا ہے کلک شاعر سے عقیدت کا پیام
نعت کیا ہے زندگانی کی بہار جاوداں
نعت کیا ہے کلک شاعر کے مہک جانے کا نام
نعت کیا ہے روشنی ہی روشنی ہی روشنی
نعت کیا ہے شکر ربّ ذوالجلال و الکرام

نعت کیا ہے رُوحِ انساں کو پیام آگہی
نعت کیا ہے اے رضاؔ مدح محمدﷺ کا نظام

ظہیر غازی پوری (بھارت)

فکر اور احساس کے دیوار و در روشن ہوئے
نام احمدؐ لیتے ہی ہم سر بہ سر روشن ہوئے

زندگی کا اتنا روشن ضابطہ لائے تھے وہ
بے کس و بے آسرا لوگوں کے گھر روشن ہوئے

اک نگاہ خاص اٹھی جب شہ کونینؐ کی
ٹوٹتی اقدار کے سبب بام و در روشن ہوئے

انؐ کے لب کی ایک جنبش کا کرشمہ دیکھئے
بند مٹھی میں ر، بھی پتھر کے جگر روشن ہوئے

دفعتاً کون و مکاں میں برق سی لہرا گئی
آپ کے نقش قدم جب عرش پر روشن ہوئے

کالے پتھر کی زیارت خواب میں کیا ہوگئی
نور کے سائے در و دیوار پر روشن ہوئے

اے ظہیرؔ اقوام عالم نے کیا ہے اعتراف
انؐ کے آنے سے ہی سارے بحر و بر روشن ہوئے

نسیم سحر (جدہ)

اُس قریۂ بہار میں دیتے ہیں حاضری
جب بھی ہو اختیار میں، دیتے ہیں حاضری

مدھم جو پڑنے لگتی ہے اندر کی روشنی
انوار کے دیار میں دیتے ہیں حاضری

شاید کبھی ہمیں بھی حضوری نصیب ہو!
اس ایک انتظار میں دیتے ہیں حاضری

خوش بو بسا کے لاتے ہیں ہم قلب و رُوح میں
جب شہر مشک بار میں دیتے ہیں حاضری

قطرہ جہاں کا خود بھی سمندر سے کم نہیں
اُس بحر بے کنار میں دیتے ہیں حاضری

جلتے ہیں ہم بہت جو زمانے کی دُھوپ میں
اُس شہر سایہ دار میں دیتے ہیں حاضری

کتنا سکون ملتا ہے یک دم ہمیں نسیمؔ
جیسے بھی اضطرار میں دیتے ہیں حاضری

ظفر مراد آبادی (دہلی، بھارت)

زمیں پہ نور خدا، بے حجاب روشن ہے
بہ شکل حسن رسالت مآب ﷺ روشن ہے

نظر ٹھہرتی نہیں، مطلع نبوت پر
رُخ حضور ﷺ ہے یا آفتاب روشن ہے

طلوع نور درخشاں ہے یا نوید خلیلؑ
اک آفتاب پس آفتاب روشن ہے

زمیں سے تا بہ فلک بچھ گئی ہے کاہکشاں
بہ اہتمام در باریاب روشن ہے

طلب کچھ اپنی نہیں ہے لب مبارک پر
شب وصال بھی اُمت کا باب روشن ہے

وہیں چھٹیں گے اندھیرے سیاہ بختی کے
وہ ایک در جو بہ صد آب و تاب روشن ہے

ہے سنگ باری طائف سے جسم اطہر پر
ہر ایک زخم، کہ جیسے گلاب روشن ہے

لہو سے ہوگئے لبریز آپ کے نعلین
مگر لبوں پہ منور خطاب روشن ہے

انھیں کے دم سے منور ہے گوشۂ سیرت
عمل میں جن کے خدا کی کتاب روشن ہے

ہے اُن کی یاد ظفرؔ ایسے موجزن دل میں
کہ جیسے برق، درون سحاب روشن ہے!!

محمد قاسم حبیبی برکاتی (بھارت)

ان کا آجانا پھر ادراک کا روشن ہونا
یعنی میرے خس و خاشاک کا روشن ہونا

کوئے طیبہ تری باہوں میں سمٹنا میرا
اور پھر جذبۂ بے باک کا روشن ہونا

دیکھتے ہیں مہ و انجم بھی بصد حیرانی
ان کے قدموں پہ مری خاک کا روشن ہونا

وادیِ جاں میں گھر ہائے کرم کی بارش
نقش پائے شہ لولاک کا روشن ہونا

وہ ترے دست مجلی کی ضیا پاشی سے
شب گزیدہ دل سفاک کا روشن ہونا

ذرّۂ دل کو بھی ہم رتبۂ خورشید کرے
گرد پا سے تری افلاک کا روشن ہونا

دشت طیبہ کی ہواؤں کا ہے تحفہ قاسمؔ
حسرت دیدۂ نم ناک کا روشن ہونا

منتخب احمد خاں نور ثقلینی (بھارت)

پیام آئے مسلسل حکایتیں آئیں
وہ آئے بعد میں پہلے بشارتیں آئیں

جہاں کے راہ نما بن گئے ہیں چرواہے
جہالتوں کی طرف جب ہدایتیں آئیں

اسے بہشت کا مژدہ سنا جائے گا
نصیب جس کو مدینے چاہتیں آئیں

وہ میزبان دو عالم نہیں تو پھر کیا ہے
جسے خدائے دو عالم کی دعوتیں آئیں

اسی کا ذکر صحیفوں میں اور ویدوں میں
کہ جس کی شان میں قرآں کی آیتیں آئیں

قمر زیدی (کراچی)

(نظم)

محمدؐ پیکرِ انساں میں شاید اس لیے آئے
کہ وہ اپنی حیاتِ پاک کے دوراں ہمیں
جو کچھ کہیں
یا کر کے دکھلائیں
وہ انساں کی حدِ امکاں کے اندر درج ہو جائے
اور اس بنیاد پر کوئی بشر
شعارِ مصطفائی کو
اگر ناقابلِ تقلید سمجھے
کہ انساں کا نبی سے کیا تقابل؟
تو شاید
وہ مسلماں ہی نہیں
نبی کے نام سے واقف ہے لیکن
نبی کی ذات پر ایماں نہیں ہے
تو اے نسلِ بنی آدم
خصوصاً اے مسلمانو، یہ جانو
مسلمانی نبی کا نام لینا ہی نہیں ہے

نبی کی پیروی کرنے
اور ان کے حکم کی تعمیل کرنے میں خفی ہے
قمر شاید تجھے بھی خوش گمانی ہوگئی ہے
بزعم خود اگر تو شاعری کو رہبری کہہ کر
زبان سے دعوئ تلمیذ رحمانی بھی کرتا ہے
تو اس میدان میں آنا پڑے گا
نبی نے جو کہا یا کر کے دکھلایا
فقط نعتوں میں دہرانا نہیں ہے
عمل کر کے بھی دکھلانا پڑے گا
یہی مقصد تھا اُس نور خدا کو جسم دینے کا

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

نعتیہ ہائیکو

کتنے اُجلے ہیں
اُس کے لفظوں سے من میں
سورج اُگتے ہیں

اور لکھوں میں کیا
اُس کا نام اور اُس کا کام
''خوشبو''، ''سندرتا''

روشن رخشندہ
گہری کالی راتوں میں
اُس کا نام ''دیا''

امیر الاسلام صدیقی (کراچی)

قدم جو زیست کی راہ سفر میں رکھا جائے
نبی ﷺ اسوۂ کامل نظر میں رکھا جائے

نبی ﷺ کے حکم پر ایثار کی سند ہے یہی!!
کہ گھر کا کوئی اثاثہ نہ گھر میں رکھا جائے

دعا سے پہلے درود و سلام لازم ہے
دعا کو اس طرح باب اثر میں رکھا جائے

ہر ایک ذرّہ مقدس ہے خاک طیبہ کا
قدم سنبھال کے اس رہ گزر میں رکھا جائے

در حضور ﷺ پہ یہ نذر پیش کرنا ہے
ان آنسوؤں کو ابھی چشم تر میں رکھا جائے

ثنائے خواجہ میں حد ادب رہے ملحوظ
یہ اہتمام بھی عرض ہنر میں رکھا جائے

خدا کے قرب کی ہے آرزو اگر دل میں
نبی ﷺ کے عشق کا سودا بھی سر میں رکھا جائے

ناز قادری (مظفرپور، بھارت)

میرے نبی ﷺ کی ذات ہے، شمع رہ ہدیٰ فقط
اہل نظر کے واسطے اسوۂ مصطفیٰ ﷺ فقط

اپنی عطائے خاص سے حق نے اُنھیں دیا عروج
فرش سے عرش تک گئے احمد مجتبیٰ ﷺ فقط

بات رسول پاک کی مخزن علم دین حق
عقدہ کشائے فکر ہے آپ ﷺ کا تذکرہ فقط

جتنے بھی ہیں نشان راہ باعث گمرہی ہیں سب
"نقش قدم حضور ﷺ کا اپنا ہے رہ نما فقط"

کس لیے کیجیے اختیار اور کوئی طریق کار
فکر و عمل سے آپ ﷺ کے اپنا ہے رابطہ فقط

ہے جو مشیت خدا، رحمت حق کا آئینہ
حشر میں کام آئے گی آپ ﷺ کی وہ رضا فقط

موت سے پہلے دیکھ لے وہ بھی نظارۂ حجاز
نازؔ کی تجھ سے اے خدا، ہے یہی التجا فقط

ظفر اقبال ظفر (بھارت)

عجب لذت سفر میں ہے، مدینہ لکھ رہا ہوں میں
مدینہ چشم تر میں ہے، مدینہ لکھ رہا ہوں میں

قلم، کاغذ، سیاہی، لفظ سارے نور میں ڈوبے
یہ فن نعت ہنر میں ہے، مدینہ لکھ رہا ہوں میں

جو اس کے سائے میں بیٹھا مہک اُٹھا بدن اُس کا
جو یہ خوشبو شجر میں ہے، مدینہ لکھ رہا ہوں میں

ابھی آ جائے گا ساحل تمھارے سامنے لوگو!
ابھی کشتی بھنور میں ہے، مدینہ لکھ رہا ہوں میں

نہ شدت دُھوپ میں ہے اور نہ سختی راستے میں اب
کرم اُن ﷺ کا سفر میں ہے، مدینہ لکھ رہا ہوں میں

یہ سب ذکر نبی ﷺ یاد نبی ﷺ سے ہے مجھے حاصل
سکوں قلب و نظر میں ہے، مدینہ لکھ رہا ہوں میں

در و دیوار آنگن میں مرے اک نور بکھرا ہے
ظفؔر رونق جو گھر میں ہے، مدینہ لکھ رہا ہوں میں

آر پی شرما مہرشؔ (بھارت)

(ماہیے)

بھیجا جو اُنھیں دے کر
آئے رسول ﷺ اکرم
پیغام خدا لے کر

جب ساتھ دعائیں ہیں
سرور عالم ﷺ کی
سب دُور بلائیں ہیں

یہ راز کھلا ہم پر
ذات شہہ دیں ﷺ کا
دنیا میں نہیں ہم سر

کیا خوف قیامت ہو؟
حاصل جو نبی ﷺ کی
عاصی کو شفاعت ہو

کہتے ہیں سلیقے سے
اشعار مقدس
نعتوں کے وسیلے سے

ندیم صدیقی (ممبرا، انڈیا)

دیکھو گے! آؤ تم کو دکھاؤں خدا کا رنگ
کردار مصطفٰےﷺ میں ہے ربِّ علیٰ کا رنگ

دنیا کے رنگ پھیکے پڑے جس کے سامنے
وہ رنگ ہے تو صاحب غار حرا کا رنگ

صدیق بھی عدیل و سخی بھی شجیع بھی
وہ شخصﷺ جو سراپا ہے مہر و وفا کا رنگ

اک مشت خاک بدر میں پھینکی تھی اُس طرف
پھر آسماں نے دیکھا تھا اُنﷺ کی دعا کا رنگ

طائف میں انتہائے مظالم کے باوجود
خیرالبشرﷺ کے لب پہ نہ بدلا دعا کا رنگ

کملا☆ کو بھی نصیب ثریا کا اوج ہے
کافور ہو رہا ہے یوں کفر و بلا کا رنگ

ظلمت کے سب سحاب چھٹیں گے یقین ہے
دنیا پہ پھر چڑھے گا رسول خدا ﷺ کا رنگ

کردار مصطفےٰ ﷺ کے سمندر میں ڈوب کر
بوبکرؓ اور عمرؓ کو ملا ہے بقا کا رنگ

عثمانؓ کی حیا بھی انھی سے ہے مستعار
یعنی علیؓ کو جن سے ملا ہے ذکا کا رنگ

یارب! عطا ہو مدحت سردار ﷺ انبیا
جانے نہ پائے فکر سے حمد و ثنا کا رنگ

پڑھتے رہو درود شفا پاؤگے ندیمؔ
پوشیدہ ہے اسی میں حیات بقا کا رنگ

☆۱۔ مشہور نومسلم خاتون ادیب کملا داس ثریا۔

حنیف نازش قادری (کامونکے)

زائر کوئے جناں آہستہ چل
دیکھ، آیا ہے کہاں آہستہ چل

جیسے جی چاہے جہاں میں گھوم پھر
یہ مدینہ ہے، یہاں آہستہ چل

نقش پائے سرور ﷺ کونین ﷺ کی
ہر طرف ہے کہکشاں آہستہ چل

بارگاہ ناز میں آہستہ بول
ہو نہ سب کچھ رائگاں آہستہ چل

حاضری میں ہیں ملک ستر ہزار
قدسیوں کے درمیاں آہستہ چل

در پہ آیا ہوں بڑی مدت کے بعد
اے مری عمر رواں آہستہ چل

دیکھ لوں جی بھر کے شہر مصطفٰے ﷺ
میرے میر کارواں آہستہ چل

جالیوں کے سامنے جلدی نہ کر
وہ ہیں نازش مہرباں آہستہ چل

حافظ نور احمد قادری (اسلام آباد)

دے کر نبی ﷺ کی نعت کا ذوق بیاں مجھے
پہنچا دیا خدا نے کہاں سے کہاں مجھے

رہنے لگا ہے شام و سحر یہ گماں مجھے
لے جائے گا یقیں مرا، اک دن وہاں مجھے

طیبہ کی سرزمیں کو بھلا اور کیا کہوں
ہونے لگا ہے عرش کا اس پر گماں مجھے

خدشہ نہیں ہے برق تپاں کا کوئی وہاں
مل جائے کاش طیبہ میں اک آشیاں مجھے

رکھ لیں حضور ﷺ، حشر میں، اس بے کسی کی لاج
عصیاں مرے کریں نہ کہیں، رائگاں مجھے

یارب، عطا ہو پھر مجھے طیبہ کی حاضری
اُن ﷺ کے حضور کہنی ہے، اک داستاں مجھے

ہر شخص کی زبان پہ ہو ذکر نورؔ کا
اے کاش ایسا مل سکے، حسن بیاں مجھے

تنویر پھول (کراچی)

(سانیٹ)

لولاک شان آپ ﷺ کی ہے شاہ ﷺ انبیا!
تخلیق کائنات کا واحد سبب ہیں آپ ﷺ!
کچھ اس میں شک نہیں ہے کہ محبوب رب ہیں آپ ﷺ
انساں کو حق کی راہ پہ چلنا سکھا دیا!

سردار ﷺ کائنات ہیں اللہ کے قریب!
ظلمت کدہ تھا دہر وہ پرنور کر دیا!
انساں کے دل کو نور سے معمور کر دیا!
امراض جو ہیں قلب کے اُن سب کے ہیں طبیب!

حاصل ہے قرب آپ ﷺ کو اللہ کا سدا!
اقرب ہیں رب سے، آپ ﷺ ہیں وہ عبد بے مثال
محروم اُس کو رکھتے نہیں جو کرے سوال
بخشش کی آس دل میں لیے آگیا گدا!

احقر کی لاج آپ ﷺ کے دست کرم میں ہے!
اک التجائے پھول نہاں چشم نم میں ہے!

صبیح رحمانی (کراچی)

غم نہیں جاتی ہے جائے ساری دُنیا چھوڑ کر
پر نہ جائے یاد آقاً مجھ کو تنہا چھوڑ کر

تھا شب اسریٰ بھی اُنؐ کو کتنا اُمت کا خیال
میرے آقاً آ گئے عرش معلیٰ چھوڑ کر

جب مطاف جاں میں گونجا نعرہ صل علیٰ
کعبۂ دل سے گئے بت اپنا قبضہ چھوڑ کر

آنے والے سب زمانوں کی ہدایت کے لیے
وہ گئے ہیں اپنی تعلیمات و اُسوہ چھوڑ کر

ہر قدم پر رہبری کی اسوۂ سرکارؐ نے
روشنی یہ کب گئی ہے ساتھ میرا چھوڑ کر

ہے سوا ارض حرم سے خاک طیبہ کا شرف
جس کو آقاً نے بسایا ارض بطحا چھوڑ کر

اُنؐ کے آنے سے وہ صحرا گلشن شاداب ہے
سارے دریا بہہ رہے تھے جس کو تشنہ چھوڑ کر

قریۂ یاد نبیؐ میں ہوں مکیں اک عمر سے
میں نہ جاؤں گا کہیں اب یہ ٹھکانہ چھوڑ کر

میرے آقاً پھر مجھے اذن حضوری ہو نصیب
آ گیا باب کرم پر یہ عریضہ چھوڑ کر

کس قدر مشکل ہے میں نے آج یہ جانا صبیح
نعت کہنا اور وہ بھی اپنا لہجہ چھوڑ کر

(مصرع طرح پر کہی گئی)

خطوط

ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ کراچی

''نعت رنگ'' کا نواں اور دسواں شمارہ ملا، آپ کی صحت مندی و درازیٔ عمر کی دعائیں دل سے نکلیں، ''نعت رنگ'' کے بہانے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و دین دونوں کو سنوار لینے کی جو توفیق بخشی ہے، اس پر آپ جس قدر ناز کریں کم ہے۔ ہم تو بس رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

سرورق کی دیدہ زیبی سے بقدر ذوق سیراب ہوئے، اور ورق الٹا تو پہلے ہی صفحے پر نویں شمارے کا انتساب، مجھ فقیر کے نام نظر آیا۔ آپ کے اس اخلاص بے پایاں کے لیے عمر بھر احسان مند و شکر گزار رہوں گا۔

نجی ضرورت سے امریکہ گیا تھا، پچھلے ہفتے لوٹا ہوں، تھکن کا غلبہ ابھی کم نہیں ہوا۔ ان شاء اللہ العزیز ملاقات پر تفصیل سے باتیں ہوں گی۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد۔ فتح پور، بھارت

راقم نے 'نعت رنگ' کے دونوں نمبروں کو سرسری طور سے دیکھا۔ آپ کی گراں بہا شخصیت واقعتاً لائق صد تہنیت ہے کہ آپ اتنا وقیع کام افادۂ خاص و عام کے لیے انجام دینے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کا بہ سے بہتر اور بہتر سے بہترین کا یہ سفر جاری ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ بہ توسل نبیٔ رحمت ﷺ آپ کی ہمت کو سدا بلندی اور تازہ حوصلہ اور آپ کے قلم کو کبھی نہ تھکنے والی توانائی عطا فرمائے۔ اللھم آمین!

ان دونوں شماروں کی اوراق گردانی سے پتا چلا کہ ان کے مشمولات کے عنوانات

عصر حاضر کے عالمی مقتضیات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔ عالمی امن و امان کی ضمانت صرف رسول ختمی مرتبت ﷺ کے پاس ہے، کیوں کہ آپ ﷺ رحمت بے کراں اور فیضان بے نہایت کے منبع و مخرج ہیں۔

''نعت رنگ'' کے اس پہلو نے بھی راقم کو اپنی جانب منعطف کرایا کہ اس کے شمارے نو واردان بساط نعت اور علمائے نعت سے واقف کراتے اور اس مقدس موضوع پر آنے والی مطبوعات سے روشناس کراتے ہیں۔

شمارہ دس میں ''اردو نعت پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب'' پر محترمی پروفیسر شفقت رضوی صاحب دام علاہ کا تجزیہ ایک قابل ستائش اور اچھی کاوش ہے لیکن اس میں راقم کے ساتھ انصاف قطعی طور پر نہیں ہوسکا۔ علاوہ دیگر وجوہ کے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس قابل مدح مضمون کے تخلیق کار نے نعت پر راقم کی پہلی کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) سے صرف نظر کرلی، حالاں کہ موصوف نے جس کتاب (یعنی اردو شاعری میں نعت: جلد اوّل و جلد دوم) کو اپنے تعارف و تجزیہ کی بنیاد بنایا ہے، اس میں اس کی پہلی کتاب کا تذکرہ مع سن طباعت ۱۹۸۸ء اور مقام طباعت فائن آفسٹ ورکس الہ آباد، ۳ موجود ہے۔ واضح ہو کہ یہ تذکرہ ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل کے دیباچہ میں اس کے صفحہ چودہ (۱۴) پر مرقوم ہے۔

''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' پر متعدد جرائد و رسائل نے تبصرے شائع کیے تھے۔ ''معارف'' کے مئی ۱۹۹۰ء کے شمارے میں بھی اس کتاب پر نقد و تبصرہ شائع ہوا تھا۔ ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' میں اس بات کا ذکر ہے کہ راقم نے ''اردو شاعری میں نعت'' پر کب سے کام کرنا شروع کیا تھا اور یہ کہ راقم کو اس موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری لکھنؤ یونی ورسٹی نے ۱۹۸۴ء میں تفویض کی تھی۔ پروفیسر شفقت رضوی نے نعت رنگ کے دسویں شمارے کے صفحہ ۴۰ پر خود ہی رقم فرمایا ہے کہ ''تحقیقی نقطۂ نظر سے غیر مطبوعہ تحریر بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔'' محترمی و مکرمی ڈاکٹر ریاض مجید اور مشفقی و مخلصی ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی صاحبان کی گراں قدر کتابوں کے منظر عام پر آنے سے پیش تر راقم کی تینوں کتابیں یعنی ''نعتیہ شاعری کا ارتقا''، ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل اور ''اردو شاعری میں نعت'' جلد دوم حیطۂ تحریر میں لائی جاچکی تھیں، ان تینوں کتابوں کا مخرج تحقیقی مقالہ ''اردو شاعری میں نعت'' ہے۔ راقم کا یہ مقالہ

۱۹۸۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچ کر ۱۹۸۲ء میں یونی ورسٹی میں داخل کیا جاچکا تھا۔ جب کہ ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ کی تکمیل بہ قول پروفیسر شفقت رضوی ۱۹۸۳ء میں ہوئی۔ (ملاحظہ ہو نعت رنگ شمارہ ۱۰ صفحہ ۹۵) اور ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی کو پی ایچ ڈی کی ڈگری رانچی یونی ورسٹی سے ۱۹۸۷ء میں تفویض کی گئی تھی۔ (ملاحظہ ہو، ماہنامہ ''کتاب نما'' دسمبر ۱۹۸۷ء جلد ۲۷، شمارہ ۱۲، ص ۸۵، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی) ۱۹۹۲ء تک راقم کو ان دونوں مقالوں کی طباعت و اشاعت کی بات معلوم نہ تھی، صرف ان مقالوں پر ڈگریاں تفویض کیے جانے کی اطلاع تھی۔

راقم کے مقالے سے ماخوذ دوسری اور تیسری کتاب یعنی ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل و جلد دوم کی طباعت و اشاعت کی تکمیل کی نوبت ۱۹۹۲ء میں آئی تھی۔ راقم نے اپنے مقالے سے ماخوذ ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل کے دیباچہ میں صفحہ ۱۴ پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ راقم کو محولہ بالا دونوں مقالوں کی آگاہی ہے، لیکن اس کو یہ دونوں مقالے تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل پائے۔ تقدم زمانی کتابت سے طے ہوگا نہ کہ اشاعت سے۔ راقم نے معرض بحث کتاب کے اسی صفحہ پر یہ اعتذار بھی رقم کردیا تھا کہ اس مقالے یعنی کتاب ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل میں عربی و فارسی کی نعت گوئی پر بہ طور پس منظر کچھ نہیں لکھا گیا۔ نعت کی لغوی و اصطلاحی تشریح اور اس کی تحقیق و تنقید اور اس کا تعارف بھی نہیں پیش کیا گیا، کیوں کہ ان موضوعات پر راقم کا مبسوط مقالہ ''نعتیہ شاعری کا ارتقا (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) دسمبر ۱۹۸۸ء میں فائن آفسٹ ورکس الہ آباد سے طبع ہوچکا ہے۔''

یہ بات پر از واقعیت و حقیقت ہے کہ راقم کی کتاب ''اردو شاعری میں نعت'' پر لکھا گیا ہر وہ تجزیہ یا تبصرہ'' جو نعتیہ شاعری کا ارتقا'' سے اغماض کرکے لکھا گیا ہوا ناقص، ادھورا اور نامکمل ہوگا۔ راقم کے تحقیقی مقالہ ''اردو شاعری میں نعت'' مدخلہ لکھنؤ یونی ورسٹی میں نو ابواب ہیں، جن میں کے تین حسب الحکم مرحوم ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' میں، تین ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اوّل میں اور بقیہ تین ابواب ''اردو شاعری میں نعت'' جلد دوم میں مشمول ہیں۔ نعت سے متعلق ساری عمومی بحث ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' میں دس ضمنی عنوانات کے ساتھ مشمول ہے۔ نعت لفظ نبی ختمی مرتبت ﷺ کی زبان اقدس سے اسی متعارف مفہوم میں مستعمل ہوا ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف راقم نے اسی کتاب کے اسی باب میں کیا ہے اور مکمل حدیث بہ روایت حضرت انسؓ بن مالک مع حوالہ نقل کی ہے۔ راقم نے اس باب کا عنوان

''نعت: تحقیق و تنقید'' رکھا تھا۔ (یہ عنوان ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' کے پہلے باب کے نیچے صفحہ ۱۷ پر مندرج ہے) کتاب کی اشاعت ۱۹۸۸ء میں ہو چکی ہے۔

اس طور پر پروفیسر شفقت رضوی کا زیرِ بحث تعارف و تجزیہ مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ جب خشتِ اوّل ہی ٹیڑھی رکھ دی گئی تو ظاہر ہے:

تا ثریا می ردو دیوار کج

یہ سب کچھ بہ طور جملہ ہائے معترضہ کے مندرج ہوگیا۔ باز آمدم برسرِ مطلب!

ہاں، تو آپ نعت کی ایسی مقدس و معظم و مکرم صنفِ شاعری پر اتنا مؤقر اور ممتاز کام انجام دے رہے ہیں اور لائق و فائق اساتذہ اور علمائے نعت سے بھی یہ قابلِ رشک اور مفید و اہم کام کروا رہے ہیں، جس کی نظیر بلامبالغہ عالمی ادب میں مفقود ہے۔ اس کارِ خیر کی جس قدر بھی سراہنا کی جائے، کم ہے، صائبؔ نے جو بات شعر کی بابت کہی ہے، وہ میرے نزدیک یہاں بھی عائد ہوتی ہے:

صائبؔ دو چیز می شکند قدرِ شعر را
تحسینِ ناشناس و سکوتِ سخن شناس

اسی لیے راقم کا اپنا یہ نظریہ ہے کہ علمائے نعت کی ان مساعیٔ جلیلہ کی قدر و منزلت کا اعتراف ایک فریضہ ہے۔ ''نعت رنگ'' کے مشمولات کے تخلیق کار بھی لائقِ تہنیت ہیں کہ وہ ایک ضروری فریضۂ انسانی کی ادائیگی میں لگے ہوئے ہیں۔

اتنے اچھے شماروں کے لیے راقم ایک بار پھر آپ کو تہِ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہے اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ آپ اس کو یہ شمارے بہ طور سوغات ارسال کرتے رہتے ہیں۔

راقم نے اپنے محسنین میں سے محترمی و مکرمی شہزاد احمد صاحب، مشفقی و مکرمی غوث میاں، محترمی و مشفقی ڈاکٹر مظفر عالم جاوید، مشفقی و معظمی نور احمد میرٹھی اور محترمی و مکرمی علی حسین ادیبؔ رائے پوری صاحبان سے بارہا رابطہ قائم کرنا چاہا اور ان کو خطوط ارسال کیے بلکہ ثالث الذکر کو رجسٹرڈ لیٹر بھی بھیجا، لیکن افسوس ادھر کئی سالوں سے راقم ان کرم فرماؤں سے رابطہ قائم کرنے سے قاصر ہے۔ اب یہ ایک حتمی و یقینی صورت سمجھ میں آئی کہ آپ کا سہارا لیا جائے آپ میرے اس مکتوب کو مؤقر رسالہ ''نعت رنگ'' کے آنے والے شمارے میں شرف اشاعت

بخش دیں تو میرا رابطہ خود بہ خود ان حضرات سے قائم ہو جائے گا۔ میں ان سبھی حضرات کو ''السلام علیکم'' کا تحفہ پیش کرتا ہوں، ان کی خیر و عافیت کا طالب ہوں اور اللہ پاک سے بھی اکثر ان رفقا کی عافیت سالمیت کی دعا مانگا کرتا ہوں۔

''اردو شاعری میں نعت'' ہر دو جلد میں کتابت کے اغلاط مالک مطبع کی لاپروائیوں کی وجہ سے بہ کثرت در آئے ہیں۔ کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقا''، میں نے خود طبع کروائی تھی، اس لیے اس میں اغلاط کتابت کم ہیں۔ یہاں پر اس امر کا اکتشاف بھی کرتا چلوں کہ پاکستان میں ''اردو شاعری میں نعت'' بہت کم لوگوں کے پاس ہے۔ کیوں کہ نسیم بک ڈپو لکھنؤ میں آتش زدگی کی وجہ سے کتاب مذکور کے سارے نسخے بجز ان پچاس کے جو راقم کے پاس تھے، جل کر خاکستر ہو گئے۔ راقم نے محترمی و مکرمی شہزاد احمد اور مشفقی غوث میاں کو ایک ایسا نسخہ ارسال کیا تھا، جس میں سارے اغلاط درست کر دیے گئے تھے۔ ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' کے نسخے پاکستان میں متعدد حضرات کے پاس محفوظ ہیں، جن میں محولہ بالا پانچوں رفقا شامل ہیں۔ راقم برادرم ظفر اقبال صاحب کی وساطت سے آپ کی خدمت اقدس میں ''نعتیہ شاعری کا ارتقا'' اور ''ندوۃ العلما: محرک و بانی'' کا ایک ایک نسخہ ارسال کر رہا ہے۔ بقیہ کتابیں جو راقم کے مصنفہ یا مؤلفہ ہیں، بعد میں ترسیل کی جائیں گی (تلاش کرنے کے بعد) راقم اپنی زیرنگرانی پی ایچ ڈی کی ڈگری سے نوازی گئیں خواتین کو ہفتہ عشرہ میں ہدایات دے دے گا۔ کہ وہ اپنے مقالوں کی زیراکس کاپیاں ظفر اقبال صاحب کے توسط سے آپ کو ارسال کر دیں۔

ڈاکٹر یحییٰ نشیط، کل گاؤں، بھارت

''نعت رنگ'' کے شمارے ۹ اور ۱۰ کے ساتھ محترم کشفی صاحب کی ''نسبت'' بھی دستیاب ہوئی۔ دیدہ زیب سرورق اور ایمان افروز مشمولات کے ساتھ ''نعت رنگ'' زیر مطالعہ رہتا ہے تو دل کو ایک خاص طرح کی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ حب رسول ﷺ میں جسم کا رواں رواں جھومنے لگتا ہے۔ مدح رسول ﷺ تالیف قلبی کے ساتھ ذہنی بصیرت، شعوری عقیدت اور فہم و بصارت کو جلا بخشتی ہے۔ ''نعت رنگ'' کے مشمولات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ تعلیم رسولؐ کی بہ نسبت تعمیل رسول ﷺ کے بالمقابل اتباع رسول ﷺ کو ترجیح دیتے ہیں اور کیوں نہ دیں کہ سچا عاشق رسول ﷺ پکا متبع رسول ﷺ ہوتا ہے۔ دعویٰ عشق رسول ﷺ کی

دلیل اتباع سنت رسول ﷺ میں ہے۔ مسلمانوں کو زندگی کا یہ قرینہ آپ، صبیح رحمانی صاحب! نعت رنگ کے ذریعہ سکھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، آمین۔ میں نہایت ممنون و مشکور ہوں کہ آپ میرے مضامین تواتر کے ساتھ مناسب جگہ پر شائع فرماتے ہیں۔

مولانائے محترم جناب کوکب نورانی میرے مضامین توجہ سے پڑھتے ہیں یہ میرے لیے باعث انبساط و افتخار ہے آپ نے حالیہ شمارے میں میرے مضامین کی بعض باتوں پر اشکال فرمایا ہے۔ ان کی توجیہہ خاکسار ذیل میں پیش کر رہا ہے۔

۱۔ قصیدے کو ''قصد'' سے مشتق ماننے میں مجھے جو تأمل ہے وہ اس لیے کہ بہترین اور اعلیٰ شاعری خیالات میں آمد ہی آمد سے وجود میں آتی ہے۔ ''آورد'' اس کے لیے عیب ہے اور فن شاعری میں ''آورد'' یوں بھی معائب میں شمار ہوتا ہے۔ لفظ قصد سے ذہن ''آورد'' کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اس لیے قصد سے قصیدے کے اشتقاق کو ماننے میں مجھے تأمل ہے۔ موصوف مولانا نے انما الاعمال...الخ والی حدیث سے جو جرح کی ہے اس توضیح کے مطابق غیر ضروری ہے۔

۲۔ مولانا محترم کوکب نورانی صاحب کو دوسرا اعتراض یہ ہے، ''عبد و معبود کے فرق کو مٹانے کی ''دانستہ کوشش'' کرنے والے شعرا اور نبی پاکؐ نے جن قصائد میں اس حد کو قائم رکھنے کے لیے اصلاح فرمائی اس کی مثالیں دینی چاہیے تھیں۔'' موصوف کے اس اعتراض کو میں آپ کے تجاہل عارفانہ پر قیاس کرتا ہوں۔ اس لیے کہ الحمدللہ! آپ عربی ادبیات اور احادیث نبویہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ کیا واقعی آپ کی نظر سے بخاری شریف کی یہ حدیث نہیں گزری جس میں فرمایا گیا ہے کہ... ''ایک جگہ کچھ لڑکیاں دف بجا کر بدر کے شہدا کی شجاعت بیان کر رہی تھیں۔

اس وقت ان میں سے ایک لڑکی نے ایک شعر یوں پڑھا۔ ''ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ بات مت کہہ اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ۔'' سنن ابی داؤد کے باب کراھیۃ التمادح'' میں بھی بعض ایسی حدیثیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تو ان کلمات کے استعمال سے بھی روک دیا جو آپ ﷺ کی ذات کے لیے سزاوار تھے۔'' اس کے علاوہ مسلم شریف، جامع الترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ کی جانب مولانائے محترم کی توجہ مبذول کرانا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔

۳۔ محترم نورانی صاحب نے ''تعویذ گنڈوں'' کی بات پر میرے ''دل کی گرہ'' تلاش کی ہے اور میرے مسلک کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے تو ادباً عرض ہے کہ چوں کہ تعویذ گنڈوں کے متعلق آنحضور ﷺ نے کراہت کا اظہار کیا ہے اس لیے خاکسار ان چیزوں پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر بعض ایسے تعویذ بھی دیکھنے کو ملے جو ایسے اشعار پر مشتمل تھے جن کی رکاکت سے انکار کرنا کوتاہ ذہنی اور کور بینی سے کم نہیں۔ نقوش سلیمانی کے بعض گنڈوں کے فقرے تو کفر تک پہنچانے والے ہیں۔ ''شاعر اور توہم پرستی'' مشمولہ شاعری ممبئی اس مضمون میں، میں تفصیلاً اپنے موقف کا اظہار مثالوں کے ساتھ کیا ہے۔ اس مضمون سے آپ کو میرا مسلک بھی سمجھ میں آجائے گا۔ ویسے الحمدللہ! ایک سچا پکا مسلمان بن کر زندگی گزارنے کی اللہ کے فضل و کرم سے سعی کرتا ہوں۔ اتباع رسولؐ کے بغیر عشق رسول ﷺ کو کم زور ایمان سمجھتا ہوں۔ مسالک کی گروہ بندی نے اُمت میں جو توڑ پیدا کیا ہے، خاکسار کو اس کا ہمیشہ قلق رہا ہے۔ کسی کی دل آزاری کرنا اور اُمت میں افتراق و منافرت کو بڑھانا میری تحریر کا مقصد کبھی نہیں رہا ہے۔ ہاں! حقائق کی کڑواہٹ کسے گراں گزرتی ہو تو اس کے لیے مجھے معذور سمجھا جائے۔

نعت رنگ کے شمارہ نمبر۹ کے ایک خط میں محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے یہ اشکال کیا ہے کہ... ''حمد و ثنا دونوں کا معنی تعریف ہے۔ نبیؐ اکرم کی ثنا ہو سکتی ہے تو حمد کیوں نہیں ہو سکتی۔ اسی قسم کا اعتراض بہت پہلے مولانا کوکب نورانی صاحب نے بھی شمارہ نمبر۶ میں اُٹھایا تھا۔ ان دونوں حضرات سے گزارش ہے کہ نعت کی جگہ لفظ ''منقبت'' کا استعمال جیسا مناسب محسوس نہیں ہوتا اور ''حمد و کبریا'' کو کبھی ہم ''نعت کبریا'' نہیں کہتے کیوں کہ اصطلاحاً نعت حضور ﷺ کی تعریف ہے اور حمد اللہ رب العزت کے لیے مستعمل ہے۔ اس مروّجہ اصطلاح کی کو استعمال کی جگہ تبدیل کردی جائے تو معنی میں اشتباہ پیدا ہوجائے گا۔ اس حقیقت سے یہ دونوں صاحبان واقف ہیں۔ لیکن ان کا اس پر بہ ضد ہونا ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ ادبی اور شرعی نقطۂ نظر سے میں سمجھتا ہوں یہ رویہ مناسب نہیں۔

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی۔ علی گڑھ

آپ کی عنایت اور محترم ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کی وساطت سے ''نعت رنگ'' کا

شمارہ نمبر ۱۰ موصول ہو کر موجب صد تشکر ہوا! مذکورہ شمارے میں آپ نے میرا ترجمہ، بانت سعاد بھی شائع فرمایا ہے اس کے لیے سپاس مزید! کتاب (کمپوزنگ) کی اغلاط کی ناقابل بیان حد تک بہتات ہے۔ براہ کرم مجلّے کی پروف ریڈنگ پر مزید توجہ کی زحمت کیجئے تاکہ آئندہ شمارے نسبتاً کم اغلاط کے ساتھ (بلکہ پورے طور پر بغیر اغلاط کے) شائع ہوں، (کتابت کی غلطی کی فاش مثال یہ ہوسکتی ہے کہ بوصیری کو متعدد مقامات پر بصیری لکھا ہے) فہرست مضامین (دھنک) میں میرے نام کی نسبت نعمانی کی جگہ عثمانی کردی گئی ہے۔ (ب) ص ۱۷۱ پر شعر نمبر۲ کے ترجمہ میں باہمہ کی جگہ باہم چھپا ہے جس سے مصرع ناموزوں ہوگیا ہے (ج) ص ۱۷۵ پر شعر نمبر ۲۰ کے ترجمے میں ''بچڑی کو'' کی جگہ ''بچھڑی کی'' چھپا ہے یہ بھی درست نہیں ہے (د) اسی صفحے (۱۷۵) پر شعر نمبر۲۲ کے ترجمے میں (چوتھے مصرعے کے آخر میں) پہ کی جگہ پر چھپنے سے مصرع ساقط الوزن ہوگیا ہے۔ (ہ) اسی ص ۱۷۵ پر شعر نمبر۲۴ کے ترجمے کے پہلے مصرع میں ناک کی جگہ نام چھپا ہے اور اس مصرع میں دونوں اور تک کے بیچ سے لفظ ''کانوں'' غائب ہے۔ جس سے مصرع کا مفہوم اور وزن دونوں بگڑ رہے ہیں۔ (و) ص ۱۷۸ پر شعر ۳۸ کے ترجمے کے پہلے مصرع کے جہان کے نون کا نقطہ غائب کردیا گیا ہے جس سے مصرع کا وزن خلل پذیر ہوگیا ہے۔ ابھی میں نے ترجمہ بھی سرسری طور سے پرکھا ہے تو مذکورہ اغلاط پر نظر پڑی، اگر نظر جما کر پرکھا جائے تو اور بھی غلطیاں نکل سکتی ہیں۔ لہٰذا پروف ریڈنگ پر آپ کی توجہ کے لیے مکرر عرض پرداز ہوں! اگر ممکن ہو تو ''نعت رنگ'' کے کچھ سابقہ شمارے ارسال کرنے کی زحمت فرمایے تاکہ اس کے مشتملات پر ایک تفصیلی تبصرہ قلم بند کرکے آپ کو بھیج سکوں۔

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی۔ کرناٹک، بھارت

''نعت رنگ'' کے دونوں شمارے نمبر۹ اور ۱۰ موصول ہوئے۔ ساتھ ہی عصر حاضر کی بزرگ ادبی وشعری شخصیت جناب پروفیسر سیّد محمد ابوالخیر صاحب کشفی کا خوب صورت نعتیہ مجموعہ ''نسبت'' نظر نواز ہوا۔ ان قیمتی تحفوں کے لیے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔

نعت گوئی کے فن پر جناب ابوالخیر کشفی صاحب کی تحریریں مختلف ادبی رسائل خصوصاً نعت رنگ میں پڑھنے اور مستفید ہونے کا موقع ملتا رہا ہے، اور اسی طرح رسائل میں ان کی

نعتوں سے محظوظ و مستفیض ہوتا رہا ہوں، مگر اب اتنی ساری نعتوں کو ایک ساتھ ایک مجموعہ کی صورت میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، اس کے مطالعہ سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوا۔ پروفیسر کشفی صاحب کی خدمت میں میرا اسلام عرض کردیں اور اس مجموعہ کی اشاعت پر مبارک باد بھی۔

کئی ماہ ہوگئے، میں نے اپنی ایک نئی کتاب ''ادب کا اسلامی تناظر'' آپ کی خدمت میں بہ ذریعہ رجسٹرڈ ڈاک بھجوائی تھی۔ معلوم نہیں ملی بھی یا نہیں۔ براہ کرم اس کے بارے میں بھی ضرور لکھیے۔

نعت رنگ کے دونوں شمارے ابھی سرسری طور سے دیکھ سکا ہوں، دو دن قبل ہی یہ ڈاک سے ملے ہیں۔ آپ نے حسب معمول نہایت معیاری اور قیمتی مضامین جمع کر دیے ہیں، جس سے نعت کے فن پر نئے نئے مباحث سامنے آرہے ہیں اور موضوع سے متعلق کئی نئے پہلو روشن ہوگئے ہیں، اس طرح ''جہان نعت'' میں آپ کے رسالہ کے ذریعے بڑا قیمتی اضافہ ہوا ہے اور یہ بلاشبہ آپ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس خدمت عظیم پر میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے۔

نعت رنگ شمارہ نمبر۱۰ کی خاص چیز پروفیسر شفقت رضوی کا وہ طویل مقالہ ہے جو اردو نعت کی تحقیقی وتنقیدی کتب پر تنقیدی تبصرے کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے۔ بلاشبہ موصوف نے خاصی محنت کی ہے اور تاریخی نوعیت کا کام انجام دیا ہے۔ جس سے میرے جیسا نعت کا ایک معمولی طالب علم ہی نہیں، ماہرین شعر و ادب بھی استفادہ کریں گے۔ میں نے تو اس مضمون کو بڑے ذوق وشوق سے پڑھا اور ایک بار میں جب سیری نہیں ہوئی تو دوسری بار خوب چبا چبا کر پڑھا اور یقیناً میرے علم میں اضافہ بھی ہوا اور مطالعہ کی کئی نئی جہات واضح ہوکر سامنے آگئیں، جس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔ اس مبسوط مقالہ کی تخلیق پر میری طرف سے پروفیسر شفقت کی خدمت میں مبارک باد پیش فرمادیں۔ ہاں اس وقت صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس مقالہ کے حرف آخر کا دوسرا حصہ، جو مضمون کا آخری پیراگراف ہے اور صفحہ نمبر۱۳۷ پر شائع ہوا ہے، میرے خیال میں شاید اس کی ضرورت نہیں تھی۔ بہر حال بے باکی اور صاف گوئی اس مضمون کی خاص خوبی ہے۔ ابھی تو میں صرف رسالہ کی مختصر رسید لکھنے بیٹھا تھا، اور یہ خاصا طویل خط تیار ہوگیا۔ جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ ان شاء اللہ پورا

رسالہ پڑھ کر خاص طور سے اس مضمون کے حوالہ سے اپنے تأثرات تحریر کروں گا۔

عبدالعزیز خالد۔ لاہور

''نعت رنگ'' کے مارچ اور اپریل ۲۰۰۰ء کے دونوں شمارے (۹۔۱۰) ملے۔ اس کرم فرمائی کا نہایت ممنون ہوں۔ میں نے پوچھا تھا کہ چند سال پہلے جو میں نے تین نعتیں بھجوائی تھیں، ان میں سے ایک تو مطبوعہ شکل میں نظر سے گزری۔ باقی دو کا پتا نہیں چلا۔ اگر وہ شائع ہوئی ہوں تو ان کی فوٹو اسٹیٹ بھجوا کر مزید ممنون فرمائیں۔ اسی زمانے میں، میں نے ایک خط میں آپ کی توجہ اعراب (املائی حرکات، زیر، زبر، پیش، شد) کی طرح دلائی تھی کہ ان سے بے اعتنائی کر کے ہم اردو زبان و بیان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں اور نسل نو کو اردو سے بیگانہ کررہے ہیں۔ اب تو اعراب والے کمپیوٹر بھی دستیاب ہیں۔

شمارہ (۱۰) میں جناب رشید وارثی صاحب نے اپنے طویل اور فاضلانہ مضمون ''اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں'' میں صفحہ ۲۱ اور ۲۲ پر اس خاکسار کے دو شعر بھی سوئے ادب کے ضمن میں نقل کیے ہیں:

یہ قلب سلیم اس کا پڑھتا ہے کلمہ
جس البیلے افعی نے اس کو ڈسا ہے
طبیعت میں وہ قدرتی شرم جیسے
کہ پردہ نشیں کوئی ناکتخدا ہے

پہلے شعر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ''شعر میں بیان کیا گیا ہے کہ شاعر کا قلب سلیم اس انوکھے یا خوبصورت ناگ کا کلمہ پڑھتا ہے جس نے اسے ڈسا ہے۔ یہاں معاذ اللہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لیے ایک خوب صورت ناگ کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے عشق مبارک کی تاثیر کو ڈسنے سے تعبیر کیا گیا ہے... الخ!

گزارش ہے کہ وارثی صاحب کو اس شعر کا محل و محمل سمجھنے میں سخت مغالطہ ہوا ہے۔ اس شعر کا متکلم نہ تو شاعر ہے اور نہ اس کے ضمیر ''اس'' کا مرجع آپ ﷺ کی ذات اقدس۔ یہ تو ''فارقلیط'' کے ابتدائی حصے میں ایک بپیت کی ماری، برجوگ مُیار لیلیٰ کی پکار ہے۔ جو رفیقہ، قتیلہ اور فاطمہ بنت مر کے ساتھ ان ''بتان سیہ چشم و شمشاد قد'' میں شامل ہے جو حضور والا کے

جواں میر، جوان رعنا والد حضرت عبداللہ سے شادی کی خواہاں تھیں۔ غم فراق کی شدت میں ناامید، اس امیدوار حسینہ کی زبان سے یہ کرب وکیف کے الفاظ نکلتے ہیں۔

''سلیم'' کے معنی یہاں... ''لدیغ'' سانپ کا کاٹ کھایا ہوا، ڈسا ہوا اور وہ شدید زخمی جو ہلاکت کے قریب ہو'' کے ہیں۔ اس کے معروف معنی... ''صحیح و سالم، تندرست، چنگا، درست، کامل، صاف دل اور حلیم'' وغیرہ کے ہیں۔ مارگزیدہ اور جاں بہ لب کے لیے یہ تفاؤلاً، نیک شگون کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

دوسرے شعر کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں: ''شعر میں آپ ﷺ کی طبع مبارک میں شرم و حیا کے عنصر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ لیکن اس بے احتیاطی کے ساتھ کہ شرم و حیا کے ضمن میں آپ ﷺ کو پردے میں بیٹھی ہوئی کنواری لڑکی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو آپ ﷺ کے ادب و تعظیم اور جلالت شان کے پیش نظر بڑی روح فرسا جسارت ہے۔ واضح رہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ قول کتب احادیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ میں کسی پردہ نشین عورت سے زیادہ حیا تھی۔ اس قول پر شارحین نے نکتہ چینی فرمائی ہے جیسے کہ ''مدارج النبوت'' میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس تشبیہ کو آپ ﷺ کے ادب و تعظیم کے حوالے سے پسندیدہ نہیں سمجھا...''

محدث دہلوی کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری اور نہ ہی ان شارحین کی نکتہ چینی جن کا انھوں نے نام نہیں لیا۔

ہے اپنی اپنی نظر، اپنا اپنا ذوق نظر
جدا جدا ہے مذاق جمال ہر انساں

لیکن:

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ ہم مست

جناب خدریؓ کی روایت کے الفاظ ہیں: کان النبی، رسول ﷺ اشد حیاء من العذرا فی خدرھا!

میرے سامنے اس روایت کے قابل استناد و استشہاد ہونے کے لیے درج ذیل مآخذ

تھے اور ہیں:

۱۔ صحیح بخاری	کتاب الادب،	باب الحیا (۷۷) حدیث ۱۴۳
۲۔ صحیح مسلم	کتاب الفضائل،	باب کثرۃ حیاءہ (۱۹۸) حدیث ۱۳۳۲
۳۔ سنن ابن ماجہ	کتاب زھد،	باب الحیا (۱۷) حدیث ۴۱۸۰
۴۔ مسند احمد بن حنبل	ج ۳	
۵۔ الشفا از، قاضی عیاض اندلسی	فصل الحیا	
۶۔ ریاض الصالحین از، ابوزکریا نووی دمشقی	کتاب الادب	باب الحیا (۸۴) نمبر۴/۶۸۴۔ آخر میں لکھا ہے: متفق علیہ
۷۔ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار از، امام یوسف بن اسماعیل نبہانی	باب حیا وچشم پوشی میں الشفاء کے حوالے سے	
۸۔ شمائل رسول از امام نبہانی	شرم وحیا اور مزاج میں یہ روایت درج ہے	
۹۔ شمائل ترمذی	باب ما جاء فی حیاء رسول اللہ، میں	
۱۰۔ شمائلِ کبریٰ از مولانا نشتر جالندھری و مولانا غلام رسول مہر	باب شرم وحیا میں ان الفاظ کے ساتھ (بقول بخاریؒ صحابہؓ سے مروی ہے)	
۱۱۔ رحمۃ للعالمین از، قاضی سلیمان منصورپوری	ج ۳	شرم و حیا کے ذیل میں صحیح بخاری کے حوالے سے
۱۲۔ سیرۃ النبی از سیّد سلیمان ندوی	ج۶	باب فضائل اخلاق میں شرم و حیا کے تحت بخاری کے حوالے سے
۱۳۔ سیرۃ نبوی پر ایک محققانہ نظر از، خلیفہ محمد سعید		باب حیا میں یہ روایت درج ہے
۱۴۔ نقوش (لاہور)	رسول نمبر ج ۴	حیا کے باب میں بخاری اور شفا کے حوالے سے

اگر وارثی صاحب اور وہ محترم حضرات جن پر تکیہ کرتے ہوئے انھوں نے اس روشن روایت پر ایراد اور اس کا استرداد کیا ہے مذکورہ وقیع حوالوں کو مستند و معتبر نہیں مانتے تو ان کی

جرأت انکار انھیں مبارک!

انھی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد!

جہاں تک میرا تعلق ہے،

یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے!

حمایت علی شاعر۔ کراچی

آپ کی خواہش کے مطابق اپنی نظم بھیج رہا ہوں۔ ''عقیدت کا سفر'' اوج کمال کے دفتر (صدر) میں رکھی ہے۔ وہ آپ کو پہنچا دیں گے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے۔

ابھی ''عقیدت کا سفر'' (نعتیہ شاعری کے سات سو سال کا انتخاب) کا حصہ اوّل شائع ہوا ہے۔ اس میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے لے کر مولانا ماہر القادری تک شعرا کے نعتیہ کلام کا انتخاب ہے۔ (صرف مرحوم شعرا) دوسرے حصے میں ان شعرا کا کلام بھی ہوگا جو خدا کے فضل سے زندہ ہیں۔ جن کا ذکر ٹی وی کے سلسلہ وار پروگرام میں کر چکا ہوں۔ (آپ بھی ان میں شامل ہیں) ممکن ہے آپ نے بھی یہ پروگرام دیکھا ہو۔

جب وہ حصہ چھپے گا۔ میں آپ کو بھجوادوں گا۔ آپ کا رسالہ خوب ہے۔ اکثر مضامین قابل مطالعہ ہوتے ہیں۔ خدا آپ کا حوصلہ سلامت رکھے۔ آپ اہم کام کر رہے ہیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

امین راحت چغتائی۔ راول پنڈی

''نعت رنگ'' کے نویں اور دسویں شمارے ملے، سر آنکھوں سے لگائے اور آپ کے درجات کی مزید بلندی کے لیے دعا کی۔ آپ کے حسن ذوق کی داد الگ۔ بلاشبہ نعتیہ ادب میں معیاری تنقید کی ضرورت کو آپ نے پورا کر دیا ہے اور یہ بہت بڑا کام ہے۔ ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی تو میرے دل کی دھڑکن ہیں۔ ہم کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہوں، ہماری قربت میں کبھی فاصلے پیدا نہیں ہوتے۔ ان کا مضمون ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' سب سے پہلے پڑھا۔ بہت فکر انگیز مضمون ہے اور میں تو ان کے پہلے ہی جملے ''جب بھی شاعر محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد و نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔'' پر جھوم جھوم گیا۔ فیض کی مثال سے از خود دلیل بھی فراہم ہوگئی۔ کشفی صاحب میری متاع عزیز ہیں۔ مگر میں ان کی زیادہ تعریف

نہیں کروں گا کہ:

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو

آپ کے ہاں ایک اور صاحب ہیں رشید وارثی۔ انھوں نے بھی اس اکہتر سالہ بوڑھے کو مار رکھا ہے۔ ان کا مضمون میں لپک کر پڑھتا ہوں اور اپنے مالک کے حضور اس کے اس بے پایاں لطف و کرم پر سجدہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسے عہد میں زندہ رکھا ہے، جس میں رشید وارثی مضمون لکھ رہا ہے۔ وہ ہمارے نعتیہ ادب کے نہایت متوازن فکر اور گہری بصیرت رکھنے والے ناقد ہیں۔ ان کا مضمون ''اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں'' بار بار پڑھنا چاہیے۔ اللہ انھیں قائم و دائم رکھے۔

ایک جملہ خطوط کے بارے میں، براہ کرم ''نعت رنگ'' کو متنازع فیہ مسالک کی آماجگاہ نہ بنائیں اور یوں بھی نعت پر کسی ایک مسلک کی اجارہ داری نہیں ہے۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی۔ کراچی

اللہ کریم جل شانہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے ہم سب کو مسلک حق اہل سنت و جماعت پر استقامت اور دارین میں خیر و برکت اور عفو و مغفرت عطا فرمائے، آمین۔

یہ فقیر بیرون ملک دورے سے واپس آیا تو نعت رنگ کا شمارہ نمبر ۹ شائع نہیں ہوا تھا حالاں کہ آپ نے ماہ محرم سے قبل ملاقات میں یہی بتایا تھا کہ چند دن میں شائع ہونے والا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ آپ کناڈا تشریف لے گئے ہیں اور ماہ ربیع النور کے آخر میں واپسی ہوگی۔

۲۸ر جون کو نعت رنگ کے دو شمارے باصرہ نواز ہوئے۔ ماشاء اللہ، مبارک۔ آپ نے عمدگی و خوبی سے کم وقت میں اتنا سفر مکمل کرلیا۔ آپ نے ایک مرتبہ پھر دو شمارے اکٹھے شائع کیے جب کہ دونوں کا یک بار شائع کرنا بلاجواز تھا۔ گزشتہ مرتبہ حمد نمبر کی رعایت اور سال بھر کا التوا معقول عذر تھا۔ یوں آپ نے نعت رنگ کے قارئین پر نہ صرف مالی بوجھ ڈالا بلکہ باریک پوائنٹ کی کمپوزنگ میں بہت سے مواد کے مطالعے کا بھی انھیں پابند کرنے کی کوشش کی۔ کسی مجلّے کے حوالے سے یہ بات مناسب نہیں، اب ظاہری بات ہے کہ اسے سست روی ہی سے پڑھا جائے گا، ایک شمارہ ہوتا تو پذیرائی زیادہ ہوتی اور آپ کم وقفے سے دوسرا شمارہ لے آتے۔ تاہم آپ نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔ میری اس تنقید کو آپ منفی شمار نہ کیجیے گا، آپ کی

محنت اور جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن قارئین اور آپ کے متاثرین کی سہولت بھی پیش نظر ہے۔

ابتدا ہی میں میری اس تنقید سے اعتراض کا حق محفوظ رکھنے والے متعجب نہیں ہوں گے، انھیں تنقید ہی کے حوالے سے ان دونوں شماروں میں مجھ گناہ گار کا تذکرہ کچھ زیادہ دیکھنے کو ملا ہے۔ آپ نے مجھے نعت رنگ کے لیے لکھنے پر اصرار کر کے جانے کتنوں کو ناخوش کیا ہے۔ مجھے ہرگز دعویٰ علم نہیں، گود سے گور تک سیکھتے رہنے کا فرمان نبوی ﷺ نہ صرف یاد ہے بلکہ اس کی تعمیل ہی سے شغف ہے اور اہل علم وفضل سے اپنی خامیوں، کوتاہیوں کی اصلاح کا بھی طالب رہتا ہوں اور فی الواقع غلطی کا صرف اعتراف ہی نہیں کرتا بلکہ نشان دہی کرنے والے کا شکر گزار اور اس کے لیے دعا گزار بھی ہوتا ہوں۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! ماہ ربیع النور سے محافل میلاد شریف کا تسلسل اب تک ہے، مجھے ملک بھر اور بیرون ملک کے اسفار بھی درپیش رہتے ہیں لیکن میں نے دونوں شماروں کا مطالعہ فرصت کے ہر اس لمحے میں کیا جو مجھے میسر آیا۔ آپ سے فون پر بات بھی ہوئی۔ میں نے شکوہ بھی کیا کہ آپ میری تحریر میں تصرف نہ فرمایا کریں، ایسا کریں گے تو نعت رنگ میں میری کوئی تحریر نظر نہیں آئے گی۔ روزنامہ جنگ کراچی میں میرے ساتھ یہ معاملہ میری ہر تحریر میں رکھا جانے لگا تو میں نے ان کو پھر کوئی تحریر نہیں بھجوائی، وہ میرا یہ شکوہ بھی شائع کر چکے ہیں۔ آپ شاید اس بارے میں یہی فرمائیں کہ نقصان ان کا نہیں ہوا، تو جواب میں یہی عرض کروں گا کہ میں اپنے قارئین کو اپنا ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا جو میرے مؤقف کے منافی ہو، جب میری بات ہی نہیں پہنچی تو مجھے صرف نام سے غرض نہیں۔

جناب مقصود اویسی اور عدیل قاسمی نے ملاقاتوں میں نعت رنگ کے دونوں شماروں کے حوالے سے کئی استفسار کیے، پیرزادہ علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی نے اپنے ایک خط میں خوب تذکرہ کیا، احباب نے آپ کے ''نعت رنگ'' کا مدیر شاید مجھے گمان کر لیا ہے... مجھے پہلی مرتبہ حضرت مولانا محمد عبدالحکیم صاحب شرفؔ قادری کا مکتوب نعت رنگ میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں نثر ہی زیادہ دیکھتا ہوں، انھوں نے نظم بھی دیکھی اور بہت بجا اعتراض فرمایا۔ ایک قابل قدر علمی دینی شخصیت کا نعت رنگ کے قلم کاروں میں اضافہ خوش آئند ہے۔

سہ سرام، بھارت سے شائع ہونے والے سہ ماہی جریدے ''الکوثر'' کا جنوری تا جون ۲۰۰۰ء کا شمارہ آپ ہی نے مجھے بھجوایا، اس میں نعت رنگ کے شمارہ ۸ پر تبصرے میں بھی

میرا ذکر ہے۔ ص ۶۰ پر ''الکوثر'' میں ہے کہ ''ڈاکٹر خورشید رضوی نے حجرۂ نبویہ پر نعتیہ اشعار کی بازیافت فرما کر ایک اہم گوشے سے روشناس کروایا ہے۔'' اس بارے میں عالم حجاز سیّد محمد علوی مالکی نے ہی ''شفاء الفواد'' کتاب طبع کروا کے حجرۂ نبویہ پر کندہ اشعار سے ہمیں آگاہ کیا، ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب نے بھی اپنی تحریر میں اس کتاب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت علوی مالکی کی اس کتاب سے قبل ان تمام اشعار کو جاننے کی سعادت ہمیں حاصل نہیں تھی تاہم ڈاکٹر خورشید رضوی نے مزید تحقیق سے جن کتابوں کا تذکرہ کیا اس سے ان کی تحریر وقیع ہوئی۔ میری نظر سے ''شفاء الفواد'' سے پہلے کوئی اور کتاب ایسی نہیں گزری جس میں یہ تمام اشعار درج ہوں۔ ڈاکٹر خورشید رضوی اگر عربی سے واقف ہیں تو ''کشف الظنون'' اور'' ایضاح المکنون'' اور ''ہدیۃ المؤلفین'' وغیرہ سے محنت کر کے نعت رنگ کے لیے ایسی فہرست مرتب کر سکتے ہیں جس میں سیکڑوں کتابوں کے نام (مصنفین ومؤلفین کے نام، سنین وفات سمیت) جمع ہوں جو کہ نظم ونثر میں میلاد وسیرت اور مدائح وغیرہ کے حوالے سے یادگار بنائی گئی ہیں، یوں اردو دان اہل تحقیق اس فہرست سے استفادہ کرلیں گے۔ قصیدہ بردہ کے حوالے سے مجھے خیال آیا تھا کہ اس کی شروح جو عربی میں ہیں، ان کا تذکرہ جمع کردوں لیکن مجھے اتنی فرصت مل جائے تو جانے اور کتنے کام نمٹالوں۔ محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے ''جہان رضا'' کے شمارہ نمبر ۸۷ جون ۲۰۰۰ء میں ملک شیر باز کھلان کا ایک مضمون شائع کیا ہے ''اجرام فلکی حضور پاک ﷺ پر مسلسل درود وسلام پڑھ رہے ہیں۔'' ایک محبت والے کی اچھی سوچ کے حوالے سے اس مضمون میں سے کچھ، نعت رنگ کے قارئین تک پہنچانے کے لیے نقل کررہا ہوں، وہ لکھتے ہیں:

''شمس کا عدد ۴۰۰ ہے، سورج ساکن نہیں ہے، یہ ۴۰۰ سالہ دور میں ۹۷ دن لیپ کے بناتا ہے۔ ۹۷ کعبہ کا عدد ہے، گویا اس عرصے میں کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید کے ٹوٹل اعداد ۲۲۲۱ ہیں۔

اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید کے اعداد ۲۴۱۷ ہیں۔ کل میزان ۲۲۲۱+۲۴۱۷=۴۶۳۸ ہے۔

الہ کا عدد ۳۶ ہے، کعبہ کا ۹۷ ہے، محمد (ﷺ) کا عدد ۹۲ ہے۔ اب کلیہ یہ ہے کہ

الہ× (کعبہ+ محمد) × درود شریف۔

پس ۳۶× (۹۷+۹۲)× ۴۶۳۸= (۴۶۳۸ ×۱۸۹ ×۳۶)=۳۱۵۵۶۹۵۲۔

سورج اپنے مدار پر ۳۱۵۵۶۹۵۲ سیکنڈ میں ایک گردش پوری کر رہا ہے بالفاظ دیگر ایک سال میں ۳۱۵۵۶۹۵۲ سیکنڈ ہیں۔ اس سے بڑا معجزہ اگر کسی مذہب کے پاس ہے تو سامنے لائے۔ یعنی سورج سال بھر میں ۶۸۰۴ بار درود شریف پڑھ رہا ہے۔ (۶۸۰۴× ۴۶۳۸) =۳۱۵۵۶۹۵۲ ہے۔

عرش کا قطر ۴۵۴۰۰۰۰ نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کا عدد ۴۵۴ ہے۔ سورج سے زمین کا فاصلہ ۱۵۸۰۰۰۰ نوری سال ہے۔ (اللہ+ محمد) = ۱۵۸ ہے (۶۶ + ۹۲)....." وہ لکھتے ہیں: "منکرین قرآن کے لیے یہ امر ایک چیلنج ہے کہ قرآنی تعلیمات کا فلکیات سے جو اعدادی ربط ہے کیا اس قسم کا کوئی کرشماتی ربط ان کے پاس جو کتب ہیں، ان میں ہے؟"

مجھے یہ مضمون پڑھ کر محسوس ہوا کہ اس انداز سے بھی اگر دیکھا جائے تو اسلام کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی عظمت شان کے بہت سے حیرت انگیز پہلو اجاگر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کے آخری اور پیارے رسول کریم ﷺ کے فضائل و خصائص میں شبہ کرنے والے اپنے فہم و ادراک اور حواس میں کوئی نقص رکھتے ہیں ورنہ وہ ہستی جو باعث تخلیق کائنات اور مقصود کائنات ہے، جس کی تعریف خود ہمارا رب جلیل عزوجل فرماتا ہے، اس پر درود سلام بھیجتا ہے، اس کی عظمت شان کا کیا ٹھکانہ! اپنی ناقص عقل وفہم کی بنیاد پر اعتراض اور تنقیص کرنے والوں کو حضرت علامہ بدرالدین عینی (صاحب عمدۃ القاری شرح بخاری) کی زبان میں یہی جواب دینے کو جی چاہتا ہے: من قال فی غیر ذلک فاذنی عنہ اصم۔ جس کسی نے (نبی کے خصائص نہ مانے اور) اس کے سوا کچھ کہا تو اس کے سننے سے میرے کان بہرے ہیں۔ کتنے اچھے ہیں وہ لوگ جو قدرت کی طرف سے عطا ہونے والی ہر صلاحیت اور توانائی کو رب قدیر کے محبوب کریم ﷺ کی مدح وثنا اور فرماں برداری و پیروی میں لگا دیتے ہیں۔ محترم صبیح رحمانی صاحب! آپ کو نعت رنگ نے کتنی عزت وشہرت دی ہے۔ اندازہ کیجیے کہ میرے رسول کریم ﷺ کی نسبتوں کا فیضان کس قدر ہے۔ مجھے رشک ہوتا ہے کہ اس نوجوانی میں آپ کو یہ سعادت حاصل ہے۔ میرے عزیز! آپ سے پہلے بھی عرض کی تھی آپ ایسی تحریریں شائع

نہ کیجیے جو نعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے مہکتے گلستان میں کسی طرح شامل ہونے کے لائق نہیں بلکہ کانوں سے زیادہ کھٹکتی ہیں۔ آپ ہی سوچیے کہ جن قارئین تک ان غلط تحریروں کے جواب نہ پہنچے اور انہوں نے غلط تحریروں پر یقین کرلیا، ان کا وبال کس پر ہوگا؟ وہ لوگ جو ناسخ و منسوخ آیات و احکام، اقسام حدیث، اصول حدیث، نقد رجال، استخراج و استنباط وغیرہ سے واقف نہیں، خود محدث و مفتی نہیں، انھیں ان حوالوں سے زبان و قلم دراز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ اپنے عقیدہ و مسلک کے حوالے سے کسی علمی شخصیت پر اعتبار کرتے ہوں اور اس کو حجت سمجھتے ہوں تو اس کی تحریروں سے اقتباس نقل کردیں تاکہ خود ناقل ذمہ دار نہ ٹھہرے اور نعت رنگ کو اعتقادی مباحث کا ملغوبہ بنانے کا مرتکب نہ ہو۔ اس طرح جواب دینے والے کو بھی سہولت ہو اور قارئین پر بھی واضح رہے کہ کون سی بات صرف مسلکی وابستگی کے حوالے سے ہے اور کون سی تنقید و تحقیق کے حوالے سے ہے؟ نعت رنگ اگرچہ کسی مسلک کا ترجمان نہیں لیکن یہ بات ناقابل تردید ہے کہ مسلک حق صرف اہل سنت و جماعت ہی ہے اور ''اہل سنت و جماعت'' اصحاب نبوی ﷺ کا لقب تھا۔ اس کی گواہی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام سخاویؒ کی ''القول البدیع'' سے ''فضائل درود شریف'' کتاب میں جناب محمد زکریا کاندھلوی نے نقل کی: وروی ابوالقاسم التیمی فی الترغیب له عن طریق علی (زین العابدین بن حسین بن علی (رضی الله عنهم) قال علامة اهل السنة کثرة الصلاة علی رسول الله ﷺ۔ بہت زیادہ درود و سلام پڑھنا نشانی ہے اہل سنت کی اور یہ بات سیّدنا علی اوسط امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے یوں واضح طور پر ثابت ہوا کہ یہ لقب اہل سنت و جماعت، اصحاب نبوی ﷺ کے عہد مبارک سے اہل حق کے لیے استعمال ہوتا آرہا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اہل سنت کے ائمہ اربعہ سے یہ نام شروع ہوا، لیکن تحقیق سے واضح ہے کہ یہ نام قرن اول اور قرن ثانی ہی سے مکرر اور مستعمل چلا آرہا ہے۔ نعت اور درود و سلام سے شغف اہل سنت کی نمایاں علامت رہی ہے۔ اہل سنت کے مخالفین کے مشہور علامہ ابن تیمیہ بھی قرآنی آیت: یوم تبیض وجوه و تسود وجوه کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال ابن عباس وغیره تبیض وجوه اهل السنة والجماعة.... (مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ج۳، ص۲۷۸۔ اور جلد۳ کے ص۱۴۱ پر ہے: فان الفرقة الناجیة اهل السنة والجماعة... ''تفسیر ابن کثیر''، تفسیر مظہری اور ابن ابی حاتم نے اور ابونصر نے ''ابانہ'' میں، خطیب بغدادی

نے بھی اپنی تاریخ میں روشن چہروں والے، اہل سنت و جماعت ہی کو لکھا ہے۔ برصغیر میں دیوبند کے وابستگان نے جب اپنی راہیں جدا کیں اور اپنے دیوبندی نئے مسلک کو متعارف کروایا تو یہاں اہل سنت و جماعت صحیح العقیدہ کے لیے ''بریلوی'' کا لفظ پہچان کے لیے دیوبندی کے مقابل بیان ہوا، ورنہ بریلوی نہ کسی مذہب کا نام ہے نہ ہی کسی فرقے کا۔

مجھے یہ باتیں لکھنے کا موقع نعت رنگ کے مقالہ نگاروں ہی میں سے کچھ افراد نے خود فراہم کیا ہے مثلاً جناب ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے شمارہ ۹ کے ص ۱۱۵ میں ''ربیع الاوّل کے جشن'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے: ''اگرچہ اسلام نے حضرت رسول اللہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یوم ولادت و وصال کو منانے کا نہ حکم دیا ہے، نہ ترغیب!'' جناب شاہ جہاں پوری نے اپنا یہ دعویٰ جس قطعیت کے ساتھ ''اسلام'' کے حوالے سے لکھا ہے اس پر کسی قطعی شرعی دلیل کا ذکر تک نہیں کیا اور بیانیہ اس طرح ہے جیسے ان کا یہ دعویٰ ناقابل تردید ہو۔ جناب شاہ جہاں پوری ''مکمل اسلام'' سے کیا پورے پورے واقف بھی ہیں؟ عربی صرف ونحو تک سے وہ نابلد ہیں، انھیں ''مفتی'' ہونے کا اعزاز بھی حاصل نہیں، محدث وفقیہ ہونے کے وہ خود بھی دعوے دار نہیں ہوں گے۔ قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کے ترجمے بھی وہ مطبوعہ تراجم دیکھ کر نقل و بیان کرتے ہوں گے۔ وہ ابوالکلام آزاد یا شورش کاشمیری کے لیے مبالغہ انداز تحریریں شوق سے لکھیں مگر دینی علمی باب میں مغالطہ انداز خامہ فرسائی نہ کریں۔ کیا وہ اسلام سے یوم ولادت و وصال منانے کی ممانعت، ثابت وبیان فرمانے کی زحمت گوارا کریں گے؟ وہ تحقیق فرمالیں کیوں کہ دلیل حرمت ہی کے لیے ہوتی ہے، حلت کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں، فی اصل الاشیاء اباحۃ۔ وہ یوم ولادت و وصال کی بابت ''و سلام علیہ یوم ولد و یوم یموت'' کے قرآنی الفاظ سے آگاہ نہیں ورنہ مقبولان الٰہی کے بارے میں مغالطہ نہ کھاتے۔ وذکرھم بایام اللہ۔ کے قرآنی الفاظ کے تحت وہ دیوبندی علما ہی کی تحریریں دیکھ لیتے کہ اللہ کے دن کن ایام کو کہا گیا اور ان کو یاد دلانے کا ارشاد قرآنی ہوتے ہوئے بھی کتنی ''جرأت'' شاہ جہاں پوری صاحب اپنے مذکورہ دعوے میں دکھا رہے ہیں۔ جرأت کا لفظ انھیں پریشان کرے تو ''ڈھٹائی'' زیادہ موزوں ہوگا۔

اسلام سے دن منانے کے حکم اور ترغیب کے حوالے سے اتنے دلائل پیش کردوں کہ شاہ جہاں پوری صاحب حیران ہو جائیں۔ اس بارے میں انھیں اور ان تمام افراد سے، جو

یوم میلاد کا جشن منانے کو روا نہیں جانتے، یہی کہنا چاہوں گا کہ یہ لوگ اس دن یا اس کے جشن منانے پر مجبور نہیں کیے جاتے نہ ہی ان سے تقاضا کیا جاتا ہے تو پھر ان لوگوں کو بھی عید میلاد النبی ﷺ منانے والوں یا سلسلہ ہائے جشن میلاد شریف کے بارے میں مخالف و منفی باتیں لکھنے، کہنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ مجھے حیرت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن منانے، دارالعلوم کراچی کے پچاس سالہ جشن منانے، ابوالکلام آزاد اور شورش کاشمیری کے دن منانے پر اسلام کے حکم یا ترغیب کا جنھیں خیال تک نہ آئے وہ لوگ کائنات کی سب سے بڑی اور اہم عید، عید میلاد النبی ﷺ منانے کے ثبوت اور ترغیب کے باوجود انکار اور مخالفت کریں تو اسے عناد یا ضد ہی کہا جا سکتا ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے میں اپنی کتاب ''اسلام کی پہلی عید'' میں علمائے دیوبند ہی کی کتب سے دلائل پیش کر چکا ہوں بلکہ ہفت روزہ تکبیر نے جب عید میلاد النبی ﷺ کے خلاف لکھا تھا تو انھیں اس فقیر نے اپنی یہی کتاب بھجوائی تھی لیکن انھوں نے راہ فرار اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔

صبیح رحمانی صاحب! میلاد شریف اور عظمت شان رسول کریم ﷺ کے منافی باتوں کی اشاعت نعت رنگ میں نہ ہوئی ہوتی تو یہ جواب بھی نہ دیے جاتے۔ میں ہر اعتراض کسی معقول وجہ اور دلیل کی بنیاد ہی پر کرنے کی ہمت کرتا ہوں، وہ احمد صغیر صاحب صدیقی یا کسی اور کی سمجھ میں نہ آئے تو بھی جناب ابوالخیر کشفی صاحب کی طرح محض خاموشی اختیار نہیں کرتا بلکہ اپنی طرف سے پوری دیانت داری سے وضاحت کرتا ہوں۔ ابوسلمان شاہ جہاں پوری ص ۱۰۹ شمارہ ۹ میں ''عشق نبی ﷺ اور اس کا تقاضہ'' کے تحت لکھتے ہیں: ''نعت کے نام پر عشق و محبت رسالت مآب ﷺ کے واسطے جو ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے وہ نہ صرف روایت و درایت کے نقطۂ نظر سے ناقابل اعتنا ہے بلکہ اس کا ایک حصہ تو مشرکانہ و مبتدعانہ افکار کا مجموعہ اور رطب و یابس کا ڈھیر ہے۔'' شاہ جہاں پوری صاحب کو شورش کاشمیری کی مدح کرتے ہوئے اس کے کلیات میں کوئی خامی یا برائی دیکھنے کی فرصت نہیں ملی مگر انہوں نے نعت کے نام پر جمع ہونے والا ''تمام ذخیرہ'' خوب دیکھا اور اسے بیک جنبش قلم، روایت و درایت کے نقطۂ نظر سے ناقابل اعتنا بھی قرار دے دیا اور اس کے ایک حصے پر شرک و بدعت کا فتویٰ بھی صادر فرما دیا اور اسے ''رطب و یابس کا ڈھیر'' یوں کہہ دیا جیسے کوڑا کرکٹ ہو۔ نعت کے تمام ذخیرہ کے اشعار لاکھوں

سے متجاوز ہوں گے اور ان کا ایک حصہ بھی کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہوگا اگر جناب شاہ جہاں پوری سے اس کو پیش کرنے کا مطالبہ کردیا جائے اور شرعی دلائل کے مطابق اس میں ''مشرکانہ و مبتدعانہ افکار'' اور ''رطب و یابس'' کا ثبوت ظاہر کرنے کو کہا جائے تو وہ ذمہ داری سے یہ خدمت انجام دیں تاکہ آئندہ نسلوں کو اس مشرکانہ و مبتدعانہ افکار کے مجموعے اور رطب و یابس کے ڈھیر کا علم ہو جائے اور وہ اس سے بچ سکیں۔ جناب شاہ جہاں پوری یہ بھی زحمت فرمائیں کہ ''شرک و بدعت'' کی جامع و مانع تعریف بھی پہلے بیان فرما دیں اور اس پر ثابت قدم رہیں تاکہ اہل تحقیق اس کے مطابق جناب شاہ جہاں پوری اور ان کے ممدوحین اور ان کے ہم مسلک افراد کی تحریروں کا جائزہ بھی پیش کرسکیں اور حقائق واضح ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اپنے ممدوح کے لیے مبالغے و مغالطے سے بھرپور ''رطب و یابس'' کے ڈھیر کو ''شاہکار'' قرار دینے والے لوگ میرے نبی کریم ﷺ کی مدح و ثنا کے باب میں تنگ نظر کیوں ہوجاتے ہیں؟ ''شورش کی یاد کو زندگی کا سرمایہ، شورش کی شخصیت کے بے شمار محاسن اور اس کی فکر و سیرت کے بے شمار خصائص اور اس کے تذکرے کو اپنی زبان و قلم کے لیے حکایت لذیذ'' قرار دیتے ہوئے جو لہجہ و بیان ہے اور جو شیفتگی و وارفتگی ہے وہ ذکر نبی کرتے ہوئے مفقود ہوگئی اسی لیے رطب و یابس کو حکایت لذیذ اور مدائح نبوی کو رطب و یابس لکھا گیا۔

جناب شاہ جہاں پوری نے اسی صفحے پر لکھا ہے، ''یہ عشق رسالت مآب ﷺ اسلام کے نام پر ایک نئے اسلام کی دعوت و تذکیر ہے، شورش نے اس پر ماتم کیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس ایجاد و اضافہ اور ابداع و بدعہ پر کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں!'' (ص ۱۰۹، شمارہ ۹)

محترم صبیح رحمانی صاحب! آپ کے نعت رنگ کے قارئین کی اکثریت مسلمان کہلاتی ہوگی۔ جناب شاہ جہاں پوری کے وہ یہ الفاظ ذرا توجہ سے ملاحظہ فرمائیں: ''یہ عشق رسالت مآب ﷺ'' لکھ کر اس کو اسلام کے نام پر ایک نئے اسلام کی دعوت و تذکیر کہنا کیسی دریدہ دہنی ہے۔ جناب شاہ جہاں پوری کو بعض شعرا کے سطحی کلام پر یا شان رسالت کے منافی الفاظ کے استعمال پر لازمی اعتراض کرنا چاہیے اور نبی کریم ﷺ سے عشق و محبت کے آداب و انداز کے حوالے سے ضروری تلقین و تعلیم کرنی چاہیے لیکن خود ان شعرا سے زیادہ رکیک انداز میں (صرف اپنے ممدوح شورش کی تائید کے لیے) ایسی بات کر جانا بھی سنگین جرم ہے، نہ جانے انھیں شورش کیوں اتنا محبوب ہے کہ وہ اس کی محبت میں اپنے ذہن و قلم کو قابو میں نہ رکھ

سکے۔ جناب شاہ جہاں پوری ایک عرصہ تدریس سے وابستہ رہے ہیں اور تعلیم و تربیت سے شغف رکھنے والے تو دوسروں کے لیے مثال اور نمونہ ہوتے ہیں، انھیں بہت احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے، انھیں شاید اندازہ نہیں کہ ان کے ممدوح شورش نے اپنی نظم و نثر سے اہل ایمان کی بہت دل آزاری بھی کی ہے، شورش ان کے نزدیک کتنا ہی اچھا ادیب و شاعر یا نقاد وغیرہ کیوں نہ ہو، وہ خالی از معائب انسان نہیں تھا اور اس سے اختلاف رکھنے والے بہت سے لوگ اس شورش سے بڑھ کر علمی، ادبی خوبیاں رکھتے تھے اور رکھتے ہیں، یہی نہیں بلکہ ایجاد و اضافہ اور ابداع و بدعہ کے حوالے سے خود شورش یا ظفر علی خاں کی تحریروں میں بھی تضاد اور تعارض و تناقص موجود ہے۔ افسوس کہ اس کا ماتم نہیں کیا جاتا اور اس کے متاثرین کے حلقے میں کوئی ان غلطیوں کوتاہیوں پر ٹوکنے والا بھی نہیں!

جناب شاہ جہان پوری مزید لکھتے ہیں، عنوان ہے: ''نعت میں اسراف و تبذیر'' اس کے تحت وہ رقم طراز ہیں: ''اسراف و تبذیر اگرچہ اسلامی معاشیات کی اصطلاحات ہیں، لیکن اگر مال کا کسی غیر محل میں بے جا صرف کرنا غلط ہے تو الفاظ کا بے جا و بے محل استعمال اور فکر و عقائد میں کسی نئی بات کا اضافہ ضروری قرار دینا اور اسلام کے اساسی عقائد میں کسی نئے ایمان کا لازم کر لینا اور کسی بات کا ضروری ٹھہرا لینا بھی اتنا ہی غلط اور ابداع ہے اور جس طرح صرف مال میں فضول ''اسراف'' ہے اسی طرح افکار و عقائد میں بھی کسی چیز کا فضول اور زائد اختیار کر لینا اور تسلیم و رضا میں لازم ٹھہرا لینا اسراف فکر و عقیدہ ہے اور عقیدہ چوں کہ کسی عمل کی بنیاد بنتا ہے، اس لیے عمل میں ٹھوکر کے مقابلے میں فکر و عقیدہ کی گم راہی زیادہ الم ناک اور سنگین ہوتی ہے۔

نعت میں عشق و محبت کے الفاظ کا اس درجہ بے جا استعمال اور ''اسراف'' کیا گیا ہے کہ بعض نعت گو شعرا اور علما و مشائخ کی سیرتوں میں اس کا سراغ دُور دُور تک نہیں ملتا۔ یہ فسق کی بڑی سنگین قسم ہے۔'' (ص۱۰۹، شمارہ۹)

جناب شاہ جہاں پوری کے اس پورے اقتباس کے ساتھ کوئی مثال اور نمونہ درج نہیں۔ وہ زحمت فرمائیں اور بتائیں کہ فکر و عقائد میں کون سی نئی بات کا اضافہ ضروری قرار دے لیا گیا ہے؟ اسلام کے اساسی عقائد میں کس نئے ایمان کو لازم کیا گیا ہے؟ کس بات کو ضروری ٹھہرایا گیا ہے؟ جسے وہ ابداع و غلط فرما رہے ہیں۔ کس چیز کا فضول اور زائد استعمال کیا

گیا ہے؟ وہ جب تک واضح نہیں کرتے اور نمونہ و مثال پیش نہیں کرتے اس وقت تک ان کا یا شورش کا اس بارے میں نرم وسخت الفاظ میں ماتم چہ معنی دارد؟

جناب شاہ جہاں پوری کو عشق و محبت کے الفاظ کا بے جا استعمال بھی ظاہر کرنا چاہیے۔ ہر دعویٰ اپنی دلیل سے ثابت ہوتا اور وقعت پاتا ہے، وہ جسے ''قلبی قساوت'' اور ''فسق کی بڑی سنگین قسم'' قرار دے رہے ہیں اس بارے میں انھیں بغیر کوئی شرعی دلیل پیش کیے اور مثال دیے بغیر اپنی بات کی صحت پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر شاعر کی کہی ہوئی ہر نعت، حمد، منقبت وغیرہ کو صرف یہ کہہ کر قبول نہیں کیا جاسکتا کہ یہ حمد و نعت و منقبت بالائے تنقید ہے بلکہ اسے حقیقت اور عقیدہ و عقیدت کے صحیح تقاضوں سے متصادم یا متضاد پاکر ہی نقد و جرح کا ہدف بنایا جاسکتا ہے اور ایسا ہونا چاہیے کیوں کہ حمد و نعت میں احتیاط کا ہر تقاضا ملحوظ رکھنا ضروری ہے لیکن عشق کو شرک اور محبت کو بدعت کہنے والے لوگوں کے پیمانے پر نہیں بلکہ ادلہ شرعیہ کے مطابق تصحیح و تنقید ہو اور ایسا کرنے والا بھی دیانت و صداقت کا پاس دار ہو اور علم وفہم میں توازن رکھتا ہو۔

وہ خود لکھتے ہیں: ''جو دل عشق رسالت مآب ﷺ کا آشیانہ ہوگا اس میں غیر از حق کوئی چیز کیوں کر سما سکتی ہے اور جس زبان سے عشق نبی ﷺ کا دعویٰ کیا جائے اس زبان سے غیر از حق کوئی کلمہ کیسے نکل سکتا ہے۔''

خود شورش کا شعر جناب شاہ جہاں پوری نے لکھا ہے کہ:

جس کے پہلو میں ہو دل، دل میں پیمبر کی لگن
اس کا ہر بول صداقت کی زباں ہوتا ہے

شورش کاشمیری کے کلام سے ''ظہور قدسی'' کے عنوان والی ایک نظم یا نعت کو جناب شاہ جہاں پوری نے متعدد خوبیاں بتا کر لاجواب نظم قرار دیا ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:

طاعت غیر ہے اللہ کے بندوں پہ حرام
اس حقیقت کو بجھانے کے لیے آپ آئے

(ص ۱۱۴۔ شمارہ ۹)

جناب شاہ جہاں پوری شاید جانتے ہوں، قرآن کریم میں ہے: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ لفظ غیر کے حوالے سے دیوبندی وہابی گروہ کے

وابستگان، نبی ولی کو بہت تحقیر کے ساتھ غیر اللہ لکھتے کہتے ہیں، ان کی تحریریں، تقریریں اس کی گواہ ہیں، اس آیت قرآنی کے مطابق شورش کے اس شعر کو جناب شاہ جہاں پوری کیا کہیں گے؟ کوئی جواب تحریر فرمانے سے پہلے وہ میرا اعتراض خوب غور سے سمجھ لیں وہ صرف غیر اللہ کہنے کے حوالے سے ہے کہ کیوں اور کس طرح کہا جاتا ہے۔ اسی صفحے پر ''نور'' کے حوالے سے بھی شورش کا شعر انھوں نے لکھا ہے:

دونوں جہاں نثار رسالت مآب پر
پھیلا ہوا ہے مشرق و مغرب میں ان کا نور

جس ہستی پر دونوں جہاں نثار ہیں اور جس کا نور شرق و غرب میں پھیلا ہے، اس کو اپنے جیسا بشر کیسے کہا جاسکتا ہے؟ وہ یقیناً بے مثل و بے مثال بشر ہے اور اس ہستی کے نور ہونے کا انکار کرنے والے بھی اپنے ہی شورش کی خبر لیں۔

جناب اسمٰعیل دہلوی اور ان کے پیروکار تو شہنشاہ کا لفظ، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے ماننے کے روادار نہیں اور شورش کا یہ شعر جناب شاہ جہاں پوری بے شمار خوبیاں شمار کر کے لکھ رہے ہیں:

''شورش یہ سب حضور (ﷺ) کی چوکھٹ کا فیض ہے
رکھتا ہوں ٹھوکروں میں شہنشاہ کا غرور''

جناب ابو سلمان شاہ جہاں پوری نے لکھا ہے، ''شورش ایک شاعر سعید ازلی تھا۔'' (ص ۱۲۴، شمارہ ۹) اسی شاعر کے حوالے سے ص۱۱۵ اور ۱۱۶ پر شمارہ ۹ میں جناب شاہ جہاں پوری نے عید میلاد النبی ﷺ کے خلاف جس طرح اظہار خیال کیا ہے وہ اس شاعر کی ازلی سعادت کی کسی طرح بھی غمازی نہیں کرتا۔ جناب شاہ جہاں پوری اپنے شورش کی تعریف کرتے ہوئے عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے اس کی اور اپنی نظریاتی و اعتقادی زہر افشانی نہ کرتے تو بہتر تھا۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ گانوں کی طرز میں نعت خوانی یا بھنگڑے، لڈی اور غلط عادتوں حرکتوں وغیرہ کے انفرادی مظاہرے پسندیدہ ہوسکتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت کی طرف سے جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ نہایت پاکیزگی اور عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے اور جشن میلاد منانا سنت الٰہیہ ہے۔ ان شاء اللہ یہ عید منائی جاتی رہے گی۔ مخالفین اور معترضین بھی اب منانے لگے ہیں اور یہ غلط حرکتیں اور رسمیں بھی انھی کی سازش ہوسکتی ہیں، ان غلط رسموں یا حرکتوں کی تائید

اہل سنت و جماعت نہ کرتے ہیں نہ کریں گے اور ان کی وجہ سے عید میلاد النبی ﷺ کے مقدس اسلامی تیوہار کے خلاف لاف زنی بھی ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

جناب شاہ جہاں پوری نے اپنی اس تحریر میں اپنے ممدوحین کی کسی طرح کوئی خامی و کوتاہی یا ان کے کلام وغیرہ کے کسی نقص کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ ظفر علی خاں، ابوالکلام آزاد، عطاء اللہ بخاری کی مبالغے سے تعریف و توصیف جس لہجے اور الفاظ میں کی اور جوش جذبات سے شورش کے کلام کی جو خوبیاں شمار کروائی ہیں ان سے کچھ یہی تاثر ملا کہ ان کی پسندیدہ یہ شخصیات تو تنقید و تنقیص سے بالا ہیں خواہ بامبالغہ ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے اسلام کے اساسی عقائد کتنے ہی متاثر کیوں نہ ہوتے ہوں۔ الاناء یترشح بما فیه۔ نعت گوئی شورش نے ضرور کی لیکن وہ اس صنف سخن میں نعت گوئی کرنے والوں کے لیے قابل تقلید نہیں ٹھہرے۔

جناب ابوسلمان شاہ جہاں پوری یا شورش وغیرہ سے مجھے کوئی ذاتی اختلاف نہیں، مجھے حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ اپنے عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کو صحیح سمجھنے والے یہ افراد جب اپنے کسی ''ممدوح'' کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ تمام باتیں فراموش کر دیتے ہیں جن کی بنیاد پر یہ لوگ ہم اہل سنت و جماعت کو ہدف بناتے ہیں، اسی لیے ان کی تحریروں کے تضاد ہمیں بیان کرنے پڑتے ہیں۔

شمارہ۹ میں ص ۵۱ سے ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کی تحریر بہ عنوان ''اردو نعتیہ شاعری میں شمائل النبی (ﷺ)'' شروع ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اردو کے قدیم سرمایہ میں نعتوں کا وافر ذخیرہ ہے لیکن ہمارے شعرا نے تکمیل ذوق اور عقیدے کی پیاس بجھانے کے لیے اپنے خلاق تخیل سے جام کوثر حاصل کرنے کے جتن منظوم شمائل لکھ کر کیے ہیں۔ آپ ﷺ کے شمائل کے بیان میں ان کی عقیدت اور ایمان و یقین کا یہ حال ہے کہ بعض شعرا نے تو دعویٰ تک کر دیا ہے کہ اگر کوئی انھیں اتنے بار پڑھے گا تو فلاں فائدے سے ہم کنار ہوگا اور یوں پڑھے گا تو ایسا ہو جائے گا۔ جہاں ان شمائل کو پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے وہاں ان پر یقین نہ کرنے والوں کو ڈرایا بھی گیا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب اور ان جیسے تمام اہل قلم سے پھر یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ کسی مسلمان کے عشق رسول پر اس طرح کی منفی اور سطحی گفتگو و تحریر سے اس کی اصلاح تو نہیں کرپاتے البتہ اپنی غلط اعتقادی و فکری حیثیت اور عنادی مزاج کا واضح اظہار کرتے ہیں۔

اسی نعت رنگ میں سبھی لکھنے والے ذکر رسول ﷺ کو سرمایۂ ایمان، ذریعۂ نجات، عبادت، بہترین سعادت اور موجب خیر و فلاح لکھ رہے ہیں۔ اگر جام کوثر حاصل کرنے کا جتن کوئی مسلمان ذکر رسول ﷺ لکھ کر کرتا ہے تو اسے منفی یا ناروا کہا یا سمجھا نہیں جاسکتا، البتہ اس کی تحریر میں کوئی غیر معتبر یا تحقیق کے لحاظ سے غیر مستند بات ہو تو یہ واضح ضرور کیا جائے کہ کس شخصیت نے کس کتاب میں اسے موضوع یا غلط روایت بتایا ہے تا کہ اہل علم و تحقیق اس معترض و ناقد کے اعتراض و تنقید کی وقعت اور اصلیت جان سکیں۔ موضوع (لوگوں کی خود بنائی ہوئی) احادیث کے حوالے سے محدثین نے جو مجموعے تیار کیے ہیں ان میں درج تمام روایات کو اہل علم نے موضوع نہیں مانا۔ ابن جوزی نے بہت سی صحیح احادیث کو موضوع لکھا تو اہل علم بالخصوص امام جلال الدین سیوطی نے اس کا تعاقب کیا۔ میری ذاتی لائبریری میں موضوعات کے حوالے سے کئی کتابیں ہیں ان میں علمائے احادیث نے واضح لکھا ہے کہ ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور کسی کو موضوع کہنا، ان دونوں میں بڑا بل ہے کیوں کہ موضوع کہنا تو اسے کذب و افترا ثابت کرتا ہے اور غیر صحیح کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث ہی نہیں بلکہ اس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ (اللالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ، ص ۱۸، جلد اول، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۷ھ) امام ملا علی قاری، علامہ طاہر فتنی، امام ابن حجر عسقلانی نے بھی واضح لکھا ہے کہ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی طرح سند کا منقطع ہونا بھی موضوع ہونے کو لازم نہیں کرتا۔ اسی طرح ''التعقبات علی الموضوعات'' میں ہے کہ حدیث ضعیف کی ایک قسم مضطرب اور ایک قسم منکر ہے اسے بھی موضوع کہا یا مانا نہیں جاتا اور فضائل میں اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ جہالت راوی یا صرف راوی کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بھی حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا۔ اس موضوع پر تمام تفصیل یک جا دیکھنی ہو تو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث و فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' یا ''فتاویٰ رضویہ'' کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ذکر رسول ﷺ ایسا مبارک وظیفہ ہے جس پر دوسرے رشک کرتے ہیں، وہ لوگ جو ایمان اور محبت سے اس ذکر کو سرمایۂ آخرت بناتے ہیں وہ خیر ہی سے شغف رکھتے ہیں اور ذکر رسول ﷺ سے بلاؤں، آفتوں کا دور ہونا تو خود جناب

اشرف علی تھانوی کی تحریروں میں مذکور ہے، چناں چہ طاعون کی وبا سے بچنے کے لیے وہ نبی کریم ﷺ کے روزانہ ذکر کو نافع و مفید لکھتے ہیں۔ کچھ برس پہلے بھارت کے ایک صوبے میں یہ وبا پھیلی تھی، ان دنوں روزنامہ جنگ کراچی میں میرا مضمون اس حوالے سے شائع ہوا تھا اس میں بھی تھانوی صاحب کا یہ اقتباس میں نے لکھا تھا۔ جناب اسمٰعیل دہلوی کی تحریر میں بھی یہ ہے: ''ہر دم نام محمد کا لے۔'' اسے میں نے اپنی کتاب سفید و سیاہ میں نقل کیا۔ ڈاکٹر یحیٰی نشیط صاحب نے اگر یہ سمجھا ہے کہ شمائل رسول (ﷺ) پڑھنے سے فائدہ نہیں ہوگا تو یہ ان کی غلط فہمی ہے البتہ فی الواقع موضوع یا غلط روایات کی اشاعت ہی غلط ہے، ان کے پڑھنے پر فائدہ و ثواب کا دعویٰ بھی غلط ٹھہرے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہرنی کا مشہور واقعہ من گھڑت اور غیر مستند قرار دیا ہے، لیکن اس کے من گھڑت اور غیر مستند ہونے کی تحقیق بیان نہیں کی، ان سے گزارش ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ سے منسوب مشہور واقعات کو از خود من گھڑت اور غیر مستند قرار دینے کی بجائے پوری ذمہ داری سے تحقیق و براہین پیش کیا کریں اور ذکر میلاد شریف کرنے والوں کو ''میلاد خوانوں'' کہہ کر تحقیر و تضحیک سے اجتناب کریں کیوں کہ اکابر اہل علم بھی ذکر میلاد شریف کرتے آئے ہیں اور ترمذی شریف میں پورا باب میلاد النبی ﷺ کے عنوان سے موجود ہے۔ ڈاکٹر یحیٰی نشیط صاحب نے شمارہ ۹ کے ص ۵۹ پر ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت بیان کی اور پھر یہ لکھا، ''ہمیں حدیث اور اس کی روایت کی صحت سے کوئی سروکار نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آگاہ نے مناسب موقع پر مناسب حدیث کا استعمال کیا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب اپنی افتاد طبع یا زلۃ قلم کے سبب سے ایسا لکھ گئے۔ انھیں احتیاط سے کوئی سروکار معلوم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ادب و احتیاط کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ یہ جملے یوں لکھ دیتے کہ ہمیں یہاں اس حدیث اور اس کی روایت کی صحت کا تذکرہ نہیں کرنا بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ شاعر نے اس حدیث شریف کا بیان یہاں پر برمحل کیا ہے۔

ڈاکٹر یحیٰی نشیط لکھتے ہیں: ''جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس میں نصوص و احادیث سے یہ کبھی ثابت نہیں ہوسکا کہ فرشتوں کا نزول کبھی حیوان و طیور کی شکل میں ہوا ہو... کسی حیوان یا پرندے کی شکل میں آنے کی ایک بھی مثال نہیں ملتی..'' (ص ۵۴، شمارہ ۹)

عقائد اسلام و قواعد ملت برطریق سنیہ اہل سنت و جماعت پر مشتمل، ''تکمیل الایمان''

(فارسی) شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ہے۔ ۱۲۸۹ھ میں مطبع ہاشمی مدراس سے مطبوعہ میرے پاس موجود ہے، اس کے ص۱۲ پر ہے: ''واعتقاد باید کرد کہ خداے تعالیٰ را فرشتگان اند و فرشتگان اجسام لطیفہ نورانیہ اند کہ بہر شکل کہ خواہند برآیند۔''

تفسیر فتح العزیز، پارہ الم ص۲۰۳ (مطبوعہ مطبع فتح الکریم، بمبئی) میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''درحقیقت فرشتہ کہ آن را در لغت عربی ملک نامند مردم را باوجود اتفاق ببر ثبوت آن حقیقت اختلاف بسیار است اکثر مسلمین و یہود و نصاریٰ بآن رفتہ اند کہ ملائکہ اجسام لطیفہ نورانیہ اند و حق تعالیٰ آن ہارا قدرتی بخشیدہ است کہ بسبب آں می توانند کہ خود را باشکال مختلفہ و صورت ہاے متفاوتہ ظاہر نمایند و اصحاب مجاہدات از جہت مکاشفہ بر آن صورت ہا مطلع می شوند و بعضی اوقات اصحاب حاجات و ضرورات را نیز صور غریبہ و آثار عجیبہ آن ہا براے حل مشکلات و کفایت مہمات نمودار می گردد۔''

روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، جلد اول، ص۳۴۸ (مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۳۱۷ھ) میں علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واختلف الناس فی حقیقتها بعد اتفاقهم علی انها موجودة سمعا اوعقلا، فذهب اکثر المسلمین الی انها اجسام نورانیة، وقیل، هوائیة قادرة علی التشکل والظهور باشکال مختلفة باذن الله تعالی۔''

مذکورہ تینوں اقتباسات میں فرشتوں کا مختلف شکلوں میں آنے کی باذن اللہ قدرت رکھنا ثابت ہے۔ مجھے ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی نقل کی ہوئی ان وضعی روایات کو صحیح ثابت کرنے سے کوئی شغف نہیں جو حضرت جبرئیل و میکائیل علیہم السلام کے بارے میں ہیں۔ الحمدللہ یہ فقیر موضوع روایات کو قبول نہیں کرتا لیکن فرشتوں کا اشکال مختلفہ میں آنا مانتا ہے، اس بارے میں مجھے ضرور تردد ہے کہ نورانی پرندوں کی شکل میں فرشتوں کا نزول ناقابل یقین ہے۔ مجھے مہلت ملی تو تحقیق و تسلی کے بعد روایات پیش کروں گا۔

نعت رنگ شمارہ۹ کے ص۶۰ پر ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب نے قرآنی آیت کے الفاظ رحمت للعالمین سے ''ال'' کو ہٹانے پر شاعر کے عجز کا بیان کرتے ہوئے ''ال'' کے بغیر ان الفاظ کی ترکیب کو بھونڈی، بدنما اور قاعدے کے مطابق غلط قرار دیا ہے۔ کیا (بزعم خویش) صرف قاعدے کے مطابق غلط قرار دینا کافی نہ تھا کہ بھونڈی اور بدنما کے الفاظ انھیں لکھنے

ضروری لگے؟ وہ اس حوالے سے اپنے قلم کو احتیاط کا پابند بنائیں تو خود ان کے لیے بھی مفید ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب قاعدے کے مطابق ہونے کے حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں: نظم و نثر میں قرآن کریم یا حدیث پاک کو اس طرح نقل کیا جائے جس سے ظاہر ہو کہ یہ قرآن یا حدیث سے ماخوذ ہے، مثلاً قال الله تعالیٰ یا قال النبیﷺ یا کذا فی القرآن یا کذا فی الحدیث، تو اس صورت میں قرآن و حدیث کے الفاظ میں تبدیلی و ترمیم درست نہیں اور اگر کلام الٰہی یا حدیث رسالت پناہی کو شعر یا نثر میں اس طرح ذکر کیا جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ناظم و ناثر کا اپنا کلام ہے اور اس ذکر و نقل سے مقصد قرآن کریم یا حدیث شریف کی طرف اشارہ ہو یا اس کا اس سے بہ طور استعارہ کوئی دوسرا معنی مراد ہو تو یہ جائز ہے اور علم بلاغت میں اسے اقتباس کہا جاتا ہے۔ ''مختصر معانی''، ''مطول'' اور ''جواہر بلاغت'' وغیرہ میں اس کا بیان وضاحت سے موجود ہے: اما الاقتباس فهو ان يضمن الكلام نظما كان او نثرا شيأ من القرآن او الحديث لاعلى انه منه (مختصر معانی) لیکن اقتباس پس وہ ہے کہ اسے اپنے کلام میں نظم یا نثر، کلام الٰہی یا حدیث کا کوئی حصہ اس طرح ملادے کہ یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ یہ قرآن یا حدیث کا حصہ ہے۔ ''مطول'' اور ''مختصر'' میں اقتباس کے ماتحت یہ بھی واضح طور پر ذکر کردیا گیا ہے کہ وزن و تقفیہ کی غرض سے اگر لفظ مقتبس میں معمولی سا تغیر کرلیا جائے تو حرج نہیں: ولا باس تبغيير يسير فى اللفظ المقتبس للوزن او غيره۔ جیسا کہ بعض مغاربہ کا کسی دوست کے مرنے پر یہ قول ہے: وقد كان ما خفت ان يكونا. انا الى الله راجعونا۔ (اور بلاشہ جس کے ہونے کا مجھے ڈر تھا وہ ہوکر رہا۔ تحقیق ہم سب اللہ تعالٰی کی طرف لوٹنے والے ہیں) یہاں پر شاعر نے لفظ مقتبس میں معمولی سا تغیر ضرورت شعری کی وجہ سے کرلیا ہے حالاں کہ قرآن کریم میں انا لله وانا اليه راجعون ہے۔ اگر ہم بغور دیکھیں تو ذمہ دار، مستند علما و عرفا کے کلام میں اس کی بے شمار امثلہ ہیں۔ حضرت مولانا روم علیہ رحمۃ القیوم کی ''مثنوی شریف'' کے دفتر اول سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مولانا فرماتے ہیں:

کرد وصف مکر شان را ذوالجلال
لتزول منه اقلال الجبال

قرآن میں الفاظ یوں ہیں: وان كان مكرهم لتزول منه الجبال

فرماتے ہیں:

لاجرم ابصارنا لا تدرکہ
وھو یدرک بین تو از موی وکہ

قرآنی الفاظ یوں ہیں: لا تدرکه الابصار وھو یدرك الابصار

فرماتے ہیں:

مرضیفاں را تو بلی خصمی بداں
از نبی از جاء نصر اللہ بخواں

قرآن میں اذا جاء نصر الله ہے۔

فرماتے ہیں:

عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خرموسی صاعقا

قرآن کریم میں "صعقا" ہے اور مولانا روم ضرورت شعری کے لیے "صاعقا" لائے ہیں۔ مزید ملاحظہ ہو:

اطلب المعنی من الفرقان وقل
لا نفرق بین احد من رسل

قرآن کریم میں "رسلہ" ہے اور مولانا وزن و قافیہ کی تصحیح کے لیے رسل فرماتے ہیں۔

کچھ مصرعے ملاحظہ ہوں:

☆ باز خوان من آیۃ او ننسہا ☆ تستطیعوا تنفذوا را باز دان
☆ تا درخت استغلظ آمد فاستوی ☆ گفت غضوا عن ھوا ابصارکم
☆ گفت او زانسوی واستغشوا ثیاب ☆ حق نزائیدست اولم یولدست
☆ گفت آدم کہ ظلمنا نفسنا ☆ ذکر تزاور کذا عن کہفھم
☆ خذتموا سخریۃ اھل السمو

انھوں نے آیات و احادیث کو کہیں بعینہ اور کہیں بہ طور اقتباس معمولی تغیر سے ذکر فرمایا ہے۔ مثنوی مولانا روم کا مطالعہ کرنے والے اہل علم پر یہ امر ہرگز مخفی نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ رحمۃ القوی کی

فضیلت علمی میں کسے شبہ ہے؟ وہ فرماتے ہیں:

ان پر کتاب اتری بیانا لکل شی
تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے

قرآن کریم میں تبیانا لکل شیٔ ہے، اعلیٰ حضرت نے اس سے اقتباس کر کے شعر میں اپنی طرف سے بیانا لکل شیٔ فرمایا۔ مثنوی رد امثالیہ میں فرماتے ہیں:

نیست فضلش بہر قوم بے ادب
یخطف ابصارھم برق الغضب

☆

سنگ ریزہ می زند دست از جناب
مارمیت از رمیت آید خطاب

☆

وصف اہل بیعت آمد اے رشید
فوق ایدیھم ید اللہ المجید

☆

ربنا سبحنک لیس لنا
علم شیٔ غیر ما علمتنا

(اس شعر میں سبحنک لا علم لنا الا ما علتمنا سے اقتباس ہے)

مثنویٔ مولانا روم میں بھی ہے:

چوں ملائک گو کہ لا علم لنا
یا الٰھی غیر ما علمتنا

حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے دیوان میں ہے:

علام تدعی سلیم، وھی نازحة
امام قوم ھم آووا، وھم نصروا

(ص ۱۰۵، دیوان حسان، مطبوعہ بیروت)

لك الخلق والنعماء، والامركله
فاياك نستهدی، واياك نعبد
(ص۴۷)

والثانی اثنين فی الغار المنيف، وقد
طاف العدو به از صعد الجبلا
(ص۱۶۱)

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے دیوان میں ہے:

وفی الروضة الغراء سم غذائه
وصاحبها بالمؤمنين رحيم
(ص۳۰)

☆

فيتهز غصن العدل بعد سكونه
ويحيی نبات الارض وهو هشيم
(ص۳۰)

ان سيرت صم الجبال سرابا
و تفتحت افلاكها ابوابا
(ص۱۵۹)

ان الذين يبايعونك انهم
ليبايعون الله دونك فاعتبر
(ص۵۰)

ولاتك فيه موسويا فانه
مع القول بالتعديل لم يستطع صبرا
(ص۱۵۴)

اذا شمس النفوس ارت ضحاها
تزيدات القلوب بما تلاها
(ص۱۶۳)

و یقسم ایضا فی ثمان وعینهم
هو العرش للرحمن فی قوله استوی
(۶۴)

فهذی عبادات المراد تخلصت
وان لیس للانسان غیر الذی سعی
(ص ۶۴)

اذا جاء ت الاذکار للعدل تبتغی
مفاضلة یاتین رجلا ورکبانا
(ص ۱۰۲)

لقد جئتکم بالامر من عند ربکم
کما جاء ت الارسال من عنده تتری
(ص ۴۷)

فمن یتق الله العلیم بحاله
سیجعل له الرحمن من امره یسرا
(ص ۱۵۵)

و ذلک من صدع یکون بعینه
یقیم به وزنی فیخسر میزانا
(ص ۱۱۴)

(مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

دیوان خواجہ شمس الدین محمد بن محمد حافظ شیرازی، مطبوعہ مؤسسہ انتشارات باقر العلوم، تہران کے ص ۱۹۴ پر یہ شعر ہے:

شب وصل است وطی شدنامہ ہجر
سلام فیہ حتی مطلع الفجر

یہ نسخہ ڈاکٹر غنی وقزوینی کا تصحیح شدہ ہے۔ اس شعر میں قابل غور بات یہ ہے کہ اس آیت کے اصل الفاظ بیان کرنے میں وزن کا بھی مسئلہ نہیں۔ حافظ شیرازی کا ایک اور شعر

ملاحظہ ہو:

لمع البرق من الطور و آنست بہ
فلعلی لک آت بشہاب قبس
(ص ۳۵۴)

اگر میں ذمہ دار اہل علم کے دواوین سے ایسی تمام مثالیں نقل کروں تو ذخیرہ جمع ہوجائے گا۔ جو لوگ فی الواقع اہل علم ہیں یہ انھی کا حصہ ہے اور جو نہیں جانتے وہ اپنی ناواقفی اور کم علمی کی وجہ سے معترض ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب نے شمارہ ۹ کے ص ۶۳ پر عبدالحق کان پوری کا خط بنام محسن کاکوروی نقل کرنے سے قبل لکھا ہے: ''اس طرح یہ مسدس جنت گوش بھی ہے اور فردوس نظر بھی۔ اس کی دل آویزی ایک طرف اس کی اہمیت بڑھاتی ہے تو دوسری طرف خود حضور ﷺ کی حسن قبولیت اس کی عظمت کی ضمانت ہے۔''

ڈاکٹر صاحب نے شمائل محمد ﷺ کے حوالے سے بعض شعرا کے ایمان و عقیدت پر کلام کیا تھا اور محسن کاکوروی کے لکھے ہوئے سراپا شریف کو خود جنت گوش اور فردوس نظر ہی قرار نہیں دیا بلکہ رسول کریم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں اس کی قبولیت کی سند بھی فراہم کی۔ وہ خود ہی فرمائیں کہ اس طرح جام کوثر کا حصول یقینی ہوا یا نہیں؟ اور جو کلام خود نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں سنا جائے اس پر ثواب و فائدہ ہوگا یا نہیں؟ نعت شریف صرف کہنے پڑھنے والے ہی نہیں بلکہ سننے والے بھی اسے عبادت اور ذریعۂ نجات جانتے ہیں اور کتنے اشعار ہیں جو وظیفہ ہوگئے ہیں اور صدیوں سے اہل محبت کا معمول ہیں۔

شمارہ ۹ کے ص ۱۳۶ سے ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کا مضمون شروع ہوتا ہے۔ جس کا عنوان ''شعراء الرسول۔ ایک تعارف'' ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جن دنوں نعت رنگ کا یہ شمارہ مارکیٹ میں آیا تھا، ان دنوں ڈاکٹر ابوسفیان صاحب بھی کراچی آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے مضمون میں علمائے دیوبند کے ساتھ اپنی وابستگی کو برملا بیان کرتے ہیں اور اپنے علما کے نام لکھتے ہوئے وسیع القاب وغیرہ لکھنا نہیں بھولتے جب کہ شعراء الرسول اور اصحاب نبوی کے اسمائے مبارکہ لکھتے ہوئے یہ اہتمام انھوں نے نہیں رکھا۔ عربی اشعار اور ان کے تراجم کے حوالے سے میرا جی یہی چاہتا تھا کہ ان میں سے کچھ دہراؤں تا کہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب اور

خود ابوسفیان صاحب ملاحظہ فرمالیں کہ اصحاب نبوی علیہم الرضوان کے عقائد کیا تھے؟ آج ہم صحیح العقیدہ اہل سنت وجماعت (بریلوی) کو جن باتوں پر شدید فتووں کا ہدف بنایا جاتا ہے وہ سب باتیں اصحاب نبوی سے بھی ثابت ہیں اور ان کو بیان بھی وہی کر رہے ہیں جو انھی باتوں پر معترض ہوتے ہیں۔

نعت رنگ کے اس شمارے میں ''حاصل مطالعہ'' کا باب میں نے پہلی مرتبہ توجہ سے دیکھا۔ جناب عزیز احسن صاحب نے بھی ''رحمت العالمین'' کے استعمال کو ناجائز لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں، ''جیسا قرآن میں آیا ہے ویسا ہی لکھنا ضروری ہے۔'' اس بارے میں وہ بھی میری اس تحریر کا وہ حصہ ضرور ملاحظہ فرمائیں جو ڈاکٹر یحییٰ نشیط کے جواب میں ہے اور اپنی علمی تحقیقی رائے سے نوازیں۔ محترم عزیز احسن صاحب کے اکثر تبصروں کو عمدہ پایا، بعض مقامات پر ان کا بیانیہ بہت بھایا۔ ص ۱۹۱ شمارہ ۹ پر وہ لکھتے ہیں: ''شاعری خود ایک مقدس چیز ہے، کیوں کہ شعرا براہ راست مبدء فیاض سے کسب فیض کرتے ہیں۔ الشعراء تلامیذ الرحمٰن اسی لیے کہا گیا ہے۔'' محترم عزیز احسن صاحب کے یہ جملے بغیر کسی حوالے اور دلیل وسند کے بیان ہوئے ہیں اور میرے نزدیک محل نظر ہیں۔ شاعری کی تمام اصناف اور ان میں پایا جانے والا سب کلام اگر واقعی ''مقدس چیز'' ہے تو میں اپنا اعتراض واپس لینے کو تیار ہوں۔ چناں چہ ص ۱۹۹ پر عزیز احسن صاحب خود لکھتے ہیں، ''دنیائے ادب میں مقدس اصناف سخن صرف دو ہیں، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول ﷺ۔'' علاوہ ازیں براہ راست مبدء فیاض سے کسب فیض بھی قرآن میں شعرا کے بارے میں موجود آیات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسی صفحے پر جناب عزیز احسن رقم طراز ہیں، ''لیکن ان دونوں کتابوں پر رائے دینے والوں نے شاعر کو طباعت کتب کے ضمن میں عجلت پسندی کے رویے سے باز رہنے کی نصیحت کیوں نہیں کی؟ یہ بات میرے لیے ایک معمہ ہے۔''

اس حوالے سے جناب عزیز احسن کے علم میں یہ بات لانا چاہوں گا کہ کچھ دوست اور عقیدت مند ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی تحریروں پر رائے لینے کے لیے نہایت مبالغہ آمیز تعریفی خطوط لکھتے ہیں اور چند سطور لکھنے پر اصرار کرتے ہیں اگر ان کے موافق نہ لکھا جائے تو وہ ان تحریروں کو اپنی کتاب میں شامل نہیں کرتے۔ یہ آپ بیتی لکھ رہا ہوں۔ اول تو میں کتابوں پر رائے لکھتا نہیں، لکھوں تو صرف مصنف کے بارے میں لکھ دیتا ہوں لیکن تحریر یا شاعری کو بغیر پڑھے رائے ہرگز نہیں دیتا۔ کچھ لوگ رائے لکھوانے کے بعد کتاب کے متن میں تبدیلی یا

ترمیم و اضافہ کر لیتے ہیں وہ دکھائے بغیر پہلی لکھی ہوئی رائے جوں کی توں رہنے دیتے ہیں۔ بعد کی کسی غلطی پر قارئین و ناقدین میں تقریظ لکھنے والے بھی ہدف ملامت ہو جاتے ہیں۔ دو شاعروں نے مجھ سے رائے لکھوائی لیکن کتاب میں شامل نہیں کی اور ایک صاحب نے پہلے جتنی مبالغے سے میری تعریف کی تھی بعد میں اسی شدت سے ناراضی بھی ظاہر کی۔ صرف اس لیے کہ ان کے اشعار میں شرعی لحاظ سے سنگین غلطیاں تھیں جن کی اس فقیر نے نشان دہی کر دی تھی۔ یہ فقیر نہایت گناہ گار ہے لیکن بفضلہٖ تعالیٰ دینی شرعی امور میں یہی کوشش رہتی ہے کہ غلطی نہ ہو۔ اپنی ہر تحریر و تقریر میں اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم سے اپنی تمام خطاؤں پر توبہ و استغفار کرتا رہتا ہوں اور اس بات پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا شکر کرتا ہوں کہ تا ایں دم مجھ سے غلطی کو غلطی نہ ماننے کی غلطی نہیں ہوئی۔ اللہ کریم عزوجل سے یہی دعا ہے کہ مجھے ہر طرح شریعت و سنت کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر ہو۔

جناب عزیز احسن نے ص۱۹۳ پر ''حبیبی یارسول اللہ ﷺ'' پر تبصرہ فرماتے ہوئے دوسرا پیراگراف بہت خوب لکھا ہے۔ وہ اسی شمارے میں ص۱۵۸ اور ص۱۶۲ پر شعراء الرسول کے کلام میں موجود ''یا'' کا لفظ سند کے طور پر پیش کرسکتے ہیں۔ مزید برآں مؤسسۃ الجریسی للتوزیع والاعلان، ص۔ب۱۴۰۵، الریاض ۱۱۴۳۱، سعودی عرب سے ۱۴۲۰ھ میں ۷۹۶ صفحات کی ایک ضخیم کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ''امام العصر'' ہے۔ یہ مشہور سعودی مفتی عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی وفات کے بعد ڈاکٹر ناصر بن مسفر الزہرانی نے مرتب کی ہے جو خود ایک ذمہ دار شخص ہیں۔ اس کتاب میں وفات پانے والے مفتی کے بارے میں صرف وہ منظومات ص۴۹۳ سے ص۷۲۸ تک ہیں جو اس کی وفات کے بعد شعرا اور اہل علم نے کہی ہیں۔ ان میں ڈھائی سو کے لگ بھگ اشعار میں اس مفتی کو ''یا'' کے لفظ سے ندا کی گئی ہے: مثلاً، یاقبلۃ الارض، یا ابا عبداللہ، یا شیخنا، یا مفتی الامہ وغیرہ۔

نعت رنگ شمارہ۹ میں پہلی تحریر جناب ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی ہے، ان کا پورا نام، نعت رنگ میں شاید پہلی بار طبع ہوا ہے۔ کشفی صاحب کی تحریر میں کچھ جملے تو ایسے ہوتے ہیں جو دل میں ترازو ہوجاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی جو جانے وہ کیوں لکھ جاتے ہیں کہ کشفی صاحب پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ شش ماہی عالمی ''السیرۃ'' کے شمارہ۳ میں ''مقام محمد ﷺ'' کے

عنوان سے کشفی صاحب کی تحریر بھی نظر سے گزری، اس کے کچھ جملے دیکھیے، لکھتے ہیں: ''آیت۱۰۴ (سورۂ بقرہ) سے ان آداب کا باب ہمارے لیے وا ہوتا ہے جن کا تعلق رسول ﷺ سے ہے۔ حضور ﷺ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی نہیں بلکہ لاپروائی اور ادب کی ادنیٰ سی کمی کا نتیجہ حبط اعمال ہوسکتا ہے۔'' (ص۴۹)

ص۴۱ پر لکھتے ہیں، ''نبی کریم ﷺ کے علوئے مرتبہ کا یہ پہلو کتنا اہم ہے کہ آپ کے ذکر میں حد درجہ احتیاط مسلمانوں کے انداز زیست کا حصہ ہے۔''... ''آپ کے حضور آوازیں پست رہیں۔ یہ ایک دائمی حکم ہے۔'' ص۵۱ پر عزت بخاری کا شعر نقل کر کے لکھتے ہیں، ''یہاں اہل ایمان کو فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کے انداز پرواز میں بھی ادب کے قرینے نظر آتے ہیں اور فضا بھی سانس روکے ہوئے دست بستہ کھڑی دکھائی دیتی ہے۔''

ص۶۶ پر لکھتے ہیں، ''انبیائے کرام کے علم کا منبع اور مصدر اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ انبیاء کسی انسان کے شاگرد نہیں ہوتے، وہ تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں۔ بدنصیبی سے الشعراء تلامیذ الرحمٰن کا محاورہ ہمارے ہاں یوں استعمال ہوتا ہے کہ اس سے نبوت کی عظمت کو مجروح کیا جاتا ہے جب کہ صرف یہ کہنا مقصود ہوتا ہے کہ شاعری ایک وہبی چیز ہے اور شاعر پیدائشی ہوتا ہے۔'' یہی کشفی صاحب جب کبھی خود کوئی ایسی بات لکھ جائیں جو قابل گرفت ہو تو نہ پوچھیے کہ طبیعت پر کیا گزرتی ہے۔ ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' کے عنوان سے نعت رنگ شمارہ ۹ کے ص ۱۳ پر لکھتے ہیں ''غزل کو حیات و کائنات کا ہمہ گیر اور کل شناس آئینہ'' قرار دیا گیا ہے۔ ذرا سا تامل کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ غزل کی تفہیم کے لیے نہایت تربیت یافتہ اور مہذب ذہن درکار ہے اور دوسری طرف غزل اپنی پہلی اور اولین سطح پر ہر پڑھنے والے کے لیے کچھ نہ کچھ معانی اور مفہوم رکھتی ہے۔ یہ وہ در ہے جہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔''

اس اقتباس کو شرعی آئینے میں دیکھوں تو وہ لفظ جو خود کشفی صاحب نے غالباً کسی کے نقل کیے ہیں، محل نظر ہیں۔ ''حیات و کائنات کا ہمہ گیر اور کل شناس آئینہ۔'' غزل کی تفہیم کے لیے کشفی صاحب جس ذہن کے درکار ہونے کا بیان کر رہے ہیں مجھ سا شخص اسے صرف غزل کے حوالے سے قبول کرنے میں ضرور معترض ہوگا۔ قرآن و حدیث اور حمد و نعت کے حوالے سے یہ بات کشفی صاحب نے نہیں فرمائی۔ جس طرح وہ شعرا کے تلامیذ الرحمٰن ہونے کے محاورے پر معترض ہیں اور اسے نبوت کی عظمت کو مجروح کرنے والا قرار دے رہے ہیں

اسی طرح غزل کے حوالے سے یہ تقدس بیان کر کے وہ قرآن و حدیث اور حمد و نعت سے کچھ وہی سلوک خود کرتے نظر آرہے ہیں۔ مجھے شعر و ادب کی نزاکت اور اس میں بیان کی جانے والی حیات و کائنات کی باتوں سے انکار نہیں لیکن حیات و کائنات کی ہمہ گیری اور کل شناسی کا آئینہ تو بڑی باتیں ہیں اور پھر اس در (غزل) سے کسی کے بھی خالی ہاتھ نہ لوٹنے کی بات تو ہضم کرنا آسان نہیں۔

خود کشفی صاحب ہی لفظوں سے انصاف کی بات یوں لکھتے ہیں: ''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سادگی بڑی دھوکا دینے والی چیز ہے۔ سیدھے سادھے الفاظ کے ذریعے جو سچے جذبات و خیالات پیش کیے جاتے ہیں، کتنے ہیں جو ان کے ساتھ انصاف کر سکیں؟ بڑے شاعروں سے مرعوب ہوکر واہ واہ کرنا تو آسان ہے۔ مگر ان کے ایسے اشعار کی گہرائیوں میں کتنے لوگ اتر کر سانس لے سکتے ہیں۔'' (ص ۳۷)

مجھے بھی کشفی صاحب انھی لوگوں میں شمار کرلیں جو ان کی ایسی باتوں کی گہرائی میں اتر کر سانس نہیں لے پاتے! یہ اور بات ہے کہ ان سے مرعوب ہوکر ہر بات پر واہ واہ بھی نہیں کرتے۔ خود کشفی صاحب فرماتے ہیں: ''انسان کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ وہ اپنا اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار خود کرتا ہے۔ اللہ نے اسے قوت تمیز، قوت ارادہ اور عقل کے ساتھ پیدا کیا اس کے سامنے راستے کھول دیے گئے اور راہ کے انتخاب کا حق اسے دے دیا گیا۔'' (ص ۲۲) اسی صفحے پر وہ خود لکھتے ہیں، ''حضور ﷺ کے راستے کو اپنا راستہ بنانا اور اس راستے کی خاک کو اپنے لیے اندازِ نظر بنانا ہی صاحب نظر ہونے کی دلیل ہے۔''

جناب ابوالخیر کشفی نے ص ۱۲ پر جناب فیض احمد فیض کی ناراضی دور کرنے کی بات کی، وہ ان کے حوالے سے ٹی وی پر کچھ کہہ گئے تھے۔ مجھے نعت رنگ کے شمارہ اول سے نہم تک کشفی صاحب کی کوئی تحریر ایسی نظر نہیں آئی جس میں انھوں نے اپنی دینی کسی غلطی کا بھی اعتراف کر کے رجوع کیا ہو۔ شاید یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ ان کی خاموشی ہی اعتراف ہے یا وہ معترض کے جواب میں کچھ کہنا ہی نہیں چاہتے لیکن شرعی تقاضوں کے مطابق وہ حدیث قدسی غلط بیان کرنے سے رجوع کے پابند ہیں اس لیے نہیں کہ کسی نشان دہی کرنے والے کی تسلی یا خوشی کے لیے ایسا ضروری ہے بلکہ یہ ایمانی تقاضا ہے۔

کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''غزل ساغر و مینا کے اشاروں کے سہارے مشاہدہ حق کی

گفتگو کا نام ہے۔ غزل کا کمال یہ ہے کہ اس کے شعر ہماری روزمرہ کی گفتگو کا جزو بن جاتے ہیں اور یوں گفتگو کی سطح بلند ہوجاتی ہے۔ غزل ہماری زندگی کا زندہ حصہ اور عنصر ہے۔ غزل ہمارے جذبات کی تہذیب اور ترفع کا وسیلہ ہے۔ یوں صنف غزل ہی آپ (ﷺ) کے ذکر کو ہمارے لیے ورد اور وظیفہ بنانے کا فریضہ ادا کرسکتی ہے اور کسی صنف میں یہ توانائی اور امکانات نہیں۔ ایسی صنف ہی نعت کے بار امانت کو اٹھا سکتی ہے۔" (ص ۱۸)

کشفی صاحب نے صنف سخن "غزل" کے حوالے سے جو خوبیاں بیان کیں، چوں کہ وہ نعت شریف کو اس صنف میں بیان کرنے کی ترغیب کے لیے تحریر کی گئی ہیں اس لیے مبالغہ آمیزی بھی گوارا لیکن یہ کہنا کہ یہی صنف نعت شریف کے بار امانت کو اُٹھا سکتی ہے، یہ اگر آزاد نظم یا جدید اسالیب وغیرہ کے مقابلے میں ہے تو قبول کیا جا سکتا ہے ورنہ پابند شاعری کی تمام قدیم اصناف میں بھی نعت شریف نے ہر صنف کو عزت دی ہے جس میں وہ بیان ہوئی اور زبان زد عام ہوئی۔ اختلاف برائے اختلاف سے مجھے بحمد للہ کوئی علاقہ نہیں اور اصناف سخن پر مجھے اس آگہی کا دعویٰ بھی نہیں جو کشفی صاحب کو حاصل ہے۔ میں تو نعت شریف میں محاسن نعت کا جویاں ہوں، فن کارانہ خوبیوں کا نہیں۔ مجھے میرے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ایمانی محبت و تعظیم سے کیا جانے والا ہر صحیح تذکرہ کسی صنف سخن میں بھی ہو، اچھا لگتا ہے اور ہر نعت گو سے یہی چاہتا ہوں کہ وہ نعت کہنے سے پہلے آداب نعت سے واقفیت ضرور حاصل کرے کیوں کہ یہ صرف شعر کہنے والی بات نہیں یہ تو محبوب رب جلیل کی بارگاہ میں باریابی پانے کی جستجو کا مرحلہ ہے۔ محبت رسول کے میزان پر ایمان تولنے کا معاملہ ہے۔ ایمان و عقیدت کے قبلہ و کعبہ کی طرف جاں و دل کرنے کا سلسلہ ہے۔ قطرے کو گہر کرنے، ذرّے کو رشک آفتاب کرنے کا ولولہ ہے اور کیوں نہ ہو، نعت گوئی میرے معبود کریم کی سنت ہے، یہ وہ وصف و سعادت ہے جو مشت خاک کو قرب ایزدی عطا کرتی ہے۔ روایت ہے کہ سجدے میں بندہ اپنے رب کریم کے بہت قریب ہوتا ہے، اسے بہت پیارا لگتا ہے، شاید یہ وجہ بھی ہو کہ سجدے میں میں بندے کا جسم رب کریم کے محبوب کریم ﷺ کے مبارک نام محمد ﷺ کی مکتوبی ساخت کا نقش جمیل بن جاتا ہے۔ دنیا گول ہونے اور سب علاقوں میں طلوع و غروب شمس کی ساعتوں کا فرق بھی شاید اسی لیے ہے کہ ہر لمحے کہیں نہ کہیں اذان و نماز کی صورت میں بھی ذکر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہوتا رہے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر غفران علی صدیقی نے نیوجرسی میں مجھے

یہ بات بتائی کہ سورج کی پہلی کرن میرے نبی کریم ﷺ کی قدم بوسی کرتی ہے پھر کائنات کو سورج اس آفتاب نبوت ہی کا فیضان پہنچاتا ہے۔ خود کشفی صاحب ص۳۴ پر علامہ اقبال کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''ان کے دل کی دھڑکن انھیں یہی پیام دیتی تھی کہ سورج اسی روضۂ اطہر کو سلام کرنے کے لیے ابھرتا ہے اور اسی کے مکین کو سلام کرتے ہوئے واپسی کا سفر اختیار کرتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔'' کعبے پر نصب میزاب رحمت کا رخ جانب مدینہ ہے اور وہ اس طرف جھکا ہوا ہے۔ میں ان اہل محبت کے قربان جن کے ذہن وفکر کا محور ہی ذات محبوب رب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہے۔ فاضل بریلوی کے فرزند ارجمند کے تین اشعار اہل محبت کے لیے لکھ رہا ہوں:

وسط مسبحہ پہ سر رکھیے انگوٹھے کا اگر
نام الٰہ ہے لکھا ہ اور الف ہے لام دو
نام خدا ہے ہاتھ میں نام نبی ہے ذات میں
مہر غلامی ہے پڑی لکھے ہوئے میں نام دو
نام حبیب کی ادا جاگتے سوتے ہو ادا
نام محمد ہی بنے جسم کو یہ نظام دو

میرے والد گرامی مجدد مسلک اہل سنت عاشق رسول محب صحابہ و آل بتول حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرمایا کرتے تھے بستر پر دائیں کروٹ لیٹ کر دونوں ہاتھ دائیں رخسار تلے رکھ کر ٹانگیں سمیٹ لیا کرو، چشم فلک کو تمہارا جسم نام نبی کی صورت نظر آئے گا، یوں نیند بھی بابرکت ہوگی اور تم پر کرم بھی ہوگا۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب نے ص۱۸ پر ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''نقوش اقبال'' پر جناب رشید احمد صدیقی کے مقدمے کا اقتباس نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''نعت گوئی اتنا ہی مشکل اور معظم فن اور عبادت ہے جتنی عظیم ومکرم وہ شخصیت ہے جس کے طفیل یہ وجود میں آئی... یہ وہ عظیم شاعری ہے جو صحف سماوی کی مانند لازوال ہوتی ہے، اس لیے کہ انھی صحائف کی دی ہوئی اور انھی کی ترجمان ہوتی ہے...'' اس اقتباس پر کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''رشید صاحب ہمارے نثری ادب کی آبرو ہیں، مگر اس بیان میں قدرے اور احتیاط کی ضرورت تھی۔ نعت اس عظیم ومکرم شخصیت کے ذکر اور مرتبہ کا پرتو ہے اور صحف سماوی کی جھلک نعت میں ملتی

ہے اور اس کی یہ ''لازوالیت'' اسی ذکر مکرم کا صدقہ ہے، لیکن نعت کو صحف سماوی کی مانند لازوال کہنا نیت کی صداقت کے باوجود زیادتی ہے۔'' (ص۱۹، نعت رنگ، شمارہ۹)

غزل کے حوالے سے اگر میں نے کشفی صاحب کے جملوں کو ہضم نہیں کیا تو دیکھیے کہ خود کشفی صاحب بھی اپنی فہم و دانست کے مطابق نثری ادب کی آبرو کے الفاظ کو زیادتی کہنے کی جرأت کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ خود ابوالحسن علی ندوی صاحب نے ان لفظوں پر اعتراض کیوں نہیں کیا؟ توجہ نہیں دی یا انھیں درست جانا، یہ کشفی صاحب یا علی میاں کے مداح خاص ابوسفیان اصلاحی صاحب ہی بتاسکیں گے۔

ص۲۲ پر کشفی صاحب نے علامہ اقبال مرحوم کا شعر نقل کیا ہے:

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

اس کے بعد وہ میر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ہاں میر صاحب شرک فی النبوت کے مرتکب نہیں ہوئے۔'' اس سے واضح تأثر یہی ملا کہ اس شعر میں علامہ اقبال شرک فی النبوت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر میں نے غلط سمجھا ہے تو کشفی صاحب تصحیح فرمادیں ورنہ شرک فی النبوت اس شعر میں مجھے سمجھا دیں۔

کہیں تو کشفی صاحب کا یہ انداز ہے کہ: ''کار جہاں کے سلسلہ میں اللہ اور رسول کی قربت اور ہم کاری دوسرے استعاروں کی مدد سے بھی قرآن حکیم میں پیش کی گئی ہے''، کہیں یہ کہ: ''چاروں طرف گونجتے ہوئے شور میں اس کی ذات کی خانقاہ سکوت اور چپ کدہ گونجتا ہے کیوں کہ وہ ہمہ وقت اسم محمد ﷺ کی تسبیح خوانی میں مصروف ہے۔'' (ص ۴۸) ''تاکہ اس نام کی تسبیح خوانی کرسکوں۔'' (ص۴۹) اور کہیں اچھے بھلے شعر کو معترضہ بنا دینے کی زحمت فرماتے ہیں حالاں کہ علامہ اقبال کے بارے میں خود رقم طراز ہیں: ''اقبال کی پوری شاعری اور اس کا فلسفہ خودی، عشق و عمل، تعلق بالرسول سے عبادت ہے۔'' (ص۳۱) (لفظ عبادت کمپوزنگ کی غلطی ہے یا اصل یوں ہی ہے؟)

وہ فرماتے ہیں، ''اقبال کی فکر کی اساس ذات محمدی ﷺ ہے۔'' (ص ۳۱)

کشفی صاحب نے اپنے اس مضمون میں کچھ باتیں بہت خوب بھی لکھی ہیں لیکن وہ ص۴۲ پر جنت کے مقابلے میں مدینہ کو ترجیح دینے کی شکایت دہراتے ہوئے لکھتے ہیں، ''میں

اس پر اپنے ایک گزشتہ مضمون میں تفصیلاً لکھ چکا ہوں۔'' انھوں نے اس حوالے سے بھی میرے جواب کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

مجھے شدت سے احساس ہے کہ میرا یہ خط بہت طویل ہوگیا ہے اور ابھی صرف ایک شمارے کے مندرجات کے حوالے سے بھی میری بات مکمل نہیں ہوئی، مجھے ابھی جناب جمال پانی پتی، جناب رشید وارثی اور احمد صغیر صدیقی کی ان باتوں کا جواب دینا ہے جن کا انھوں نے میرے حوالے سے ذکر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط اور کشفی صاحب کی تحریریں شمارہ ۱۰ میں بھی ہیں۔ کہاں تک لکھوں، اور میں نے یہ خط بھی ایک نشست میں نہیں لکھا، کتنے اور کام جمع ہوتے رہے اور میں ٹالتا رہا۔ پیرزادہ علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی کا اس دوران خط آیا، وہ مجھے فرماتے ہیں کہ ان تحریروں کی اہمیت اپنی جگہ، تم نے مستقل کتابیں جو شروع کررکھی ہیں ان پر زیادہ توجہ کرو۔ اس کا جواب انھیں آپ (صبیح رحمانی) ہی لکھیں، آپ پہلے ہی شاکی ہیں کہ میں آپ کو صرف خط لکھتا ہوں، کوئی مضمون نہیں لکھتا۔ بھائی صبیح رحمانی! آپ مجھے نعت رنگ میں لکھنے سے آزاد کیوں نہیں کردیتے؟ محترم اقبال فاروقی صاحب کا مشورہ ونصیحت صائب ہے۔ دس شماروں تک آپ سے بات نباہی ہے اور یہ خط تو مضمون سے زیادہ طویل لکھ دیا ہے۔ اگر آئندہ نہ لکھ سکا تو محسوس نہ کیجیے گا۔ آپ کو نعت شریف کے حوالے سے لکھنے والے عمدہ افراد میسر ہیں اور روز بروز حلقہ بڑھ رہا ہے، ماشاء اللہ۔

نعت رنگ شمارہ ۹ کے ص ۸۷ پر حضرت جمال صاحب پانی پتی کی تحریر ہے جس کا عنوان ہے: ''نعت گوئی کا تصور انسانی اور مولانا کوکب نورانی۔''

محترم جمال صاحب نے شمارہ ۸ میں شائع ہونے والے میرے خط میں درج میرے لفظوں سے اگر یہ تأثر لیا ہے کہ میں نے خود ان کے بارے میں یہ بدگمانی کی ہے کہ وہ تفسیر بالرائے یا مثلیت کا دعویٰ کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں، تو واضح کردوں کہ ان کے بارے میں یہ بدگمانی اس فقیر نے نہیں کی، شاید میں اپنی مختصر تحریر میں اپنی بات واضح نہیں کرسکا۔ پانی اور پتی کی مثال بیان کرنے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ نبی پاک ﷺ کو محض بشر یا اپنے جیسا بشر کہہ کے پکارنا اور سمجھنا میرے نزدیک شدید بے ادبی ہے۔ میں نے ایسا پکارنے سے منع کرنے کے حوالے سے یہ بات کی تھی کہ پانی میں پتی شامل ہوجائے تو چائے پکاری جاتی ہے اسے پانی نہیں کہتے۔ اس سے زیادہ میرا مقصد نہیں تھا علاوہ ازیں میری عادت ہے کہ کوئی

حوالہ پیش کر کے ان تمام لوگوں کو جواب دیتا ہوں جو ایسی سوچ رکھتے ہیں جو قابل اعتراض ہوتی ہے۔ چوں کہ مثلیت کی بات آئی تھی۔ میرا روئے سخن اس بات میں حضرت جمال صاحب کی ذات نہیں تھی۔ امید ہے میری اس مختصر وضاحت کے بعد باقی تفصیل کے جواب کی گنجائش نہیں رہی ہوگی۔

علاوہ ازیں ''انا احمد بلا میم'' کے بارے میں میرا مؤقف اب بھی یہی ہے کہ اس روایت سے اگر کوئی یہ ثابت کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ مخلوق نہیں تو مجھے کوئی بیان اس حوالے سے قبول نہیں۔ ہاں میم مظہریت کا ہو یا سرکار دو عالم ﷺ کو اللہ کی ذات و صفات کا آئینہ کہنے کی بات ہو تو دل و جان سے قبول ہے بلکہ ایمان ہے۔

حضرت سیّد محمد سعید المعروف میراں بھیکھ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الف اللہ کو یاد کر جو گھٹ گھٹ ہے بھرپور
احمد کارن احد نے اپنا کیا ظہور

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

میم احد مون آئے لے پنڈت پوتھی بھو
سود پنتھ بتائے نستار سبھ جگت کو

☆

میم رلے مورت ہے احد ایکتا مول
احد محمد ہور جو لیہے صورت نہ بھول

جمال صاحب کے ذوق کے لیے یہ اشعار لکھ کر بھی یہی عرض ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو واحد حقیقی مانتا ہوں اور نبی کریم ﷺ کو مخلوق مانتا ہوں لیکن مخلوق میں بے مثل و بے مثال مانتا ہوں اور فرمان نبوی ﷺ کے مطابق یقین رکھتا ہوں کہ میرے آقا ﷺ کی حقیقت کو میرے رب کریم کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ جناب محمد قاسم نانوتوی کا کہا ہوا شعر ملاحظہ ہو:

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے کچھ کسی نے جز ستار

وہ بلاشبہ سر وحدت ہیں اور میری سمجھ کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ پھر واضح کر دوں کہ وہ یا کوئی بھی میرے نبی پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی

مخلوق نہ مانے تو یہ قبول نہیں ہو سکتا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ الربانی نے حضور کو ہرگز غیر مخلوق نہیں کہا، مجھے صرف یہی کہنا تھا۔ اگر محترم جمال صاحب نے یہ نکتہ نہیں پایا تو میں نے پھر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اب بھی میرے الفاظ سے مطمئن نہ ہوں تو مجھ سے فون یا ملاقات پر میری بات خوب سمجھ لیں اور پھر مجھے بتادیں کہ میں کہاں غلطی کر رہا ہوں؟ اس مہربانی پر میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔ اپنی تحریر کے آخر میں انھوں نے غفلت یا سہو سے سرزد ہوجانے والی اپنی جس غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی نشان دہی کے لیے مجھ نالائق کا شکریہ ادا کیا، اس پر دعا گو ہوں کہ اللہ کریم انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو راہ حق پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین

ص ۲۵۵ شمارہ ۹ پر جناب احمد صغیر صدیقی کا مکتوب ہے۔ انھوں نے مجھ بے بضاعت کو دینی معاملات پر اٹھائے گئے سوالوں کے جواب دینے پر قابل تعریف قرار دیا اور ساتھ ہی فرمایا ہے، کہ میں نے متعدد لکھنے والوں کو روکا ٹوکا ہے۔ فرماتے ہیں کہ کوکب نورانی بہت معمولی معمولی باتوں پر معترض ہوا ہے مثلاً سستی جذباتیت، کٹھ ملاؤں، مرض میں مبتلا ہوئے جیسے الفاظ پر بھی ناخوش ہوا۔

محترم احمد صغیر صاحب سے عرض ہے کہ متعدد لکھنے والوں کی جن باتوں کو میں نے دینی شرعی اور تعظیم نبوی کی مد میں نامناسب خیال کیا، ان پر اپنی دانست کے مطابق انھیں ضرور روکا ٹوکا ہے اور جن الفاظ پر ناخوشی ظاہر کی ہے وہ بھی بلاوجہ نہیں۔

جناب رشید وارثی، نعت رنگ شمارہ ۱۰ کے ص ۱۰ پر رقم طراز ہیں: ''فقہی اعتبار سے یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں کسی شخص کی غلطیوں کی پردہ پوشی کرنے کی بجائے ان کی نشان دہی ہر صاحب علم پر واجب ہوجاتی ہے تاکہ لاعلمی یا ناواقفیت کی بنا پر ان غلطیوں کو دُہرائے جانے کا سدباب کیا جاسکے۔''

رسول کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے الفاظ کے انتخاب میں حد درجہ احتیاط لازم ہے۔ ہم خطا و نسیان سے مرکب انسان ہیں، اگر ہم سے کوئی خطا اس مبارک ذکر میں ہو جائے اور خود ہمیں اس کا احساس نہ ہو تو اس خطا کی نشان دہی پر ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ ہم توبہ و استغفار اور غلطی سے رجوع ہی کی طرف مائل ہوں۔ احمد صغیر صاحب سے اور تمام قارئین سے عرض ہے کہ وہ میری تحریر میں بھی کوئی غلطی و کوتاہی پائیں تو مجھے ضرور آگاہ فرمائیں، میں ان کا

شکر گزار ہوں گا۔

احمد صغیر صاحب صدیقی لکھتے ہیں: ''میرے اس سوال کے جواب میں کہ ''صحیح مبالغے'' سے کیا مراد ہے انھوں نے لکھا ہے ''اس سے مراد ہے جائز مبالغہ'' مجھے حیرت ہے کہ کیا جواب ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی جیسے کوئی کہے ''جائز بدکاری'' یا ''مستحسن بے ایمانی''۔ (ص ۲۵٦)

احمد صغیر صاحب نے مبالغے کو بدکاری اور بے ایمانی جانے کیوں سمجھ لیا؟ میں اس کا جواب نہ بھی دیتا تو قارئین سمجھ جاتے کہ احمد صغیر صاحب صدیقی ''جائز مبالغے'' کو سمجھ نہیں سکے۔ زیادہ کہنا اور غلط کہنا دو الگ باتیں ہیں۔ بعض باتیں یا کام بہ ظاہر مبالغے لگتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مبالغہ نہیں ہوتے یعنی حد سے متجاوز یا غلط نہیں ہوتے انھی کو جائز مبالغہ کہا ہے۔ ایک روایت ہے کہ ایک مقدس خاتون نے غسل میں مبالغہ کیا، مراد یہ ہے کہ بدن کی نظافت و طہارت میں تسلی کے لیے پانی معمول سے کچھ زیادہ استعمال کیا۔ محترم احمد صغیر صاحب، فرمائیں کہ کیا وہ اس مبالغے کو بھی بدکاری اور بے ایمانی شمار کریں گے؟ تحفظ صوم کے لیے روزہ دار کو کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، ایسی کتنی ہی مثالیں ہیں۔ میرے بیان میں یا لفظوں میں شاید نقص تھا کہ صغیر صاحب اصل مفہوم اخذ نہ کرسکے یا پھر انھوں نے توجہ ہی نہیں فرمائی۔ اگر اب بھی میں اپنی اس بات کو سمجھا نہیں سکا ہوں تو اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت خواہ ہوں۔

محترم احمد صغیر صاحب صدیقی لکھتے ہیں، ''ایک بات ضرور پوچھوں گا کہ کیا یہ القاب (مولائے کل، سرکار دو عالم وغیرہ) حضور اکرم ﷺ کے سامنے بھی رائج تھے اور کیا صحابہ ان کا استعمال کرتے تھے؟'' (ص ۲۵٦) اوّل تو وہ یہ جان لیں کہ شریعت مطہرہ کے قوانین میں کوئی ایسا قانون نہیں کہ جو کام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہیں کیا وہ کام اُمت مسلمہ کو کرنا جائز ہی نہیں، دوم یہ کہ صغیر صدیقی صاحب نے یہ بات محترم ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی سے پوچھی ہے، چوں کہ اس حوالے سے انھوں نے میرے جواب کا ذکر بھی کیا ہے اس لیے ان سے پھر عرض کروں گا کہ ''سیّدالعالمین'' کا اردو یا فارسی میں ترجمہ وہ خود ارشاد فرمائیں اور باقی القاب کے لیے عربی کے الفاظ وہ نظم و نثر میں دیکھنا چاہیں تو یہ فقیر انھیں اپنی ذاتی لائبریری میں مدعو کرتا ہے، علاوہ ازیں وہ اسی نعت رنگ شمارہ ۹ اور ۱۰ میں عربی کے اشعار شعراء الرسول

کے کلام میں بھی ان القاب کے ہم معنی عربی الفاظ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

محترم جناب رشید وارثی نے نعت رنگ کے لیے بہت لکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ محنت کے خوگر ہیں۔ شمارہ ۱۰ نعت رنگ میں ان کا عمدہ مقالہ بہ عنوان ''اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں'' خاصا وقیع ہے۔ ادب رسالت کے حوالے سے انھوں نے بہت عمدہ جملے لکھے، دل سے انھیں ان جملوں پر دعائیں دیں۔ اپنے مقالے کے آخر میں انھوں نے بہ عنوان ''بعض شبہات کا ازالہ'' شمارہ ۶ میں شائع ہونے والے اپنے مضمون کے حوالے سے میرے کچھ اعتراضات کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ انھی کی تازہ تحریر ہی سے ان کو جواب پیش کردوں۔ وہ شمارہ ۱۰ کے ص ۲۲ پر عنوان قائم کرتے ہیں ''کسر شان مضمون آفرینی۔'' اس کے تحت انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے مندرجات میرے ان تمام اعتراضات کی خود رشید وارثی صاحب کے اپنے قلم سے تائید و توثیق کرتے ہیں۔ جناب عبدالدائم جلالی ہوں یا کوئی اور، اگر وارثی صاحب متعدد شعرا کے اشعار میں کسر شان الفاظ کی گرفت کرتے ہوئے ان الفاظ کو ادب رسالت کے منافی قرار دے رہے ہیں تو نثر میں تسامح یا عدم توجہ کی وجہ سے سرزد ہو جانے والے الفاظ کی گرفت پر بھی اسی طرح وہ مستعد ہوں۔ رسول کریم ﷺ کے لیے ''بے ہوشی'' کے الفاظ میرے ایمان کے ذوق لطیف کو کسی طرح بھی گوارا نہیں۔ مولانا روم نے بھی مثنوی شریف میں یہ بیان فرمایا کہ وہ ہستی جو رب تعالیٰ کو دیکھ کر آنکھ نہیں جھپکتی وہ جبریل امین علیہ السلام کو دیکھ کر کیسے اپنے ہوش کھوسکتی ہے! انھوں نے بڑی پیاری بات فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے جبریل کو اپنی اصل صورت دکھانے کو فرمایا تو چوں کہ جبریل نوری اور فرشتہ ہے تو سرکار ﷺ بھی شان بشری سے اپنی نوری شان میں جلوہ گر ہوئے۔ دیکھنے والوں کو جسم اقدس کی جو کیفیت نظر آئی اسے انھوں نے خالی از ہوش سمجھ لیا، اگر بے ہوشی گمان کی جائے تو قابل توجہ بات یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جبریل امین کی تمام کیفیت کیسے دیکھ لی، وہ اس کی تفصیل بیان فرماتے ہیں یعنی وہ اپنی اس شان میں جلوہ گر ہو کر جبریل امین کا مشاہدہ کر رہے تھے، جسم اقدس جن کے سامنے تھا انھوں نے اپنے دیکھنے کے مطابق گمان کرلیا۔ احادیث میں ہے کہ میرے آقا کریم ﷺ کی نیند ان کا وضو باقی رکھتی تھی کیوں کہ ان کی آنکھیں تو سوتی تھیں لیکن قلب اقدس بے دار رہتا تھا، ایسے آقا کے بارے میں بے ہوشی کا لفظ میں کیسے گوارا کرلوں؟ دنیا سے رحلت کے وقت بھی ظاہری طور پر جن کو جسم

اقدس کی ظاہری صورت جیسی دکھائی دی اس کو لکھنے والوں نے بے ہوشی، غشی یا مدہوشی لکھ دیا لیکن میں اور میرا ذوق ہرگز راضی نہیں کہ رسول کریم ﷺ کے لیے یہ الفاظ یوں ہی لکھے جائیں۔ ابوالخیر کشفی صاحب نے کسی تحریر میں مدینہ منورہ کی گرمی کا تعلق کھجوروں کی شیرینی سے قائم کرنا نقل کیا تھا۔ کیا رشید وارثی کے عشق رسول کو اس مقام پر ادب ومحبت کا کوئی اور پیرایہ گوارا نہ ہوا؟ نامناسب یا کسی طرح منفی پیرایۂ بیان کے لیے دلیل ڈھونڈنا اور بیان کرنا تو کمال نہیں۔ اس طرح ''مرض میں مبتلا'' ہونے کے الفاظ ہیں۔ میں تو یوں کہوں گا کہ مرض، دامن اقدس چھونے آیا تاکہ ہم گناہ گاروں کے لیے کفارۂ سیئات بنے۔ یونہی مجھے لفظ پسینہ پر اعتراض نہیں نہ ہی کثیر العرق والی روایت مجھ سے مخفی ہے، بات وہی ہے کہ پیرایہ بیان ایسا ہو جو رشید صاحب کی محبت بھری تحریروں کی خوبی بنے۔

محترم رشید صاحب نے گستاخی کا سنگین جرم کرنے والوں اور ان کے حمایتی افراد کے نام کے ساتھ بھی القاب وآداب لکھنے پر میرے اعتراض کے جواب میں لکھا ہے: ''البتہ علمائے کرام خواہ کسی مکتب فکر کے ہوں ان کو برا کہنے سے احتیاط برتنا چاہیے کیوں کہ اس طرح بعض مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔'' (ص ۳۷) انھوں نے بیہقی کی ایک روایت نقل کرنے کے ساتھ سورۃ الانعام کی دو آیات کا بھی ذکر کیا ہے حالاں کہ بیہقی کی روایت میرے اعتراض سے غیر متعلق ہے اور مذکورہ قرآنی آیات کو اکثر مفسرین نے منسوخ فرمایا ہے۔ رشید وارثی صاحب کے نزدیک بعض مسلمانوں کی دل آزاری نامناسب فعل ہے۔ میرے نزدیک کسی کی بھی ذاتی دل آزاری روا نہیں البتہ کوئی میرے بے عیب نبی پاک ﷺ کی گستاخی بے ادبی کرے تو ایسے گستاخ اور اس کے حامیوں کی دل آزاری کو میں کار ثواب سمجھتا ہوں اور اپنا ایمانی فریضہ بھی۔ رشید وارثی صاحب کو میں نے شائستگی یا متانت کا دامن چھوڑنے کو نہیں کہا مگر وہ مسلمان اسے تسلیم کریں جس کو شریعت وسنت مومن ومسلم ثابت کرے۔ میں نے نعت رنگ میں اسی لیے ایسی تحریروں کی مخالفت کی جن میں عقائد کی بحث چھڑے اور بات تلخی میں ہو۔ اس عمدہ پرچے میں آداب رسالت کے تقاضوں کی بات رہے اور اہل محبت تک پھول ہی مہکائے جائیں۔ جو کوئی میرے محبوب نبی کریم ﷺ کا مبارک نام چومنے کو ناجائز کہے اور میلاد شریف منانے کو کنہیا کا جنم دن منانے جیسا کہے اس کی تکریم یا رعایت تو خود کو ایمانی طور پر تباہ کرنے والی بات ہے، حضرت مولانا روم فرماتے ہیں:

می بلرزد عرش از مدح شقی

وارثی صاحب سے عرض کروں گا کہ مجھ سراپا آلودۂ عصیاں کی فردِ عمل میں یہی تو ایک نیکی ہے کہ میں کائنات میں سب سے افضل، سب سے اجمل، سب سے اکمل، سب سے اولیٰ و اعلیٰ، سب سے بالا و والا، فخرِ آدم و بنی آدم، نورِ مجسم، شفیعِ معظم، درّ اللہ المکنون، عالم ماکان و مایکون، امام الانبیا، جانِ مسیحا، مولائے کل، ختم الرسل، رحمۃ للعٰلمین، محبوبِ ربّ العٰلمین، سیاحِ لامکاں، مالکِ جناں، النبی الامی القرشی الہاشمی المطلبی، رؤف و رحیم رسولِ کریم ﷺ کے کسی بے ادب، گستاخ یا اس گستاخ کے حامی کے لیے قلب و ذہن میں کوئی تکریم یا رعایت نہیں رکھتا۔ اپنے معبودِ کریم جل مجدہ سے یہی دعا ہے کہ وہ مجھے اس نیکی پر ثابت و قائم رکھے، اسے میرے لیے سرمایۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین و مخالفت یا فاسق و فاجر، ظالم و جابر یزید پلید علیہ مایستحقہ کی تعریف و حمایت کرنے والے پر غم و غصہ اسی کو ہوگا جو نبی پاک ﷺ کی سچی محبت رکھتا ہوگا اور ان کی نسبتوں کا احترام کرتا ہوگا، جو علم نافع اور تعظیم و ادب نہیں رکھتا وہ میرے نزدیک ابلیس لعین سے کسی طرح کم نہیں۔ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ علمائے حق اور اہلِ محبت کا میں ادنیٰ غلام ہوں اور گستاخانِ رسول اور ان کے حامیوں کے لیے شمشیرِ بے نیام ہوں۔ دل آزاری کے حوالے سے اس حکایت پر اپنی اس تحریر کا اختتام کرتا ہوں: ایک ایرانی شخص کسی شاعر کا دوست ہوگیا، جب اس اپنے دوست سے ملنے گیا تو وہ مسلمان شاعر اپنی داڑھی مونڈ رہا تھا۔ ایرانی نے کہا، آغا ریش می تراشی؟ شاعر نے کہا، بلے! موئے می تراشم ولے دل کسے نمی خراشم۔ ایرانی نے جواب دیا، آرے، دل رسول اللہ ﷺ می خراشی۔ (کیا تم داڑھی مونڈ رہے ہو؟ ہاں! داڑھی مونڈ رہا ہوں کسی کا دل تو نہیں چھیل رہا۔ ہاں ہاں! تم رسول اللہ ﷺ کا دل تو چھیل رہے ہو) شاعر نے یہ سنا تو غش کھا کے گر پڑا۔ ہوش آیا تو کہا:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا باجانِ جاں ہم راز کردی

(اللہ تعالیٰ تجھے جزا دے کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے جانِ جاناں کا رازدار بنا دیا یعنی ان کی بارگاہ کے لائق بنا دیا)۔

رشید وارثی صاحب ایسے لوگوں کے بارے میں شرعی احکام سے شاید پوری طرح

آگاہ نہیں جو تکریم تو کیا مدارات کے بھی کسی طرح ہرگز اہل نہیں۔ میری اس تحریر سے رشید وارثی صاحب یا کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو یا مجھ سے کوئی سہو ہوا ہو تو معذرت خواہ ہوں۔ اللہ بس باقی ہوس۔

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

''نعت رنگ'' بلاشبہ عشق وعقیدت حضور ﷺ کا حسین ترین گل دستہ اور مصحف ایمانی ہے۔ مضامین کی تازگی، جدت فکر ونظر، عنوانات کا تنوع۔ سبحان اللہ! آپ جس احسن انداز سے اور اتنے تواتر سے کام کیے جا رہے ہیں وہ لائق تحسین بھی ہے اور بے مثال بھی۔

''نعت رنگ'' کی نمود اوّلین کے حوالے سے ایک شمارہ موصول ہوا۔ آپ کے نعتیہ دیوان تک بھی رسائی ہوئی۔ مگر حالات کی کشاکش میں اس طور پریشان تھا کہ مبارک باد بھی نہ دے سکا پھر شرمندگی غالب آتی گئی۔ نعت کے حوالے سے لکھنے سے تو کبھی بھی پہلو تہی نہیں کی مگر ''نعت رنگ'' کے لیے کچھ نہ بھجوا سکا۔ آپ نے ثابت کردیا ہے کہ کراچی صحیح معنوں میں عشاق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی نگری ہے۔

میری استدعا ہے کہ تازہ شمارہ (جو بھی ہوگا وہ تازہ ہی ہوگا) ارسال فرمادیجیے گا اور نظم ونثر کے حوالے سے فوری حکم صادر فرمایے گا تاکہ طویل تاخیر کی تلافی کی کوئی صورت نکل آئے۔ آپ کے ہاں موضوعات کی اتنی ہمہ رنگی ہے کہ اس کی خوشبو میں کھویا ہوا ہوں۔ جن مصروفیات نے مجھے دبائے رکھا ان میں سے ایک تو مسلسل بیماری تھی اور دوسرا مکان کا مسئلہ تھا۔

برادر عزیز پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی معرفت سلام لکھواتا رہا ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہو۔ اس وقت تاریکی میں ہوں اور معلوم نہیں کہ آپ کون سا شمارہ لانے والے ہیں۔ اس لیے استدعا ہے کہ اعزازی طور پر پرچہ بھیج کر مجھے نوازنے کے ساتھ ہی اپنی تحریر سے بھی نوازیے گا جس سے معلوم ہوسکے کہ آئندہ کا ''نعت رنگ'' نکہت حضور ﷺ کو کس موضوع کے ساتھ قارئین کے مشام فکر ونظر تک پہنچا رہا ہے۔

آپ نے تو نعت گو شعرا اور محققین نعت کا ایک ایوان خاص ترتیب دے رکھا ہے۔ تصور کی نظر سے دیکھتا ہوں تو آپ اور آپ کے رفقا کی محنتوں کے حوالے سے عشق وعقیدت

حضور ﷺ کی کہکشاں بکھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس کہکشاں کی ابدی جگمگاہٹ اور تب و تاب کا رخ ادھر کو بھی ہو جائے گا۔ بے شمار مرتبہ ہدیۂ تبریک قبول فرمایئے گا۔

آپ کے سبھی رفقا اور قلم کار میری آنکھوں کے ستارے ہیں۔ دعا ہے کہ آپ سلامت رہیں اور قلم کی نوک سے ماہ طیبہ (ﷺ) کی طلعتوں کو اصحاب نظر کے دلوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

عشق شہ مجاز کی تنویر نعت رنگ
ایمان و آگہی کی ہے تصویر نعت رنگ
مضمون خوب تر ہیں تو نعتیں حسیں حسیں
حب حبیب پاک کی تاثیر نعت رنگ

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

اس وقت میرے سامنے ''نعت رنگ'' کے دو شمارے ہیں (۹ اور ۱۰)۔ واجب ہے کہ تمھاری تعریف کی جائے۔ تم نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ ایک بہت خطرناک سا کام تھا مگر نیت میں خلوص ہو تو پروردگار کی مدد ضرور ملتی ہے۔ آج ''نعت رنگ'' کے پلیٹ فارم سے وہ کام ہو رہا ہے جس کی ہمیشہ سے اردو ادب کو ضرورت تھی۔ نعت رسولؐ خدا مذہبی دائرے سے نکل کر ادب کا ایک جز بن رہی ہے اور جو کام ہو رہا ہے اس سے بہت سی بدعتوں کا قلع قمع ہونے کے ساتھ ہی نعت نگاری کو اپنے درست خدوخال کے ساتھ ابھرنے کا موقع فراہم ہو رہا ہے۔ ایسے کم زور مذہبی عقائد کا بھی پردہ چاک ہو رہا ہے جنھوں نے معمولی پڑھے لکھے افراد پر گرفت قائم کر رکھی تھی۔ یقیناً ابھی کافی کام باقی ہے اور انشاء اللہ تمھارے جریدے کے توسط سے یہ بھی تکمیل کو پہنچے گا۔ بس میری دعا یہ ہے کہ وہ لوگ ہر بات کو کھلے دماغ اور کشادہ دلی سے پڑھیں اور براہ تحقیق اپنے عقائد اور ایمان کی اصلاح کریں ''تقلید'' کا سحر بس اسی طرح ٹوٹے گا۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۹ میں جناب جمال پانی پتی کا مضمون ''نعت گوئی کا تصور انسان اور مولانا کوکب نورانی'' اچھا لگا۔ اس جگہ میں جناب کوکب نورانی کے بارے میں یہ پھر لکھنا

چاہوں گا کہ ان کی ذات گرامی غنیمت ہے۔ کسی اور عالم دین نے ابھی تک ضرورت نہیں سمجھی کہ ان اہم موضوعات کی سمت توجہ دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا کوکب کی تحریروں سے اس جریدے کی کئی علمی اور تحقیقی بحثیں آگے بڑھی ہیں۔ کاش وہ دوسرے حضرات بھی جو خود کو علم دین سے منسلک سمجھتے ہیں اسے بھی دینی فریضہ سمجھ کر ''نعت رنگ'' میں اٹھائے گئے نکات میں حصہ لیں۔ یہ کام اکیلے ان لوگوں کا نہیں جو ادب سے وابستہ ہیں۔ دراصل نعت گوئی دو پہلو رکھنے والی چیز ہے۔ ادبی اور مذہبی اور اسے ارفع شکل صرف اسی صورت میں دی جا سکتی ہے جب اس میں دینی اور ادبی دونوں شخصیتیں تعاون کریں اور اس طرح سے نہیں کہ ایک دوسرے کے مقابل آکر بلکہ اس طرح جیسے معاونین کار ہوتے ہیں۔ مختلف نقطہ ہائے نگاہ کو اس لیے سننا اور بات ہے کہ مخالفت ضرور کرنی ہے اور اس لیے سننا کہ سچائیوں تک رسائی حاصل کرنی ہے دوسری بات۔

اسی شمارے ۹ میں سلیم کوثر کی نعتیں خصوصی مطالعہ کے حصے میں ہیں اور خوب ہیں ان کی نعتوں میں ادبی حسن کاری کے جلوے بہتات سے بکھرے ہوئے ہیں اور ان کی نعتیں پڑھ کر دل دیر تک مسرور رہتا ہے۔ اچھی شاعری کی اہم ترین صفت یہی ہے کہ وہ خوشی بخشے۔ خصوصی مطالعہ کا یہ حصہ ہر شمارے میں رکھیں مگر صرف اس شاعر کا جس کے پاس واقعی عمدہ نعتوں کا سرمایہ ہو۔

نعت گوئی کے ضمن میں، ایک بات کہنا چاہوں گا کہ نعتیں تو بہت سے شاعر لکھ رہے ہیں مگر یہاں بھی معیار کا مسئلہ رہتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ''نعت رنگ'' میں، نعت کا معیار ذرا سخت کیا جائے بھلے کم نعتیں چھاپیں مگر وہ عمدہ ہونی چاہئیں۔ شاعری کی جو صورت حال آج کل سامنے ہے اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشق کے سہارے یہ کام زوروں پر ہے۔ بہت سی نعتیں مشق کے سہارے کہی جا رہی ہیں یعنی ان کے اندر ادبی حسن کم کم ملتا ہے۔ ''نعت رنگ'' میں اس پہلو پر بھی توجہ دیں۔ ٹھیک ہے سارے شاعر حفیظ تائبؔ، مظفر وارثی، سلیم کوثر، نسیم سحر یا تمھاری طرح جیسے ٹیلینٹیڈ نہیں ہو سکتے مگر اس سے تو انکار کوئی نہیں کر سکتا کہ ہر ایک کے پاس ٹیلنٹ کا کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے اور یہ کلام میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ جب تک نعت میں نظر نہ آئے نعت رنگ میں اسے جگہ نہ دی جائے۔ ضرورت quantity کی نہیں quality کی ہے۔

شمارہ نمبر۱۰ میں سب سے شاندار کام پروفیسر شفقت رضوی کا ہے اور کیا خوب ہے۔ تم ان تک پہنچے۔ میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ تم جب ان تک پہنچو گے تو تم تک ضرور پہنچیں گے۔ یہ مضمون جو انھوں نے تمھیں ''اردو نعت پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب'' کے نام سے دیا ایک شاندار کام ہے۔ میں اسے پڑھ چکا ہوں مگر دوبارہ دیکھ رہا ہوں۔ بہت سی عمدہ باتیں میرے ذہن میں ذخیرہ ہو رہی ہیں۔ جناب رشید وارثی کا مضمون بھی وقیع ہے۔

اس بار تم نے دونوں شمارے تقریباً ڈھائی سو صفحات کے چھاپے ہیں۔ یہ روش جاری رکھو تا کہ معیار نہ گرے۔ نعتیں بھی کم چھاپی ہیں یہ بھی اچھی بات ہے۔ quality کے بغیر کاغذ کا پیٹ بھرنے کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے کام اور جگہ ہونے دو۔

عزیز الدین خاکی القادری۔ کراچی

''نعت رنگ'' کا نواں شمارہ دیکھا اور پڑھا بھی یقین جانیے بہت لطف آیا۔ آپ نے جس محنت و جاں فشانی سے ''نعت رنگ'' میں رنگ بھرے ہیں یہ آپ ہی کا حصہ ہے مضامین اور نعتوں کا انتخاب بھی لاجواب ہے۔ تمام مضامین اپنی جگہ بہت اچھے ہیں مگر سب سے زیادہ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (بھارت) کے مضمون ''شعراءُ الرسول ﷺ'' نے متاثر کیا۔ ریاض حسین چوہدری کی نظم ''تمنائے حضوری'' کا بھی جواب نہیں۔ کتابوں پر تبصرے کے حوالے سے ایک بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ تبصرہ نگار سے کہا جائے کہ وہ بے جا تمہید کے بجائے اگر کتاب اور صاحب کتاب کے حوالے سے گفتگو کریں تو اچھا ہوگا کیوں کہ تبصرہ نگار تمہید باندھنے میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ اس کو یہ تک یاد نہیں رہتا کہ جس کتاب پر میں تبصرہ کر رہا ہوں اس کے مصنف یا مرتب کا نام کیا ہے۔ اس سلسلے میں دیکھیے صفحہ نمبر۱۹۳، نعت رنگ نواں شمارہ۔ ''عزیز احسن کو یہ تک معلوم نہیں کہ حبیبی یارسول اللہ ﷺ کا مرتب کون ہے۔ میں عزیز احسن کے گوش گزار کروں کہ حبیبی یارسول اللہ ﷺ کا مرتب عزیز الدین خاکی ہے۔

مبین مرزا (کراچی)

لفظ ''نعت'' کا استعمال ... ایک توجہ طلب مسئلہ

گزشتہ دنوں ادبی دُنیا میں لفظ ''نعت'' کے استعمال کے حوالے سے اس بحث کی گونج سنائی دی کہ یہ لفظ نبی کریم ﷺ کی مدح وثنا کے علاوہ بھی کسی اور کی تعریف کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔ یہ ایک نازک اور سنگین مسئلہ ہے جس پر فوری گفتگو کی ضرورت تھی۔ نعت رنگ کے اس شمارے کی پیسٹنگ کے بعد ہمیں اس اہم مسئلے پر جناب مبین مرزا کی یہ تحریر موصول ہوئی۔ ہم نے یہ ضروری جانا کہ اس مضمون کو اسی وقت شائع کر کے اس لایعنی بحث کا خاتمہ کیا جائے۔ سو یہ مضمون اپنے مقام پر آنے کے بجائے ''انتظاریہ'' کے عنوان سے آخر میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

صلاح الدین پرویز صاحب معروف آدمی ہیں۔ وہ اپنی شناخت کے ایک سے زائد حوالے رکھتے ہیں، شعر گوئی ان حوالوں میں سے ایک ہے۔ ان کی تجربہ پسند اور جدت طراز طبیعت نے میدانِ شعر میں اپنی جولانی دکھائی اور داد پائی ہے۔ حال ہی میں انھوں نے ایک ادبی رسالے کا اجرا کیا ہے جو اُن کی جولانیٔ طبع کا عکاس ہے لیکن سرِدست ہمیں اس پرچے کے بحث طلب مندرجات سے سروکار نہیں بلکہ ہم نے اس کا تذکرہ محض صلاح الدین پرویز کی اس نظم کے لیے کیا ہے جو پرچے کی پشت پر درج ہے۔ ہندی گیتوں کے اسلوب میں لکھی گئی اس نظم کا ذکر جیلانی کامران صاحب نے ماہنامہ ''علامت'' (جولائی ۲۰۰۰ء) کے ''ادبی زاویے'' میں کیا ہے اور اس تذکرے سے قبل انھوں نے صلاح الدین پرویز کی شاعری کے استعاراتی اور تلازماتی حوالوں اور ان کے پرچے ''استعارہ'' کے لیے خاصی خامہ فرسائی کی ہے۔ اس گفتگو کے دوران انھوں نے ایک ایسے مسئلے کو بھی چھیڑا ہے جو ہمارے اِس مضمون کا جواز بنا۔ یہ مسئلہ ہے رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی دوسرے شخص کی مدح کے لیے لفظ ''نعت'' کا استعمال۔

مذکورہ بالا ''ادبی زاویے'' میں پروفیسر صاحب موصوف نے صلاح الدین پرویز کی اُس نظم کو سراہا ہے جو سری کرشن کے لیے لکھی گئی ہے اور جسے صلاح الدین پرویز نے نعت کا عنوان دیا ہے۔ جیلانی کامران صاحب اس نظم کو نہ صرف نعت باور کرتے ہیں بلکہ اپنے موقف کے استحکام کے لیے یہ نکتہ بھی اُٹھاتے ہیں:

> اگر نعت کی لفظیات کا اطلاق سری کرشن پر ہو تو سری کرشن کو عظیم پیغمبروں میں شامل کر کے خدا کے ربّ العالمین ہونے کی صفت کا اقرار ہوتا ہے۔

اس سے آگے پروفیسر صاحب موصوف اپنے مضمون میں صلاح الدین پرویز کی تین طویل نظموں پر گفتگو کرتے ہیں اور پورا ایک تھیسس بنا کر شاعر کو ہندوستان کے مخلوط معاشرے میں ''اسلامی وجود'' کا ذکر کرنے پر سراہتے ہیں اور قاری سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا اُس (صلاح الدین پرویز) کا ''ہجر کسی صراطِ مستقیم کا چراغ بنتا نظر نہیں آتا؟''

جیلانی کامران صاحب اپنے اس مضمون میں اور بھی کئی نکات اُٹھاتے ہیں جو توجہ اور بحث کے طالب ہیں لیکن طوالت کے خیال سے ہم ان پر گفتگو کسی اور موقعے کے لیے اُٹھا رکھتے ہوئے اس مضمون کو لفظ ''نعت'' کے استعمال تک محدود رکھیں گے۔

اس گفتگو سے قبل ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر جیلانی کامران صاحب کے یہ خیالات و افکار محض کسی ادبی بحث کو دعوت دیتے تو ہم انھیں کسی اور زاویے سے دیکھتے اور عین ممکن تھا کہ درخورِ اعتنا ہی نہ جانتے ہوئے خاموشی اختیار کرتے۔ لیکن ہم نے محسوس کیا کہ یہ مسئلہ محض ادبی یا فنی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ اس کا ہمارے اسلامی عقائد سے بھی ایک تعلق ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کی صحتِ فکر و نظر کا جائزہ لینا اور پوری دیانت داری کے ساتھ اس پر گفتگو کرنا فکری، اخلاقی اور دینی تقاضا رکھتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا لفظ ''نعت'' کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کی مدح کے سوا کسی اور شخص کی مدح پر ہوسکتا ہے؟ ''نعت'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تعریف، توصیف اور مدح کے ہیں۔ تاہم اب یہ لفظ ہمارے یہاں اپنے لغوی معنوں میں نہیں بلکہ اصطلاحی معنوں میں رائج ہے۔ اس لفظ کا اصطلاحی مفہوم ہے، رسول اکرم ﷺ کی منظوم توصیف۔ اہلِ علم اور اہلِ زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی لفظ اصطلاحی معنی اختیار کر لے تو اس کے استعمال میں

احتیاط برتتے ہیں۔ ہم نے کبھی کہیں یہ نہیں پڑھا اور نہ ہی کسی کو کسی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں شخص فلاں صاحب کی بہت ''نعت'' کر رہا تھا (یعنی تعریف کر رہا تھا)۔ اس لیے نہیں سنا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد سے لے کر کم علم بلکہ مطلق لاعلم شخص تک سب کے سب یہ بات قطعی واضح طور پر جانتے ہیں کہ لفظ ''نعت'' صرف و محض محمد الرسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے توصیفی تذکرے کا مفہوم رکھتا ہے اور اسے کسی اور کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ حتیٰ کہ آپ پاکستان ہندوستان کے عیسائیوں کو دیکھ لیجیے، وہ بھی حضرت عیسیٰؑ کی تعریف و توصیف کے لیے لفظ ''نعت'' استعمال نہیں کرتے۔ اثنا عشری حضرات کو دیکھئے، حضرت علیؓ کے لیے کیسی عقیدت و محبت کے جذبات رکھتے ہیں لیکن وہ ان کی مدح کو ''نعت'' نہیں کہتے بلکہ ''منقبت'' کا عنوان دیتے ہیں۔ ان مثالوں سے محض یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ لفظ ''نعت'' صرف اور صرف (سنّی) مسلمانوں کے لیے اصطلاحی معنی نہیں رکھتا بلکہ برصغیر پاک و ہند میں اردو بولنے والے دوسرے مذاہب کے لوگ بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق کس شخصیت پر اور کس التزام کے ساتھ ہوتا ہے؟ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ غیر مسلم شاعروں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی مدح کی تو لفظ ''نعت'' استعمال کیا ورنہ نہیں۔

بات یہ نہیں ہے کہ صلاح الدین پرویز نے سری کرشن کے لیے محبت اور عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ تجربہ پسند طبیعت رکھتے ہیں۔ انھیں پورا حق حاصل ہے کہ ہندوستان کے سارے دیوتاؤں اور اوتاروں کے لیے عقیدت کا اظہار کریں بلکہ جولانیٔ طبع اس کے بعد بھی برقرار رہے تو یونان اور روما کی مائیتھالوجی پڑھیں اور ان میں اپنی پسند کے مطابق دیوی دیوتا منتخب کر کے ان سے اظہارِ عقیدت کریں۔ ان کا یہ اقدام ہمارے لیے چنداں بارِ خاطر نہ ہوگا۔ ہمارا اعتراض تو یہ ہے کہ انھوں نے لفظ ''نعت'' کو بے محل استعمال کیا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں رائج یہ لفظ اب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی مدح کے سوا کسی کے لیے استعمال کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ ایسا اقدام گم راہیٔ فکر و نظر کی بیّن دلیل ہے... اور ساتھ ہی ساتھ یہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی مذموم کوشش بھی۔ ہمیں اس کی واشگاف الفاظ میں مذمّت کرنی چاہیے۔

صلاح الدین پرویز کی جودتِ طبع تو خیر بہت دنوں سے ایسے ہی گل کھلا رہی ہے لیکن سخت افسوس کا مقام ہے کہ جیلانی کامران صاحب ایسے سن رسیدہ اور پڑھنے لکھنے والے

نقاد کو کیا سوجھی کہ ایک پرچے کے مدیر کی تعریف و توصیف میں عقائد کے احترام کی حد بھی پھاند گئے۔ وہ اس سطح پر آگئے کہ ان کے قلم سے متعدد نکات ایسے نکل گئے جو متوازن فکر نقاد کسی طرح روا نہیں سمجھتا۔ آج وہ ایک شاعر کو ''نعت'' کسی اور کے لیے کہنے کی اجازت دے رہے ہیں تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ کل جب کوئی دوسرا شاعر کسی غیر اللہ کے لیے حمد کہہ کر لائے گا تو وہ اس کی بھی پیٹھ ٹھونکیں گے اور اُس کے اس اقدام کو اپنی نکتہ آفرینی کے ذریعے راست قرار دیں گے۔ ان کا یہ کہنا کہ سری کرشن کو پیغمبروں میں شامل کرنے سے خدا کا ربّ العالمین ہونا ثابت ہوتا ہے، نہایت لغو بات ہے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہر قوم اور ہر عہد میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے ضرور آئے ہیں، لیکن ان کا کوئی ریکارڈ فائل ہمارے پاس نہیں ہے جس کی بنا پر ہم کسی بھی قوم کے کسی شخص کے پیغمبر ہونے کی تصدیق کر سکیں۔ علاوہ ازیں اللہ کے قادرِ مطلق اور ربّ العالمین ہونے کا اثبات محض اس بات کے ذریعے کرنا گم راہی کی منطق کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ سری کرشن کو پیغمبر تسلیم نہ کرنے کی صورت میں معاذ اللہ، اللہ کے ربّ العالمین ہونے کا اقرار نہ ہو پائے گا۔ اللہ کے ربّ العالمین ہونے کے کتنے ہی جواز ہمیں قرآن بتاتا ہے اور ہم ان پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

ادب بلاشبہ بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ انسانی تہذیب کی تشکیل اور انسانی معاشرے کی تعمیر میں اس نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ کسی بھی دین کا متبادل نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسے عقیدے کا نعم البدل بنانا یا اس کے خلاف استعمال کرنا قطعی نازیبا عمل ہے۔ اس سے ادب کو کوئی فائدہ پہنچنا تو کجا اس کی اپنی حیثیت بھی مشکوک ہو جائے گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سری کرشن کے لیے لکھی گئی نظم یا ہندی اسلوب یا گیتوں کے لحن اور غیر مہذب اور گستاخانہ بیانیے میں صلاح الدین پرویز کا اپنی نظموں کو ''نعت'' کے عنوان سے موسوم کرنا جس قدر ناروا، ناپسندیدہ اور قابلِ مذمت ہے، اتنا ہی جیلانی کامران صاحب کا وہ مضمون بھی ناشائستہ، ناگوار اور مسترد کیے جانے کے لائق ہے جس میں انھوں نے ان نظموں کی ستائش اور انھیں اسلامی معنی پہنانے کی کوشش کی ہے۔